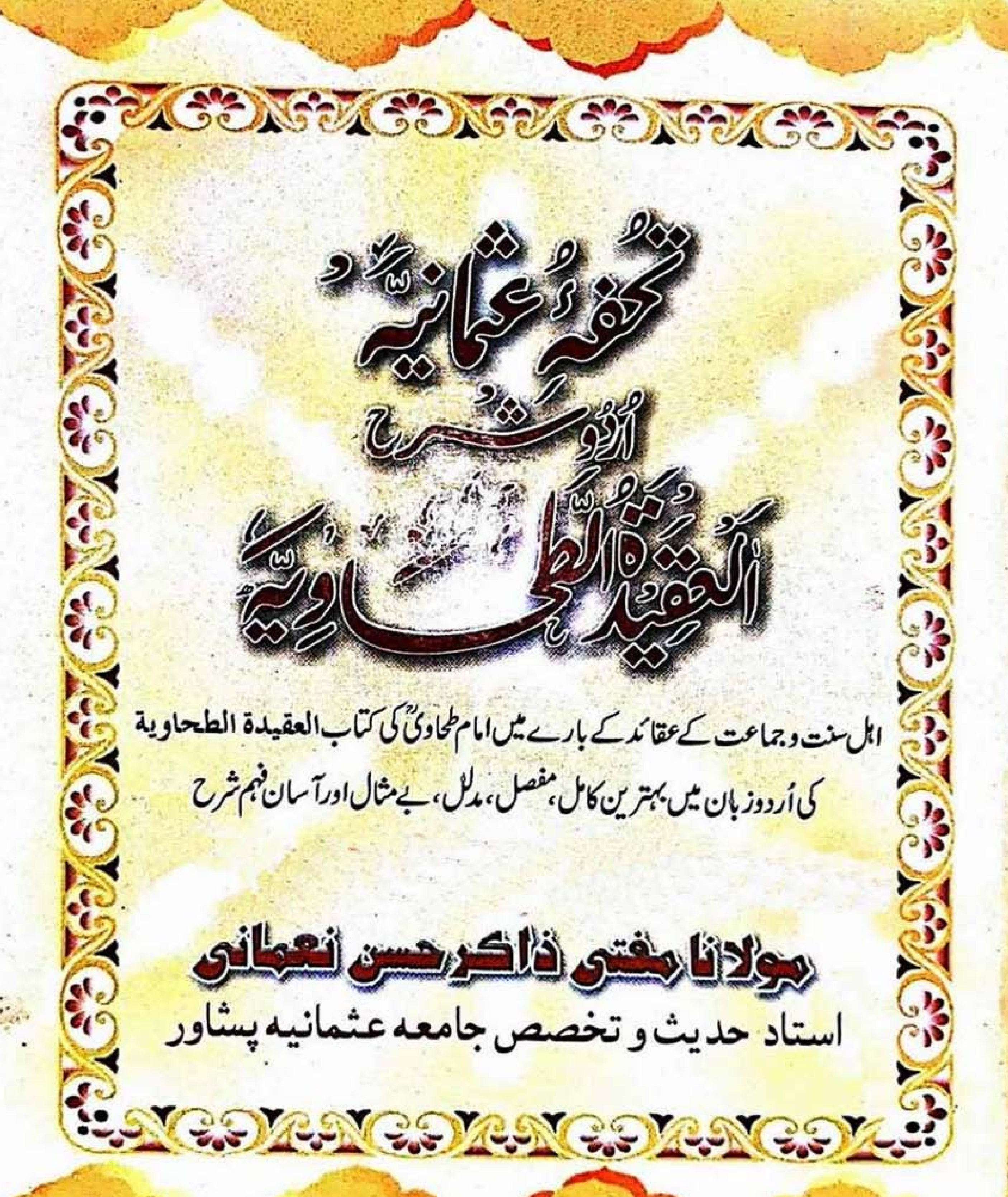
الا للہ الدین الخالص (الآیۃ)



تحفۂ عثمانیہ
اردو شرح
العقیدۃ الطحاویۃ

اہل سنت و جماعت کے عقائد کے بارے میں امام طحاویؒ کی کتاب العقیدۃ الطحاویۃ
کی اُردو زبان میں بہترین کامل، مفصل، مدلل، بے مثال اور آسان فہم شرح

مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی
استاد حدیث و تخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

دار التصنیف
جامعہ عثمانیہ پشاور پوسٹ کوڈ:1209

سلسلہ مطبوعات نمبر۳

الا للہ الدین الخالص (الآیة)



اہل سنت و جماعت کے عقائد کے بارے میں امام طحاویؒ کی کتاب العقیدۃ الطحاویۃ
کی اُردو زبان میں بہترین کامل، مفصل، مدلل، بے مثال اور آسان فہم شرح



مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی و متخصص جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

استاد حدیث و تخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

دار التصنیف

جامعہ عثمانیہ پشاور پوسٹ کوڈ:1209

نام کتاب............... تحفہ عثمانیہ شرح اردو العقیدۃ الطحاویہ

تصنیف............... حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی

صفحات............... ۳۹۱

کمپوزنگ............... محمد فیصل چترالی

تعداد............... ایک ہزار

تاریخ طباعت............... جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ جون ۲۰۰۵ء

پروف ریڈنگ............... مولوی محمد عباس کوثری، مولوی سائر محمد

قیمت...............

ناشر............... دارالتصنیف جامعہ عثمانیہ پشاور

ملنے کے پتے

۱۔ جامعہ عثمانیہ نوتھیہ روڈ پشاور صدر پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹

۲۔ روضۃ القرآن محلہ جنگی پشاور

۳۔ حافظ کتب خانہ نزد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۴۔ مکتبہ فاروقیہ بالمقابل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۶ کراچی نمبر ۲۵

۵۔ اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ پوسٹ کوڈ ۷۴۸۰۰

۶۔ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی نمبر ۷

فہرست عنوانات

کلماتِ مبارکہ حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی

بانی، مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ پشاور صدر

''العقیدۃ الطحاویۃ'' اگر چہ فقہ حنفی کے نامور عالم ابو جعفر احمد بن محمد الطحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) کی مایہ ناز کتاب ہے جس میں چوتھی صدی تک اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بے بنیاد عقائد رکھتے ہونے والوں کی تردید ہے، لیکن آپ کی علمی عظمت، حقیقت پسندی اور مدلل انداز بیان کی وجہ سے آپ کی کتاب کو اہل السنۃ والجماعۃ کے جملہ مکاتب فکر میں شہرت ملی۔ عقائد اسلام کا وہ گرانقدر سرمایہ ہے جس میں فقہی مذاہب میں بہت کم کسی کو اختلاف کی گنجائش ملی اس لیے عقائد کے باب میں بلا امتیاز فقہی مذاہب کے ایک دوسرے کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں قادیانیت، فتنہ انکار حدیث، استشراق اور دوسرے فرقہ ضالہ کو دیکھتے ہوئے جدید علم کلام کی تدوین کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے لیکن پھر بھی قدیم علم کلام کی ضرورت سے انکار نہیں۔ درس نظامی کی اکثر کتابیں قدیم علم کلام کی اصطلاحات اور افکار سے بھری پڑی ہیں اس لیے جدید علم کلام کی ضرورت کے باوجود قدیم علم کلام سے استغناء ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں شرح عقائد اور خیالی جیسی کتابیں درس نظامی کا لازمی حصہ رہی ہیں۔ کچھ مدت سے وفاق المدارس العربیۃ نے ''العقیدۃ الطحاویۃ'' کو نصاب کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔ اختصار پسندی اور علمی رموز پر حاوی ہونے کی وجہ سے قدم بقدم اس کی شرح کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی

،الحمدللہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے جامعہ عثمانیہ پشاور کے استاذ حدیث اور شعبہ تصنیف وتالیف کے رفیق حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب سے لیا، جنہوں نے تحفہ عثمانیہ کے نام سے العقیدۃ الطحاویہ کی مکمل ، مدلل اور مفصل شرح لکھ کر اہل علم کی خدمت میں پیش کردی۔ دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی یہ خدمت قبول فرمائے اور موصوف کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی علمی حلقوں میں قبولیت حاصل کرے،

(آمین)

غلام الرحمٰن

کلمات مبارکہ لفضیلۃ الشیخ حضرت العلامہ مغفور اللہ صاحب مدظلہ العالی
شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔

العقیدۃ الطحاویہ حجۃ الاسلام حافظ الحدیث ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الازدی المصری الطحاویؒ المتوفی ۳۲۱ھ کی تصنیف لطیف ہے۔ عقائد کے باب میں ایک انمول، قیمتی اور بڑی مفید کتاب ہے۔ اس کی عربی شرح ابو العز علی بن علی الدمشقیؒ نے لکھی ہے لیکن اس سے استفادہ قدرے مشکل ہے۔ وفاق المدارس کے ارباب حل وعقد نے عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے العقیدۃ الطحاویہ کو داخل نصاب کر دیا ہے۔ اس مختصر تالیف میں امام طحاویؒ نے اہم عقیدوں کا بیان اور وضاحت کی ہے۔

چونکہ عقیدہ عمل سے اہم اور مقدم ہے عقیدہ کی معرفت سے ہی انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو کر احکامات خداوندی پر عمل پیرا ہوتا ہے اور یہی عقیدہ صحیح یا غلط ہونے کی صورت میں انسان کی سعادت یا شقاوت کا سبب بن جاتا ہے۔ علم التوحید والصفات جو کہ عقائد کے مشہور مباحث اور اشرف مقاصد میں سے ہے انہی کتابوں کی تعلیم و تعلم کی بدولت اس کے پہچاننے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

چونکہ امام طحاویؒ کی اس تصنیف پر ابھی تک بعض شروحات منصۂ شہود پر آچکی ہیں لیکن فاضل مصنف کی یہ شرح مسمّٰی بہ تحفہ عثمانیہ کئی وجوہات سے ممتاز ہے۔ جس کا

اندازہ ایک قاری مطالعہ ہی سے کرسکتا ہے۔اس سے قبل علم تفسیر کے قیمتی موضوع پر ان کی دو تصنیفات ''وجوہ التکرار فی القرآن'' اور تطبیق الآیات'' عوام وخواص میں مقبولیت اور پذیرائی حاصل کرچکی ہیں۔بندہ نے مختلف مقامات سے جستہ جستہ مطالعہ کیا۔فاضل محقق نے انتہائی محنت سے تحقیق وتدقیق کا سہارا لے کر خواص وعوام کے لیے ایسا تحفہ پیش کیا ہے جو کہ دیگر شروحات سے قاری کو بے نیاز کردیتا ہے۔

دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرما کر طلبہ وعوام کے لیے نافع بنائے اور آخرت میں مصنف کے لیے ذریعہ نجات بنائے (آمین)

کتبہ العبد الاحقر مغفور اللہ

خادم الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۱۴۲۶/۴/۶ھ

کچھ شرح کے بارے میں

العقیدۃ الطحاویۃ امام طحاویؒ کا عقائد میں بہترین اور مفید رسالہ ہے، اس میں تقریباً ۱۰۵ عقائد مذکور ہیں۔ عقائد کی دیگر کتابوں کی طرح اس میں منطق اور فلسفہ کی آمیزش نہیں ہے جس کی وجہ سے رسالہ مشکل نہیں۔ اس رسالہ کے متن کی بہترین شرح الامام القاضی علی بن علی بن محمد بن ابی العز الدمشقیؒ نے لکھی ہے، متن اور عربی شرح ہر جگہ مہیا ہے۔ العقیدۃ الطحاویۃ وفاق المدارس کی طرف سے درجہ سادسہ کے نصاب میں شرح عقائد کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ بنات کے درجہ چہارم میں یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ دو سال اس کا درس احقر نے املاء کے طور پر دیا جس کی کاپی طلبہ سے حاصل کی اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کتاب کی شرح لکھنا شروع کی۔ ہر عقیدہ کا متن نمبر وار اعراب کے ساتھ لکھا پھر اس کا ترجمہ کیا اور پھر شرح۔ متن کی تشریح میں قاضی ابو العز الدمشقی کی عربی شرح سے بھرپور مدد لی گئی ہے۔ اس کے علاوہ عقائد کی دیگر کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے، بعض تشریحات احقر کی اپنی ہیں۔ شرح قدرے طویل ہو گئی ہے لیکن ان شاء اللہ بہت مفید ہوگی۔ نقلی اور عقلی دلائل کی کافی رعایت رکھی گئی ہے۔ شرح کا نام مشورہ سے تحفہ عثمانیہ تجویز ہوا۔ قارئین کرام سے عرض ہے کہ اپنی دعاؤں میں احقر کو نہ بھولیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما کر دارین کی بھلائیوں کا ذریعہ بنا دے (آمین)

طالبِ دعا ذاکر حسن نعمانی

بسم الله الرحمن الرحیم

العقیدۃ الطحاویۃ کے مصنف کے حالات:

نام ونسب: امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن
سلمۃ بن عبدالملک الازدی الحجری المصری الطحاوی۔

طحاوی طحا کی طرف منسوب ہے مصر کے قری الصعید میں طحا ایک قریہ ہے۔

ولادت اور نشو ونما:۔ آپکے شاگرد ابن یونس کی روایت کے مطابق آپ 239ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن الندیم کے علاوہ سب کا اتفاق ہے کہ آپ کا سن وفات 321ھ ہے۔ ابن الندیم کے نزدیک 322ھ ہے۔ آپکی تربیت علم وفضل کے گھرانے میں ہوئی۔ آپکے والد اہل علم میں سے تھے۔ اور شعر میں بصیرت رکھتے تھے۔ آپکی والدہ کا شمار امام شافعیؒ کے ان شاگردوں میں ہوتا ہے جو آپکی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ امام مزنیؒ آپ کے ماموں ہیں جو امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ افقہ تھے۔ اور امام شافعیؒ کے علوم کی خوب نشر واشاعت کی۔ آپ نے صحاح ستہ کے اصحاب کا زمانہ پایا ہے۔

مسلک:۔ آپ پہلے شافعیؒ تھے۔ بیس سال کی عمر میں حنفی بن گئے۔

حنفی بننے کی وجہ:۔ آپ کے ماموں امام مزنی ہمیشہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور اس سے متاثر ہوتے تھے۔ محمد بن احمد الشروطی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں کے مذہب کو کیوں ترک کر کے ابو حنیفہؒ کا

مسلک اختیار کیا۔آپ نے جواب دیا کہ میں ہمیشہ اپنے ماموں کو حنفی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

دوسری وجہ:۔آپ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے شاگردوں کے مابین بڑے بڑے علمی معرکے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے۔

تیسری وجہ:۔آپ نے بکار بن قتیبہ،ابن ابی عمران اور ابی خازم جیسے بڑے بڑے شیوخ کو دیکھا جنہوں نے منصب قضا کے حصول کیلئے خود کو حنفی ظاہر کیا۔

چوتھی وجہ:۔آپ نے شافعی مسلک اور حنفی مسلک کی وہ کتابیں دیکھیں جن میں ایک دوسرے کے مسلک کی تردید تھی۔آپ کے ماموں امام مزنی نے ابوحنیفہؒ کے جملہ مسائل کے تردید میں المختصر نامی کتاب لکھی تو اپنے مسلک کے قاضی بکار بن قتیبہ نے المختصر کے رد میں کتاب لکھ دی۔

امام طحاوی کے بارے میں علماء کے اقوال:

ابن یونسؒ فرماتے ہیں: قابل اعتماد عاقل فقیہ تھے۔

ابن الندیمؒ فرماتے ہیں: علم اور زہد کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھے۔

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: کوفی فقہ اور انکے حالات کے بارے میں سب سے زیادہ واقف ہونے کے ساتھ تمام فقہی مذاہب کو جانتے تھے۔

امام ذھبیؒ فرماتے ہیں: جو انکی تالیفات کا مطالعہ کرے تو ان کا علمی مقام اور وسعت علم معلوم ہو جائے گا۔

یافعی فرماتے ہیں: فقہ اور حدیث میں فائق تھے۔اور مفید کتب تصنیف کی ہیں۔

تصانیف:۔ آپ نے عقیدہ، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ میں مفید تصانیف چھوڑی ہیں۔ مثلاً

(۱) شرح معانی الآثار (۲) شرح مشکل الآثار (۳) مختصر الطحاوی فی الفقہ الحنفی (۴) سنن شافعی ؒ اسمیں امام شافعیؒ کی روایات ہیں جو آپنے اپنے ماموں امام مزنیؒ سے سنی ہیں۔ (۵) العقیدۃ الطحاویۃ۔ زیر نظر کتاب لوگوں نے اس کی شروح لکھی ہیں۔

علم الکلام کی تعریف:۔

عِلْمٌ یُقْتَدَرُ مَعَهُ عَلٰی اِثْبَاتِ الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّةِ بِاِیْرَادِ الْحِجَجِ وَدَفْعِ الشُّبَهِ۔

ایسا علم جس کے ساتھ انسان میں دینی عقائد کو دلائل کے ساتھ ثابت کرنے اور اس پر وارد شبہات کے دور کرنے کی قدرت حاصل ہو۔

عقائد سے مراد نفس عقائد ہیں نہ کہ عملؔ اور دین سے مراد دین محمدی ہے۔

دین:۔ هُوَ وَضْعٌ اِلٰهِیٌّ یَدْعُوْ اَصْحَابَ الْعُقُوْلِ اِلٰی قُبُوْلِ مَا هُوَ عِنْدَ الرَّسُوْلِ ﷺ۔

رسول اللہ پاک اللہ کی طرف سے وضع کردہ طریقہ جسکی طرف عقلاء کو دعوت دی جائے۔

موضوع:۔ اَلْمَعْلُوْمُ مِنْ حَیْثُ یَتَعَلَّقُ بِهٖ اِثْبَاتُ الْعَقَائِدِ

الدِّيْنِيَّةِ تَعَلُّقاً قَرِيْباً اَوْبَعِيْداً۔

معلوم اس حیثیت سے کہ اس کی ساتھ عقائد دینیہ کا اثبات ہو خواہ اس معلوم کے ساتھ قریب کا تعلق ہو یا بعید کا۔ بعض کے نزدیک موضوع اللہ کی ذات ہے۔ کیونکہ اس علم میں اللہ کی صفات اور افعال سے بحث ہوتی ہے جنکا تعلق دنیا سے ہو حدوث عالم یا آخرت سے ہو مثلاً حشر (دنیا کو حادث بنایا اور آخرت میں سب کا حشر فرمائیں گے) اسی طرح دنیا اور آخرت میں اللہ کے احکامات کی بحث ہے۔ دنیا میں رسولوں کا بھیجنا اور نصب امام وغیرہ اور آخرت میں ثواب اور عذاب دینا۔

فائدہ: ۱۔اَلتَّرَقِّیْ مِنْ حَضِیْضِ التَّقْلِیْدِ اِلٰی ذِرْوَةِ الْاِیْقَانِ ۔

تقلید کی پستی سے یقین کی چوٹی کیطرف ترقی۔

۲۔اِرْشَادُالْمُسْتَرْشِدِیْنَ بِاِیْضَاحِ الْحُجَّةِ وَاِلْزَامِ الْمُعَانِدِیْنَ بِاِقَامَةِ الْحُجَّةِ۔

صحیح عقیدہ کے متلاشیوں کی واضح حجت کے ساتھ راہنمائی کرنا اور معاندین کو حجت کے ذریعہ ملزم ٹھہرانا۔

۳۔حِفْظُ الْقَوَاعِدِ الدِّیْنِ عَنْ اَنْ تُزَلْزِلَهَا شِبْهُ الْمُبْطِلِیْنَ۔

قواعد دین میں رخنہ ڈالنے والوں سے قواعد دین کو محفوظ کرنا۔

۴۔صِحَّةُ النِّیَّةِ وَالْاِعْتِقَادِ۔

اس لیے کہ اصل غایہ یہی دو چیزیں ہیں۔ انہی کی وجہ سے اعمال درجہ قبول کو پہنچتے ہیں۔

فائدہ:۔ شریعت کے جن احکامات میں عمل مطلوب ہوتا ہے انکو احکام فرعیہ کہتے ہیں۔ جن میں صرف اعتقاد مطلوب ہوتا ہے ان کو احکام اصلیہ کہتے ہیں۔

بلوغ کے بعد صحیح اور شرعی عقیدہ رکھنے کیلئے صحیح نظر ضروری ہے علم التوحید اور صحیح نظر کا سیکھنا مذکر اور مؤنث مسلمان پر فرض عین ہے۔ اگر چہ اجمالی ادلہ سے ہو۔ تفصیلی دلائل کیساتھ فرض کفایہ ہے۔

واضعین علم الکلام:۔ الشیخ ابو منصور الماتریدی اور الشیخ ابوالحسن الاشعری بہت شہرت رکھتے ہیں کہ اس علم میں انہوں نے کتابیں مدون کی ہیں اور مخالفین کے دلائل اور براھین کے ساتھ زوردار تردید کی ہے اسلئے دونوں کا شمار اس علم کے واضعین میں ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ:۔ اس علم کا نام کلام رکھا ہے۔

۱۔ اس علم کے ابواب کا عنوان الکلام فی کذا ہوتا ہے۔

۲۔ اس علم میں مسئلۃ الکلام نے بہت شہرت پکڑی ہے کہ کلام الٰھی مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔

۳۔ فلاسفہ نے اپنے علم کا نام قدرت علی النطق کی وجہ سے منطق رکھا تو متکلمین نے اس کا نام کلام رکھا کیونکہ اس علم کے باعث کلام اور بحث مباحثہ کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ اس علم کی وجہ سے شرعیات میں قادر الکلامی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ اس علم کے دلائل اتنے قوی ہیں کہ دوران گفتگو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دیگر کلاموں کے مقابلہ میں صرف یہی ایک کلام ہے۔ مثلاً بہت سے مقررین کی تقریروں کے بعد جس مقرر کی تقریر لوگوں کو اسکی خوبیوں کی وجہ سے پسند آجائے تو لوگ کہتے ہیں کہ تقریر تو بس یہی تھی۔ دیگر تقریروں کو تقریر نہیں کہتے۔ حالانکہ وہ بھی تقریریں تھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

حدیث میں ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَایُبْدَأُ فِیْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَقْطَعُ۔ جس ذی شان امر کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیساتھ نہ ہو وہ بے برکت ہوتا ہے۔

قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْفَقِیْهُ عَلَمُ الْاَنَامِ حُجَّةُ الْاِسْلَامِ اَبُوْ جَعْفَرٍ الْوَرَّاقُ الطَّحَاوِیُ الْمِصْرِیُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔

شیخ امام فقیہ مخلوق کے سردار حجۃ اسلام ابوجعفر الوراق طحاوی مصریؒ فرماتے ہیں۔

شرح:۔ یہ امام طحاویؒ کا مقولہ نہیں۔ اسلئے کہ اپنے بارے میں خود کوئی ایسے اونچے کلمات نہیں کہتا آپکے بعد معتقدین میں سے کسی کا اضافہ ہے۔

شیخ کی جمع شیوخ ہے بمعنی بڈھا، شیخ کا اطلاق استاد، عالم، سردار قوم اور اس شخص پر ہوتا ہے جو لوگوں کے نزدیک علم و فضل کے لحاظ سے بڑا ہو شیخ النار ابلیس سے کنایہ ہے۔

امام:۔ مذکر مؤنث دونوں کیلئے، بمعنی پیشوا، جس کی اقتداء کی جائے۔

اسکے اور معنی بھی ہیں۔ مثلاً نمونہ، واضح راستہ، قرآن، خلیفہ، مصلح، امیر لشکر۔

فقیہ:۔ بہت سمجھدار ذکی عالم، علم فقہ کا ماہر جو دوسروں کو فقہی مسائل سمجھانے کا ملکہ رکھتا ہو اس کی جمع فقہاء آتی ہے۔

انام:۔ انام، اُنام اور انیم مخلوق کو کہتے ہیں۔

حجت:۔ دلیل و برھان، جمع حُجج، حِجج دلیل میں غالب آنے والا۔

اسلام:۔ دین محمدی کا نام لقب۔

ابو جعفر:۔ آپکی کنیت۔

الورّاق:۔ روپے پیسے والا۔ کاغذ کا بیچنے والا۔ کاغذ بنانے والا۔ کاتب۔ ممکن ہے امام طحاوی مالدار ہو یا کاغذ کا کاروبار تھا۔ کاتب کا معنی تو ظاہر ہے کئی ضخیم کتابیں آپکے قلم سے نکلی ہیں۔

الطحاوی المصری:۔ مصر میں قریہ طحا کی طرف نسبت ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ:۔ جملہ دعائیہ ہے۔

هٰذَا ذِكْرُ بَيَانِ عَقِيْدَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلٰى مَذْهَبِ فُقَهَاءِ الْمِلَّةِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتِ الْكُوْفِىْ وَاَبِىْ يُوْسُفَ يَعْقُوْبَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ الْاَنْصَارِىِّ وَ اَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِبْنِ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِىِّ رِضْوَانَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔

ترجمہ:۔ یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کا بیان ہے جو فقہاء ملت ابوحنیفہ

نعمان بن ثابت الکوفی اور ابی یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری اور ابی عبداللہ محمد بن الحسن اشیبانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مذہب پر مبنی ہے۔

شرح :۔ عقیدہ: عقیدہ عقد سے ہے گرہ کو کہتے ہیں۔ اعتقاد بھی اسی سے نکلا ہے۔ ربط القلب بالنسبت کو کہتے ہیں کسی نسبت کی دل میں ایسی گرہ لگانا جو کھلنے نہ پائے تو عقیدہ کا معنی ہے جس پر پختہ یقین کیا جائے جس کو انسان اپنا دین بنائے اور اسکا اعتقاد رکھے۔

اہل سنت والجماعت :۔ فرقہ ناجیہ جسکا اس حدیث میں ذکر ہے مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ۔ انکو اہل حق بھی کہتے ہیں۔ ایسی قوم جو خود کو ایسے حق کی طرف منسوب کرتی ہے جو دلائل و براھین سے ثابت ہو اور انکے رب کے نزدیک صحیح ہو۔

مذہب :۔ ان قضایا کا مجموعہ ہے جو ایسے شخص سے حاصل ہوں جو ان کو استدلال اور استنباط کے ساتھ ثابت کرنے کا مدعی ہو۔

ملت :۔ ملت و دین دونوں متحد بالذات ہیں۔ اعتباری فرق ہے۔ شریعت اس اعتبار سے کہ اس پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے یا کتابوں میں لکھی جاتی ہے ملت کہلاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒ مجتہد مطلق ہیں۔ امام ابو یوسف ؒ اور امام محمد ؒ کا شمار مجتہدین فی المذہب میں ہوتا ہے۔ لیکن مولانا عبدالحی لکھنوی ؒ شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایۃ

کے مقدمے میں فرماتے ہیں۔حق یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مجتہد مطلق تھے۔دونوں نے اجتہاد مطلق کا درجہ حاصل کرلیا تھا۔مگر استاد کی تعظیم کرتے ہوئے اور غایت ادب سے انھوں نے استاد ہی کے اصولوں کو اپنایا اور ان کی روش اختیار کی اور ان کے مذہب کی نشرواشاعت وتائیدونصرت میں لگ گئے اور اپنے آپ کو انکی طرف منسوب کردیا اسلئے ان کو مجتہدین مطلق کے بجائے مجتہدین فی المذہب شمار کیا گیا۔

وَمَا يَعْتَقِدُوْنَ مِنْ أُصُوْلِ الدِّيْنِ وَيَدِيْنُوْنَ بِهٖ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اور اصول دین میں ان عقائد کا بیان ہے جن کا اہل سنت والجماعت اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کو رب العلمین کیلئے اپنا دین بنائے ہوئے ہیں۔اصول دین سے مراد اعتقادیات ہیں۔

عقیدہ نمبر ا:۔

قولہ:نَقُوْلُ فِيْ تَوْحِيْدِاللّٰهِ مُعْتَقِدِيْنَ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ اَنَّ اللّٰهَ وَاحِدٌ لَاشَرِيْكَ لَهٗ۔

ترجمہ:۔ہم اللہ کی توفیق سے اللہ کی توحید کا اعتقاد رکھتے ہوئے کہتے ہیں بے شک اللہ ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔

شرح:۔صرف توحید کا بول نہیں بولتے بلکہ اس کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ توحید کا اعتقاد نہ ہو اور زبان سے توحید کا اقرار ہو جیسے منافقین کی ظاہری توحید تھی۔توحید کا قول اس وقت معتبر ہوتا ہے جب دل سے اعتقاد بھی ہو۔توحید

انبیاء کرامؑ کی سب سے پہلی دعوت، آخرت کی پہلی منزل اور مسلمانوں کا پہلا فریضہ ہے۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کی پہلی دعوت توحید کا ذکر ہے سب نے آواز لگائی یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ۔ ترجمہ اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی معبود نہیں تمہارا اسکے سوا۔ حضور ﷺ نے بھی سب سے پہلے توحید کی آواز لگائی ۔ مکلّف پر سب سے پہلے کلمہ شہادت دل سے ماننا ضروری ہے اور پھر مرتے دم تک اس کلمہ توحید پر قائم رہنا ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے مَنۡ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الۡجَنَّةَ ۔ مرتے وقت جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

توحید کی بڑی بڑی تین قسمیں:۔ توحید فی الذات یعنی اس کی ذات میں اسکا کوئی شریک نہیں اس کا ذکر والٰھکم الہ واحد میں ہے۔ دوسری قسم توحید فی الصفات ہے اسکی صفات میں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اسکا ذکر اس جملہ میں ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ (البقرة/۱۶۳)۔ ترجمہ: کوئی معبود نہیں اسکے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا۔ تیسری قسم توحید فی الافعال ہے اس کا ذکر ان آیات میں ہے

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ الخ

(البقرة/۱۶۴)

ترجمہ: بیشک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے

بدلتے رہنے میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔

یعنی اللہ کی طرح محیر العقول کارنامے کوئی بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔مثلاً بے شمار عجیب عجیب مخلوقات کو صفت تر زیق کی وجہ سے عجیب عجیب طریقوں سے رزق دیتا ہے۔صفت تخلیق کی وجہ سے بے شمار قسم کی مخلوقات کو پیدا کیا۔صفت تدبیر کی وجہ سے نظام عالم کی بقا کیلئے کیسی تدبیریں کررہا ہے۔ بارش برسانا، ہوا چلانا، غلے اگانا، موسموں کو بدلنا وغیرہ۔تمام ضروریات کو صرف وہی پیدا کرتا ہے۔انسانی زندگی کی تمام ضروریات جنکے بغیر نسل انسان کی بقا محال ہے ان کو پیدا کیا۔انسان صرف سہولیات پیدا کرتا ہے۔مثلاً بجلی کے پنکھے، اے سی، گاڑیاں، ہوائی جہاز وغیرہ جب یہ چیزیں نہ تھیں تو پھر بھی انسان موجود تھا لیکن اگر ہوا، پانی وغیرہ غائب ہو جائے تو سب لوگ یک دم مرجائیں۔اور اگر انسانی سہولیات مصنوعات وغیرہ ختم ہو جائیں تو انسان مرتا نہیں صرف قدرے مشکلات پیدا ہونگی۔مصنوعات کی ایجاد بھی انسانی عقل اور الہام کا نتیجہ ہے اور دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔پہلی ایجاد انسانی عقل اور پھر اللہ کی طرف سے الہام کی وجہ سے ہوئی، تو مصنوعات بھی درحقیقت اللہ کا کمال ہے۔

توحید کی چند اور قسمیں:۔توحید الربوبیت:۔یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اکیلا خالق ہے۔کائنات کی ہر چیز کی بقا کا انتظام کررہا ہے عالم کیلئے صفات وافعال کے اعتبار سے دو برابر صانع نہیں ہیں۔بنی آدم میں سے کسی نے توحید الربوبیت کا انکار نہیں کیا ارشاد باری ہے۔قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ (ابراھیم/۱۰)

ترجمہ بولے انکے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین۔

فرعون بظاہر منکر تھا لیکن باطن میں اللہ کی ربوبیت کا قائل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل،۱۰۲) ترجمہ: تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان اور زمین کے مالک نے سمجھانے کو۔ نصاریٰ بھی قائل ہیں کہ صانع عالم ایک ہے وہ اپنی تثلیث کو توحید کہتے ہیں۔ التوحید فی التثلیث والتثلیث فی التوحید۔

توحید الالٰھیۃ:۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادت اسی کا حق ہے۔

توحید فی الامر:۔ تمام اوامر کیلئے آمر صرف اللہ ہے۔

توحید فی النھی:۔ تمام نواہی کیلئے ناہی صرف اللہ ہے۔ دونوں کا حاصل یہی ہے کہ شارع حقیقی صرف اللہ ہے۔

توحید فی الاثبات:۔ قرآن مجید میں اللہ کی ذات، صفات اور افعال کا ذکر ہے اپنی توحید بیان کی ہے اپنے لئے صفات و افعال کا اثبات کیا ہے اسکو توحید علمی وخبری بھی کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی ذات، صفات و افعال کی خبر اور اطلاع دی ہے۔

توحید طلبی:۔ لوگوں کو اپنی عبادت کیطرف دعوت دینا اور غیر اللہ سے

چھڑانا۔

توحید فی الصفات:۔ فلاسفہ سرے سے صفات کا انکار کرتے ہیں کیونکہ صفات کا اثبات ان کے نزدیک توحید کے منافی ہے۔معتزلہ صفات کا انکار تو نہیں کرتے مگر صفات کو عین ذات قرار دیتے ہیں کہتے ہیں اللہ عالم ہے لیکن اسمیں صفت علم نہیں اپنی ذات کی وجہ سے وہ عالم ہے صفات کا اثبات اور توحید فی الصفات کا شعور بہت ضروری ہے ہر شے کی پہچان اور قدر و قیمت صفات کی وجہ سے ہوتی ہے صفات اعلیٰ اور پائیدار ہوں تو شے زیادہ قیمتی ہوگی اللہ تعالیٰ کی صفات اعلیٰ اور پائیدار ہیں اسلئے مسلمان کسی اور کے در پر نہیں جھکتے ۔دنیا کے تمام کافر اقوام جو بتوں اور غیر اللہ کے دربار میں جھکتی ہیں انکے ہاں اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ اور دوامی صفات کا تصور نہیں۔

حقوق التوحید:۔توحید کی جملہ اور مذکورہ اقسام کو جاننا اور ماننا توحید کا حق ہے توحید پر قائم رہنے والوں کو جب بہترین اور نیک بدلہ دیا جائے تو یہ جزائے توحید ہے۔قرآن مجید میں توحید اور حقوق توحید اور جزائے توحید کا مکمل ذکر موجود ہے۔

توفیق:۔اس عقیدہ میں توفیق کا ذکر ہے۔کلمہ توحید دل و زبان سے اقرار اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے اور توحید اپنانا بہت بڑی نیکی ہے۔وما توفیقی الا باللہ ۔توحید کا لغوی معنی ہے دست دادن کسے را در کارے۔اور اصطلاحی معنی ہے جَعْلُ الْاَسْبَابِ مُوَافِقاً لِمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ ۔ یہ اللہ کا دین ہے جس سے کوئی نیک کام لینا چاہے اسکے لئے استعداد،اسباب،آلات اور سہولیات وغیرہ مہیا کر دیتا ہے۔یہ

کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ اگر فلاں شخص کے پاس سہولیات ہوتی تو وہ بھی یہ کام کرسکتا تھا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ اسکو توفیق نہیں ملی اللہ تعالیٰ سے ہر نیکی کیلئے توفیق مانگنی چاہیئے اس کا کرم ہے نیکی کی توفیق بھی دیتا ہے پھر اس پر اجر بھی عطا کرتا ہے۔

عقیدہ نمبر ۲:۔

قوله وَلَا شَیْءَ مِثْلُهٗ۔

ترجمہ۔ اور اس جیسے کوئی چیز نہیں۔

شرح:۔ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال میں کوئی چیز اس کے مشابہ اور مثل نہیں مخلوق میں موجودات خارجیہ، ذھنیہ کے جاننے اور سمجھنے کیلئے مختلف چیزیں موجود ہیں موجودات ذھنیہ کیلئے جنس اور فصل ہے۔ موجودات خارجیہ کیلئے حکما کے نزدیک ھیولیٰ اور صورت ہے۔ جبکہ متکلمین کے نزدیک اجزاء ہیں۔ پھر ہر چیز کیلئے مشبہ بہ پائی جاتی ہے۔ لیکن اللہ نہ جنس ہے نہ اسکا کوئی ہم جنس ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اسکی مثل ہو تو اللہ تعالیٰ کی حقیقت جاننا آسان ہو جائیگی۔ حالانکہ اسکی حقیقت جاننے کیلئے سرے سے کوئی راستہ ہی نہیں۔ ارشاد ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ نہ کل صفات میں اسکا مماثل ہے نہ بعض میں بایں معنیٰ کہ کوئی اس کی قائم مقامی کرسکے کیونکہ اللہ کی ذات وصفات واجب بالذات ہیں اور اس کے ماسوا سب ممکن بالذات ہیں تو ممکن کیسے واجب کی جگہ لے سکتا ہے بعض صفات میں صرف اسمی مشارکت ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا

مثلاً واجب تعالیٰ بھی سمیع اور بصیر ہے اور بندہ بھی سمیع اور بصیر ہے لیکن فرق واضح ہے
اللہ کی صفات ذاتی، دائمی، قدیم اور لامحدود ہیں اور بندہ کی صفات عارضی، عطائی
عادث، زوال پزیر اور محدود ہیں۔ جب اسکا مثل ہر لحاظ سے ذات، صفت اور فعل
میں نہیں تو ظاہر بات ہے کہ وہ جس طرح تصرفات کرتا ہے اس سے ہر قسم کی مخلوق
عاجز ہے اس عقیدہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دیتے
ہیں ایسے لوگوں کو ممثلہ مشبہہ کہتے ہیں۔ جب اللہ کی نظیر اور مشابہ کی نفی ہوئی تو اب اللہ
تعالیٰ یا اس کی صفات اور افعال کی کسی بھی چیز کیساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں۔

عقیدہ نمبر ۳:۔

قولہ :وَلَا شَیْءَ یُعْجِزُهٗ۔
ترجمہ۔کوئی چیز اسکو عاجز نہیں کر سکتی۔۔

شرح:۔ اللہ تعالیٰ کمال قدرت اور کامل صفات کے وجہ سے ہر قسم کے عیب اور
عجز سے پاک ہے دنیا کے سپر پاور بھی کمال قدرت نہیں رکھتی۔ بلکہ بہت سے امور
میں عاجز ہو جاتی ہے۔ کبھی جنگ ہار جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسی طاقت اور
قدرت کا مالک ہے کہ کوئی اسکے سامنے دم نہیں مار سکتا وہ کن فیکون کا مالک ہے اسکی
قدرت اور قدرت کے مظاہرے ہمارے مشاہدے میں ہیں۔ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (البقرہ۔۲۰) ترجمہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ
قادر ہے اسکے علاوہ تمام اشیاء اس کی مقدور ہیں۔ کوئی چیز اس سے بے قابو نہیں

ہوسکتی۔ارشاد ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِراً (الكهف/۴۵)

ترجمہ: اوراللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت۔

ارشاد ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَافِي الْاَرْضِ اِنَّهُ كَانَ عَلِيماًقَدِيْرًا۔ (فاطر/۴۴)

ترجمہ: اوراللہ وہ نہیں جسکوتھکا سکے کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمیں میں وہی ہے سب کچھ جانتا کرسکتا۔ارشاد ہے وَلَا يَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَالْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرۃ/۲۵۵) ترجمہ:-اورگراں نہیں ہے اسکوتھامنا انکا۔اوروہی ہے سب سے برتر، عظمت والا۔

وہ حی اور قیوم ہے اس پرکوئی چیز بوجھ نہیں نہ اسکوتھکا سکتی ہے کائنات کے نظام چلانے میں کوئی شیَ اسکو عاجز نہیں کرسکتی۔ یہ نفی اپنی کامل ضد کو ثابت کرتی ہے۔اسی طرح کتاب وسنت میں جہاں بھی کسی صفت کی ایسی نفی ہے وہاں اس کی کامل ضد ثابت ہوگی مثلاً لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَداً (الكهف/۴۹) ترجمہ:-اورتیرارب ظلم نہیں کرے گا کسی پر۔

لِكَمَالِ عَدْلِهِ۔اپنے کامل عدل کی وجہ سے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

لَايَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (سبا/۳)

ترجمہ:-غائب نہں ہوسکتا اس سے کچھ ذرا بھرآسمانوں میں اورنہ زمین میں۔

لکمال علمہ۔ کمال علمی کی وجہ سے زمین اورآسمان کی کوئی شے اس سے

پوشیدہ نہیں۔

وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوْبٍ (ق/۳۸) ترجمہ:-اور ہم کو نہ ہوا کچھ تھکان۔

لکمال قدرتہ۔کمال قدرت کی وجہ سے اس کو چیز نہیں تھکا سکتی۔

لَاتَأْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرۃ/۲۵۵) ترجمہ:-نہیں پکڑ سکتی اسکو اونگھ اور نہ نیند

لِکَمَالِ حَیٰوتِہٖ وَ قَیُّوْمِیَّتِہٖ: کمال حیاۃ وکمال قیومیت کی وجہ سے اسکو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔

لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (الانعام/۱۰۳) ترجمہ:-نہیں پا سکتیں اسکو آنکھیں۔

لِکَمَالِ جَلَالِہٖ وَ عَظْمَتِہٖ وَ کِبْرِیَائِہٖ: عظیم کبریائی اور کمال عظمت کی وجہ سے اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ان آیات میں اگر نفی صفت کے ساتھ اسکی ضد بطریق کمال ثابت نہ ہو تو صرف نفی میں کوئی مدح نہیں۔

سلف کا طریقہ اثبات مفصل اور نفی مجمل:

اثبات صفات کتاب اللہ میں مفصل ہے اور نفی اجمالاً اسلاف نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے اہل کلام کا جو طریقہ نفی میں تفصیلی طور پر اختیار کیا ہے صحیح نہیں فرماتے ہیں۔ لَیْسَ بِجِسْمٍ وَلَا شَبِیْحٍ وَلَا جُثَّۃٍ وَلَا صُوْرَۃٍ وَلَالَحْمٍ وَلَادَمٍ وَلَاشَخْصٍ وَلَا جَوْھَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا بِذِیْ لَوْنٍ الخ۔

اسی طرح کی تفصیل نفی صحیح نہیں ۔یہ صرف نفی ہے اس میں کوئی مدح نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی بے ادبی ہے۔مثلاً کسی بادشاہ سے کوئی کہے اَنْتَ لَسْتَ بِزَبَّالٍ وَلَا

كَسَّاحٍ وَلَا حَجَّامٍ وَلَا حَائِكٍ تو پست قد نہیں، تو جھاڑو کش نہیں، تو حجام (نائی) نہیں، تو جولاہا نہیں۔ یہ باتیں بادشاہ کے حق میں سچی ہیں لیکن ایسی تعریف کرنے والے کو سبق سکھائے گا۔ تعریف اس وقت ہو گی جب بادشاہ سے اجمالاً یوں کہے انت لست مثل احد من رعیتك۔ تجھ جیسا رعایا میں کوئی نہیں تو ظاہری و باطنی عیوب سے پاک ہے۔ یہ بادشاہ کی مدح بھی ہے اور اس سے خوش بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں سبحان اللہ۔ یعنی وہ ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے لہذا علم کلام کی کتابوں میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ انکے مقابلہ میں حکماء اور فلاسفہ تھے۔ جو صرف عقلی طور پر مقابلہ کرتے تھے۔ اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتے تھے۔ نقلیات کو نہیں مانتے تھے۔ ممکن ہے صرف ان حکماء اور فلاسفہ کو شکست دینے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔ اس لئے کہ متکلمین اسلام کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تنزیہ باری تعالیٰ میں بے ادبی کرتے تھے۔ یا بے ادبی کا ارادہ تھا۔

عقیدہ نمبر ۴:۔

قولہ: ولا الہ غیرہ

ترجمہ:۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

شرح:۔ یہ وہ کلمہ توحید ہے جس کی طرف تمام انبیاء کرام نے دعوت دی ہے اور توحید الوہیت ہے۔ اس عقیدہ میں توحید کا ثبوت نفی اور اثبات کے طریقہ پر بطور حصر ہوا ہے نفی و اثبات کے ذریعے ثبوت بہتر ہے صرف اثبات کے طریقہ سے اسلئے

کہ صرف اثبات کے ساتھ ثابت کرنے میں کبھی اور احتمال نکل آتے ہیں۔ مثلاً کوئی کہے اس گھر میں زید رہتا ہے اسمیں احتمال ہے کہ اسکے ساتھ اور بھی کوئی ہو۔ لیکن اگر یوں کہا جائے کہ اس گھر میں زید کے علاوہ کوئی نہیں رہتا۔ اب غیر کی رہائش کا احتمال ختم ہو جائے گا ''وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' میں اثبات توحید صرف مثبت طریقے سے ہے لیکن اسکے بعد فرمایا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ'' صرف مثبت طریقہ سے کبھی شیطانی وسوسہ ذہن میں آجاتا ہے کہ ٹھیک ہے ہمارا الہ تو ایک ہے لیکن ہمارے علاوہ کیلئے کوئی اور الہ ہے تو اس لئے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

عقیدہ نمبر ۵:۔

قولہ: قَدِيْمٌ بِلَا اِبْتِدَاءٍ دَائِمٌ بِلَا انْتِهَاءٍ

ترجمہ:- قدیم ہے بلا ابتداء کے اور ہمیشہ رہنے والا ہے بغیر کسی انتہا کے

شرح: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (الحدید/۳)

ترجمہ:- وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے۔

سب مخلوق سے پہلے ہے اور وہی سب مخلوق کے فنا ذاتی وصفاتی سے پیچھے بھی رہے گا۔ یعنی اس پر نہ عدم سابق طاری ہوا ہے۔ جیسے سب مخلوق پر عدم سابق واقع اور طاری ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر نہ عدم لاحق طاری ہوگا۔ جیسے فناء عالم کے وقت سب پر عدم طاری ہوگا۔ اگرچہ اہل جنت کیلئے خلود ہے ان پر عدم طاری نہ ہوگا۔ لیکن مخلوق اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو سب کو فنا کردیں لیکن اللہ تعالےٰ ایسا نہ کرینگے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے واجب ہے۔ اس پر عدم کا طاری

ہونا محال ہے۔ پھر تو واجب نہ ہوا۔ مخلوق پر عدم کا طاری ہونا دلیل ہے کہ قدیم نہیں اور قدیم نہ ہونا دلیل ہے عدم وجوب کی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں جن روایات میں جنت، دوزخ، عرش، کرسی کا فنا ہونا آیا ہے۔ تو اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ فنا اور ہلاک عام، ھالک الذات اور ھالک الصفات کو، اور صفات سب کے بدلتے ہیں بالخصوص تقید بالزمان کے۔ معلوم ہوا صرف اللہ جو واجب الوجود ہے اس پر عدم طاری نہیں ہوتا۔ اللہ سب سے اول ہے اس نے سب کو وجود بخشا۔ بقیہ وجود عارضی، عطائی اور حادث ہیں۔ یہ سوال صحیح نہیں کہ اللہ کو وجود کس نے بخشا۔

آگ جل رہی ہے اسکے اوپر بالٹی ہو۔ بالٹی میں پانی ہو اور پانی میں کوئی کپڑا ہو بالٹی اور اسکے اندر کی سب چیزیں گرم ہو جائیں گی، کوئی پوچھے کہ کپڑا کیوں گرم ہے جواب ملے گا گرم پانی کی وجہ سے۔ سوال وارد ہوا کہ پانی کیوں گرم ہے۔ جواب ملے گا گرم بالٹی کی وجہ سے پھر سوال ہوا کہ بالٹی کیوں گرم ہے۔ جواب ملے گا اسکے نیچے آگ جل رہی ہے پھر کسی نے سوال کیا کہ آگ کیوں گرم ہے جواب ملے گا آگ بذات خود گرم ہے۔ حرارت اور گرمی کا سلسلہ آگ پر ختم ہوا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان چیزوں کی حرارت میں آگ اول ہے اسی طرح تمام وجودوں میں اللہ کا وجود اول ہے اللہ کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ اس کو کس نے وجود بخشا صحیح نہیں۔ کیونکہ آگ کی طرح بہت سی چیزیں ہیں جہاں آکر آدمی رک جاتا ہے کہ اصل علت اور مبدأ یہی ہے تو مخلوقات میں جب بریک لگائی جاتی ہے تو اللہ کے بارے میں بھی رُکنا چاہیئے۔ کہ وہی فاعل بالارادہ اور فاعل بالاختیار ہے۔ حدیث میں اَللّٰھُمَّ أنتَ

الاوّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنتَ الْآخِرُ لَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ" تو اس عقیدہ میں قدیم سے مراد اول ہے اور دائم سے مراد آخر ہے۔ اس کو لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بھی کہتے ہیں۔ ابدی اور سرمدی بھی کہتے ہیں قدیم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں نہیں ہے۔ قدیم کا معنیٰ لغت عرب میں یہ ہے کہ جو غیر پر مقدم ہو۔ یہ معنیٰ نہیں کہ اس پر عدم مقدم نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ (یٰسٓ/۳۹) ترجمہ:۔ یہاں تک کہ ہو جائے جیسے ٹہنی پرانی۔

عرجون قدیم کا مطلب یہ ہے جو عرجون ثانی کے وجود تک باقی رہے جب نیا عرجون پایا جائے تو اوّل عرجون کو قدیم کہتے ہیں۔ الحاصل قدیم جو غیر پر مقدّم ہو اسکے ساتھ لازم نہیں کہ یہ مقدّم پہلے معدوم نہیں تھا۔ بلکہ ممکن ہے پہلے معدوم ہو پھر غیر پر مقدم ہو۔ باپ بیٹے پر مقدّم ہے لیکن باپ پر پہلے عدم طاری ہوا ہے۔ اسلئے بہت سے سلف اور خلف القدیم کو اسماء اللہ میں داخل نہیں مانتے۔ بلکہ اس کی جگہ اوّل اور آخر قرآنی الفاظ صحیح ہیں۔

عقیدہ نمبر ۶:۔

قوله :وَلَا يَفْنىٰ وَلَا يَبِيْدُ

ترجمہ:۔ اور نہ وہ فنا ہوگا اور نہ وہ ہلاک ہوگا۔

شرح: گزشتہ عقیدہ سے ثابت ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ لم یزل اور لایزال ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس پر فنا اور ہلاک طاری نہیں ہو سکتے۔ یہ گزشتہ عقیدہ کا اقرار ہے۔ فنا اور ہلاک قریب المعنیٰ ہیں اور دوام کی تاکید کیلئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر چیز فنا اور ہلاک

ہوگی۔ارشاد باری ہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمٰن/۲۶،۲۷)

ترجمہ:- جوکوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے۔اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا۔بزرگی اور عظمت والا۔

ارشاد ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص/۸۸)

ترجمہ:- ہر چیز فنا ہے مگر اسکی ذات۔

عقیدہ نمبر ۷:۔

قوله وَلَا يَكُونُ إِلَّا مَا يُرِيدُ۔

ترجمہ:- اور ہوگا وہی جو وہ چاہے۔

شرح:۔ یہ معتزلہ اور قدریہ کا رد ہے۔معتزلہ باطل فرقوں میں پہلا باطل فرقہ ہے جنہوں نے اسلامی عقائد کے مقابلہ میں اپنے اختلافی قواعد کی بنیاد رکھی اور یہ قواعد ظاہر احادیث کے خلاف ہیں۔معتزلہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تمام بندوں سے ایمان کا ارادہ کرتے ہیں تو مؤمن اسکے ارادے کے مطابق ایمان لے آتا ہے اور کافر کفر کا ارادہ کرتا ہے۔اور ایمان نہیں لاتا۔۔انکے عقیدہ کے مطابق یہ مطلب نکلا کہ عیاذاً باللہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ میں ناکام اور نامراد ہوا۔کافر اپنے کفر کا ارادہ خود کرتا ہے۔اللہ کفر کا ارادہ نہیں کرتے ورنہ اللہ مرید کفر ہوجائے گا۔اور کفر کی نسبت اللہ کی

طرف ہوگی۔اور اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہوگا وہی جو وہ چاہے۔اللہ مؤمن سے ایمان کا اور کافر سے کفر کا ارادہ کرتے ہیں۔اسکے بعد مؤمن اپنے ارادہ اور اختیار سے ایمان لے آتا ہے اور کافر اپنے ارادہ اور اختیار سے کفر کرتا ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ تکوینی طور پر معاصی کا اردہ کرتے ہیں لیکن معاصی کو نہ پسند کرتے ہیں نہ ان کا حکم کرتے ہیں بلکہ ان کو نا پسند کرتے ہیں اور برا جانتے ہیں اور معاصی سے منع کرتے ہیں۔یہ اسلاف کا متفقہ قول ہے فرماتے ہیں۔مَاشَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَ مَالَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ ترجمہ:۔جو اللہ چاہیں وہ ہوگا جو نہ چاہیں وہ نہ ہوگا۔

ارادہ اور محبت میں فرق:۔

ارادہ اور محبت میں فرق کی مثال یہ ہے اگر ایک شخص کہے واللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ ۔اگر ایک شخص کہے قسم خدا کی اگر اللہ چاہے (ارادہ کرے) تو میں ضرور یہ کام کروں گا تو اگر وہ کام نہ کرے تو حانث نہ ہوگا اگر چہ وہ کام واجب اور مستحب ہو۔کیونکہ حالف نے اپنا کام اللہ کی مشیت پر معلق کر دیا اور اسکی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا تو جب حالف نے وہ کام نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے اس حالف سے اس کا صدور نہ چاہا۔اور اگر حالف یوں کہے قسم خدا کی میں یہ کام ضرور کروں گا اگر اللہ اس کو پسند کرے اور محبوب رکھے تو حالف اگر اس واجب اور مستحب کام کو نہ کرے تو حانث ہوگا۔کیونکہ اب حالف نے اپنے اس کام کو مشیت پر معلق نہیں کیا۔بلکہ اللہ کی محبت پر موقوف کیا تو ظاہر بات ہے کہ اللہ تو واجب اور مستحب کام کو پسند کرتے ہیں محبوب رکھتے ہیں۔اب حالف ضرور اس کام کو کرے گا۔جب نہیں کیا

توحانث ہوجائیگا۔

سوال:- جب ہر کام اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہوتا ہے تو پھر لوگوں کو جزا اور سزا کیوں دی جاتی ہے؟

جواب:- اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بعد بندہ اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ اچھا یا برا عمل کرتا ہے۔ کسی نیک یا برے اختیاری عمل میں انسان نے خود کو بے ارادہ اور بے اختیار محسوس نہیں کیا انسان مجبور نہیں اول اللہ ارادہ کرتا ہے پھر بندہ اپنے اختیار سے ارادہ کرتا ہے انسان کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے انسان کے فعل کیلئے اسکا اپنا ارادہ علّت ہے اور اس کے ارادہ کیلئے اللہ کا ارادہ علّت ہے لہذا انسان کے کسی فعل کیلئے اللہ کا ارادہ علّت العلۃ ہے۔ انسانی فعل کیلئے انسانی ارادہ علّت قریبہ ہے اور اللہ کا ارادہ علّت بعیدہ ہے قانون یہ ہیکہ فعل کی نسبت علّت قریبہ کی طرف ہوتی ہے۔

مثال:۔ آگ سے گرم کئے ہوئے ابلتے پانی سے اگر کوئی جل جائے تو یہی کہیں گے کہ گرم پانی سے جل گیا۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ آگ نے جلادیا اس لیے کہ آگ جلانے کیلئے علّت بعیدہ ہے اور گرم پانی علّت قریبہ تو نسبت علّت قریبہ یعنی گرم پانی کی طرف ہوگی۔ حالانکہ اگر آگ نہ ہوتی تو پانی گرم نہ ہوتا۔ آگ نے پانی کو گرم کیا۔ اللہ کا ارادہ نہ ہوتا تو بندہ کا ارادہ بھی نہ ہوتا۔ ارادہ اور مشیت ایک چیز ہے۔ لیکن ان کی قسمیں ہیں۔

۱۔ ارادہ قدرت کونیہ خلقیہ۔ (تکوینی وتخلیقی ارادہ) ۲۔ ارادہ دینیہ امریہ شرعیہ۔ اللہ کے تمام اوامر اسی ارادہ کے تحت ہیں۔

ارادہ شرعیہ اللہ کی محبت اور رضا کو متضمن ہے۔تکوینی ارادہ میں ہر شے مجبور ہے اور تشریعی ارادہ میں انسان بااختیار ہے۔یا یوں کہو کہ اللہ کے تکوینی ارادہ سے مراد کا تخلف صحیح نہیں۔اور تشریعی ارادہ سے مراد کا تخلف صحیح ہے۔یہی وجہ ہے۔کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔اور تکوینی ارادہ سے سرتابی ممکن نہیں مثلاً کسی انسان کو موٹا کسی کو دبلا بنایا۔کسی کو کالا کسی کو گورا بنایا۔کسی کو لمبا کسی کو پست قد پیدا کیا۔نہ کوئی اعتراض کرسکتا ہے نہ کوئی تکوینی ارادہ اور امر کو رد کرسکتا ہے۔ارشاد ہے۔ کُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ (البقرة/۱۱۶) ترجمہ:۔سب اسی کے تابعدار ہیں۔چاند، سورج، ستارے، وغیرہ سب اپنی تکوینی ذمہ داریاں پوری کررہے ہیں انکی ڈیوٹیوں میں آج تک ذرہ برابر فرق نہ آیا ہے نہ آئے گا۔

اسکے مقابلہ میں ارادہ دینیہ امریہ شرعیہ کے ساتھ اللہ کی رضا اور محبت شامل ہے قرآن مجید میں اسکی مثالیں موجود ہیں۔ارشاد ہے۔یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة/۱۸۵) ترجمہ:۔اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری۔

ارشاد ہے۔وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ۔(النساء/۲۶)

ترجمہ:۔اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو جائے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب۔۳۳)

ترجمہ:۔اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں۔اے نبی کے گھر والو

اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے۔

ارادہ کونیہ والی مشیت تمام حوادث کو شامل ہے مثلاً ارشاد ہے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقاً حَرَجاً كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ

(الانعام/۱۲۵)

ترجمہ:۔سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے۔تو کھول دیتا ہے۔اسکے سینہ کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جسکو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے، کر دیتا ہے اسکے سینہ کو تنگ بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

ولٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (البقرۃ/۲۵۳)

ترجمہ:۔لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

ارادہ کی حقیقت:۔ارادہ صفت مرجحہ کو کہتے ہیں۔یہ اللہ کی صفت ہے قدرت بھی اللہ کی ایک صفت ہے قدرت کا تعلق ضدین سے ہوتا ہے۔مثلاً زید کو بیٹا عطا کرے یا بیٹی۔اللہ دونوں پر قادر ہے لیکن بیٹی کے بجائے بیٹا صفت مرجحہ یعنی ارادہ کی وجہ سے عطا کرتا ہے۔

الحاصل احد المقدورین میں سے ایک کو ترجیح دینے کا نام ارادہ ہے۔اللہ تعالیٰ جب دین اور شرعی ارادہ اور حکم کرے تو کبھی اس میں مخاطب کی مدد کرتا ہے اور کبھی مدد نہیں کرتا اگرچہ مامور سے کسی فعل کا ارادہ کیا ہو۔کبھی آدمی خود ایک فعل کا ارادہ کرتا ہے کبھی کسی اور سے کوئی فعل چاہتا ہے۔جب کوئی آدمی خود کسی فعل کا ارادہ کرے تو یہ

ارادہ خود اس کے فعل پر معلق ہوگا کبھی دوسرے سے کوئی فعل چاہے تو یہ ارادہ دوسرے کے فعل کیلئے ہوگا۔ دونوں قسم کے ارادے لوگوں کے نزدیک معقول ہیں اور دوسری قسم کے ارادہ کو مستلزم ہے۔ یعنی غیر سے فعل کا ارادہ کرنا۔

امر اللہ کی تفصیل:۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کی زبان سے لوگوں کو ان کے نفع والی چیزوں کا حکم دیتا ہے اور ضرردہ چیزوں سے منع کرتا ہے۔ بعض مامورین کے بارے میں اللہ چاہتے ہیں کہ ان کا فعل پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس مامور کو اس کا فاعل بنا کر اس فعل کو پیدا فرمادیتے ہیں۔ اور بعض مامورین کے بارے میں ارادہ کرتے ہیں کہ انکا فعل پیدا نہ ہو۔ ایک ہے اللہ کا کسی فعل کا حکم کرنا کہ اسکو کرو ایک ہے اس مامور کو فاعل بنا کر اس فعل کو پیدا کرنا دونوں باتیں بندے کے مصلحت اور مفسدہ کے لحاظ سے مختلف ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرعون، ابولھب، اور دیگر کفار کو ایمان لانے کا حکم دیا۔ اور ان کو ایمان لانے کا فائدہ بھی بتلا دیا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ایمان لانے میں انکی مدد بھی کرے۔ کبھی انکی مامور بہ فعل میں مدد اور ان سے صادر کرانے میں ایک مفسدہ ہوتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ مامور کا فعل ہے کیونکہ اللہ جس چیز کو وجود دیتے ہیں اس میں ضرور کوئی حکمت ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ اگر مامور بہ فعل میں مامور کیلئے کوئی مصلحت ہو اگر وہ اس فعل کو کرے تو اسمیں امر کے لیے بھی وہی مصلحت ہوگی اگر وہ خود اس کو کرے یا اس کو آمر فاعل (مامور) سے کرائے۔

الحاصل جہت خلق جہت امر سے الگ چیز ہے۔ لوگ کبھی کس کو کسی کام کا حکم

کرتے ہیں کہ یہ کام کرو۔ پھر اس کو اس کام سے اس مامور کے نفع کی خاطر روک دیتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو مصلحت حکم دینے میں ہو وہی مصلحت اس میں بھی ہو کہ مامور کے ساتھ صدور فعل میں اس کا تعاون کیا جائے۔ بلکہ کبھی مصلحت فعل مامور بہ کی ضد میں ہوتی ہے۔ پس کسی کو اس کے نفع کی خاطر حکم کرنا غیر ہے۔ اس سے کہ اس کام کو خود کیا جائے۔

مخلوق میں جب یہ ممکن ہے کہ کسی کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے اور پھر اسکے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کسی بات کا حکم کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ مامور کے ساتھ تعاون بھی فرمائے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ (القصص/۲۰)

ترجمہ:- دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو مار ڈالیں۔ سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو نکلنے کا حکم دیا۔ لیکن نکلنے میں تعاون نہیں کیا۔ نکلنے میں موسیٰؑ کا فائدہ تھا۔ اور تعاون نہ کرنے میں امر کا فائدہ تھا۔ کسی کو حکم کر کے اس فعل مامور بہ میں اس کا تعاون بھی کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکم کرنے والے کیلئے جہت خلق اور جہت امر دونوں ایک ہیں۔ جدا جدا نہیں۔ اگر مامور کی مدد نہ کیجائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ مامور کیساتھ صرف امر کا تعلق ہے۔ خلق کا تعلق نہیں کیونکہ مامور بہ فعل کے خلق کے ساتھ کوئی حکمت متعلق نہیں۔ بلکہ مامور بہ فعل کی ضد کے ساتھ کوئی حکمت

متعلق ہوگی۔ایک ضد کی تخلیق دوسری ضد کے منافی ہوتی ہے۔مثلاً کسی بندہ میں عاجزی پیدا کرنے کیلئے اللہ کا اسکو بیمار کرنا۔پھر بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے توبہ کرتا ہے۔گناہ معاف ہوتے ہیں،دل نرم ہوجاتا ہے،تکبر ختم ہوجاتا ہے۔یہ جملہ امور بیماری کی ضد صحت میں نہیں ہیں۔اسی لئے اللہ نے ظلم کو پیدا کیا تاکہ اسکے ساتھ وہی مفید باتیں پیدا ہوں جو بیماری میں پیدا ہوئیں۔یہ جملہ مفید امور عدل میں نہیں ہیں۔اگرچہ آدمی کیلئے مصلحت یہ ہے کہ وہ عدل سے کام لے۔

خلق اور امر دونوں میں اللہ تعالیٰ کی جو الگ الگ حکمتیں ہیں انکی تفصیلات سے عقل انسانی عاجز ہے۔الحاصل حکم کرنے میں الگ مصلحتیں ہیں۔پھر مامور بہ کے وجود میں آنے میں الگ حکمتیں ہیں۔مامور بہ وجود میں نہ آئے۔اس میں الگ حکمتیں ہیں۔کوئی نہیں جانتا کہ خیر مطلق کس طرف ہے وہی علیم وخبیر جانتا ہے کہ حکم کرنے میں کیا حکمت ہے۔مامور بہ کو وجود بخشنے میں کیا حکمت ہے مامور بہ کو وجود نہ بخشنے میں کیا حکمت ہے۔انسان صرف اپنے ارادہ اور اختیار سے اوامر اور نواھی پر عمل کریگا۔

عقیدہ نمبر ۸:۔

قولہ :لَا تَبلُغُہُ الاَوہَامُ وَلَا تُدرِکُہُ الاَفہَامُ

ترجمہ:۔انسانی اوھام کی رسائی اس تک نہیں ہوسکتی۔اور نہ انسانی عقلیں اور سمجھ بوجھ اسکا ادراک کرسکتی ہیں۔

شرح:۔ اوھام وھم کی جمع ہے۔ دل میں جو خطرہ گزرے اسکو وھم کہتے ہیں۔ قوت وھمیہ پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے اسی قوت وھمیہ کی وجہ سے بکری دل میں کہتی ہے کہ بھیڑیا مجھ سے بھاگ جائے گا۔ وھم انسان میں جسمانی قوت ہے۔ جس کا کام ان معانی جزئیہ کا ادراک کرنا ہے جن کا تعلق محسوسات کے ساتھ ہے جیسے زید کی شجاعت، سخاوت، بکری کی بزدلی، ماں کی محبت وغیرہ۔

افھام فھم کی جمع ہے، مخاطب کے لفظ سے معنیٰ متصور کرنا۔ انسان کے پاس اللہ کی طرف سے دو اہم علمی ذرائع ہیں عقل اور حواس۔ عقل کے مدرک کو تعقل کہتے ہیں۔

اور حواس کے مدرک کو احساس کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ تعقلات میں سے ہے اور نہ محسوسات میں سے انسان کے اندر جو قوت وھمیہ ہے اس کا کام بھی محسوسات سے معانی جزئیہ کا ادراک ہے اور اس کی نفی ہوگئی کہ اللہ محسوس نہیں۔ اور نہ معقول ہے۔ بلکہ وہ ایک خارجی حقیقت ہے جسکی اعلیٰ صفات کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ انسانی عقل میں اللہ کی ذات اور صفات کا جو تعارف ہے وہ انسان کو ایک خارجی ذریعہ علم وحی کے ذریعے ہوا ہے اللہ کی حقیقت کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔

انسانی عقل حواس اور قوت وھمیہ کمزور اور محدود ہیں اللہ کی ذات ہر لحاظ سے لامحدود ہے۔ انسان کا علم بھی کمزور اور محدود ہوگا۔ کبھی یقینی، کبھی ظنی اور کبھی وہمی ہوگا۔ انسانی عقل اور علمی ذرائع تو کسی دوسرے انسان کی دل کی بات بھی نہیں جان سکتے اور نہ انسان برزخ اور آخرت کے احوال جان سکتا ہے یہ سب کچھ اسکو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں اللہ کے علاوہ کتنی مخلوقات ہیں جن کا حقیقی ادراک

انسان نہیں کرسکتا مثلاً فرشتے، جنات، روح وغیرہ تو ان محیر العقول کے خالق کا ادراک کیسے ہو سکے گا۔ جو ہر قسم کے مخلوق والی صفات سے پاک ہے۔ انسان کی عقل کی مثال تو سنار کے ترازو کی طرح ہے اس ترازو میں دو (۲) من کی بوری کیسے تلے گی۔ ترازو ہی سرے سے ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح انسان کی محدود عقل میں لامحدود ذات کا تصور اور ادراک محال ہے وہ کیونکر خدا ہے جو سمجھ میں آ دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا (طٰہٰ/۱۱۰) ترجمہ:- اور یہ قابو میں نہیں لا سکتے اسکو دریافت کر۔

وھم اور علم سے اسکا احاطہ ممکن نہیں۔ ہم اللہ کو صرف اسکی صفات کے ذریعے جانتے ہیں کہ وہ احدٌ، صمد، لم یلد ولم یولد ہے۔ وہ حیّ اور قیوم ہے اسکو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے اسکے اسماء حسنیٰ ہیں، صفات جاننے سے اسکی قدرے معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن ذات ہر لحاظ سے پوشیدہ ہے۔ کسی شے کی حقیقت جاننے کیلئے اس شی کی ذاتیات کا جاننا ضروری ہے اللہ نہ جنس ہے نہ اس کیلئے جنس ہے مثلاً انسان کی ذاتیات حیوان اور ناطق ہیں۔ جس سے انسان کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون نے پوچھا "وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ"۔ لفظ ما کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ جیسے ما الانسان۔ انسان کی حقیقت کیا ہے۔ فرعون پوچھتا ہے رب العٰلمین کی حقیقت کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا۔ کہا پروردگار آسمان و زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے پھر فرمایا "قَالَ رَبُّکُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ

الْاَوَّلِیْنَ ''۔کہاپروردگارتمھارااور پروردگارتمھارے اگلے باپ داداؤں کا۔پھرفرمایا ''قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ''۔کہاپروردگارمشرق ومغرب کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے موسیٰ علیہ السلام نے ربّ العٰلمین کی مزید صفات بیان کرنا شروع کردیں۔انکومعلوم تھا کہ ربّ العٰلمین کی حقیقت کو آج تک کسی نے نہیں جانا۔

عقیدہ نمبر۹:۔

قولہ وَلَا یُشْبِهُ الْاَنَامَ۔

ترجمہ:۔اور مخلوق اسکے مشابہ نہیں۔

شرح:۔مخلوقات میں سے کوئی بھی نہ اسکی ذات کے مشابہ ہے نہ کسی صفت کے ۔صرف اسمی اشتراک ہے انسان بھی سمیع ،بصیر وغیرہ ہے لیکن اللہ کی صفات ذاتی، لامحدود اور پائیدار ہیں ۔اورمخلوق کی صفات عطائی ،عارضی اورزوال پذیر ہیں۔ممکن کی صفات ہرگز واجب الوجود کی صفات کی طرح نہیں ہوسکتیں ارشاد ہے۔لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ'' اس عقیدے میں مشبہہ کا رد ہے جو خالق کی تشبیہ مخلوق کے ساتھ دیتے ہیں۔ملاعلی قاری الفقہ الاکبر کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لَا تُشَابِهُ نُعُوْتَهُمْ وَاِنْ وَقَعَ الْاِشْتِرَاكُ الْاِسْمِیُّ فِی صِفَاتِ الْحَقِّ وَ نَعْتِ الْخَلْقِ مِنَ الْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالرُّؤْیَةِ وَالْكَلَامِ وَالسَّمْعِ وَنَحْوِهٖ ۔مخلوق کی صفات باوجود اشتراک اسمی کے خالق کے ساتھ مشابہ نہیں مثلاً علم ،قدرت،رؤیت کلام،سمع وغیرہ میں۔

الفقہ الاکبر میں ہے" یَعْلَمُ لَا کَعِلْمِنَا وَ یَقْدِرُ لَا کَقُدْرَتِنَا، وَیَرٰی لَا کَرُؤْیَتِنَا وَ یَسْمَعُ لَا کَسَمْعِنَا ۔ جانتا ہے لیکن ہمارے جاننے کی طرح نہیں قادر ہے ہماری قدرت کی طرح نہیں دیکھتا ہے لیکن ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، سنتا ہے لیکن ہماری طرح نہیں ۔ ارشاد باری ہے ۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (النحل/۶۰)

ترجمہ:- اور اللہ کی شان سب سے اوپر ہے ۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (الروم/ ۲۷) اور اسکی شان سب سے اوپر ہے ۔

نعیم بن حماد فرماتے ہیں جس نے اللہ کی تشبیہ مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ دی تو اس نے کفر کیا ۔ اور اگر کسی نے ایسی صفت کا انکار کیا جو اللہ نے اپنے لئے بیان کی ہے تو یہ بھی کفر ہے ۔ اللہ نے اپنی ذات کیلئے اگر کوئی صفت بیان کی ہے یا اسکے رسول نے تو وہ تشبیہ سے پاک ہے ۔ اسحٰق بن راھویہ فرماتے ہیں ۔ جس نے اللہ کی کوئی صفت بیان کی اور پھر اسکی صفات کی مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ دی تو اس نے کفر کیا ۔

مخلوق کی اس کے ساتھ مشابہت کی نفی سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اللہ بھی کسی مخلوق کے مشابہ نہیں ۔ اسلئے ماتن نے صرف ایک جملہ پر اکتفاء کیا کہ مخلوق اسکے مشابہ نہیں ۔

انام سے مراد کل مخلوق ہیں ۔ صرف ذی روح یا ثقلین مراد لینا صحیح نہیں ۔ کیونکہ ارشاد ہے" وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ" ۔ یعنی زمین کو بچھایا واسطے خلق کے ۔ آیت میں انام سے پوری مخلوق مراد ہے ۔

عقیدہ نمبر ۱۰:۔

قولہ :۔حیّ لَایَمُوتُ قیومٌ لاینامُ

ترجمہ:۔زندہ ہے وہ مرتا نہیں ۔تھامنے والا اور نگہبان ہے وہ سوتا نہیں ۔

شرح:۔انسان اور دیگر مخلوقات بہت سی کمزوریوں اور عجز کا مجموعہ ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی اعلیٰ صفات کے ساتھ متصف ہے اور ہر قسم کے عیب سے مبرّا ہے گزشتہ عقیدہ میں تشبیہ کی نفی تھی ،نفی تشبیہ سے نفی صفات لازم نہیں آتی۔صرف بیکار اور کمزور صفات کی نفی ہے۔حیات اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے تو موت جو اس کی ضد ہے خود بخود اس کی نفی ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ بڑی اعلیٰ تدبیروں کے ساتھ نظام عالم چلا رہے ہیں پورا نظام عجیب اور محکم ہے ۔انسان جس نظام یا مشینری کو چلاتا ہے اس میں غلطیاں بھی کرتا ہے،حوادث بھی پیش آتے ہیں، پریشانیاں بھی بہت آتی ہیں۔انسان زندہ ہے، لیکن اس کو موت بھی آتی ہے کسی نظام کو تھامتا اور چلاتا ہے لیکن اونگھ اور نیند کی وجہ سے تھامنا اور نظام چلانا مشکل ہو جاتا ہے ۔کئی ڈرائیوروں کے ساتھ ایسا ہوا کہ گاڑی چلاتے وقت اونگھ آئی یا سو گیا تو گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات کے تکوینی نظام میں آج تک کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا کہ کائنات کو ایسا نقصان پہنچے کہ بالکل بے کار ہو جائے ،جس طرح بعض گاڑیاں ایکسیڈنٹ کے بعد کباڑ کی نذر ہو جاتی ہیں ۔کائنات میں اگر بظاہر بڑا حادثہ (مثلاً زلزلہ ،سیلاب وغیرہ) پیش آ بھی جائے تو وہ اس لئے نہیں ہوتا کہ عیاذاً باللہ اللہ کو اونگھ یا نیند آ گئی۔یا

کسی اور وجہ سے نظام بے کنٹرول ہو گیا بلکہ وہ فعال لما یرید کے اختیاری پروگرام ہوتے ہیں کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی قدرت کے آگے بے بس ہے۔ دنیا میں ایک ایک فیکٹری کو ہزاروں ورکرز چلاتے ہیں پھر بھی گڑبڑ ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی صحیح نگہبان اور تھامنے والا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اتنے بڑے وسیع نظام عالم کو اکیلے تھامنے والے ہیں ارشاد ہے

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (بقرہ/۲۵۵)

ترجمہ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا ہے نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔

ارشاد ہے۔

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِہٖ

(الفرقان/۵۸)

ترجمہ:۔ اور بھروسہ کر اوپر اس زندہ کے جو نہیں مرتا اور یاد کر اس کی خوبیاں

حضور ﷺ کا ارشاد ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَنَامَ (مسلم شریف)

اللہ نہ سوتا ہے اور نہ سونا اس کے مناسب ہے۔

صفت حیاۃ تمام صفات کمال کو مستلزم ہے صفت قیوم کمال غنیٰ اور کمال قدرت کو مستلزم ہے وہ دوسروں کو تھامنے والا ہے اس کو کوئی تھامنے والا نہیں گویا ان

دونوں صفات پر دیگر اسمائے حسنیٰ کا مدار ہے اس عقیدہ میں بیان کردہ صفات کے ساتھ مخلوق اور خالق کا فرق بہت زیادہ واضح ہوجاتا ہے انسان مر رہا ہے، اونگھ رہا ہے سو رہا ہے، لیکن خود انسان اور اس کے اندر کا نظام اور خارجی نظام بطریق احسن چل رہا ہے۔ کسی فیکٹری کا آپریٹر مرجائے یا سوجائے تو فیکٹری تباہ ہوجاتی ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ کائنات کی عظیم فیکٹری صحیح طور پر کام کر رہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا چلانے والا عظیم قدرتوں اور کمالات کا مالک ہے اور پورا نظام حی اور قیوم کے کنٹرول میں ہے

عقیدہ نمبر ۱۱:۔

خَالِق بِلا حَاجَةٍ رَازِق بِلامُؤْنَةٍ

ترجمہ:۔ اپنی کسی ضرورت اور حاجت کے بغیر پیدا کرنے والا ہے بغیر کسی تکلیف اور مشقت کے رزق پہنچانے والا ہے۔

شرح :۔ دنیا میں جتنے لوگ کارنامے سرانجام دیتے ہیں ان میں ضرور کوئی غرض اور مقصد ہوتا ہے مثلاً حصول مال، ناموری، شہرت وغیرہ لیکن اللہ تعالیٰ صمد ذات ہے غنی ہے اسی طرح دیگر صفات کو مدنظر رکھا جائے تو خود بخود اقرار کرنا ہوگا کہ اس نے پوری مخلوق کو بغیر اپنی کسی غرض کے پیدا کیا ہے اگر مخلوق سے کوئی طمع رکھے تو یہ اس کی شان غفاری اور شان کریمی کے خلاف ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم　　　بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

میں نے مخلوق کی تخلیق اپنے کسی نفع کے لئے نہیں کی بلکہ صرف اپنا جود دکھلایا
ہے۔

سوال:۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق اور خاص کر انسان کو کس لئے پیدا کیا ؟

جواب :۔ وَماَ خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ماَ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَماَ اُرِیْدُ اَنْ یُطْعِمُوْنِ (الذاریات/۵۶،۵۷)

ترجمہ:۔اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو، میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں۔

یعنی مخلوق سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کی معرفت حاصل کریں اس کو اپنی مخلوق سے اور کوئی امید نہیں۔

سوال:۔عبادت کے لئے پیدا کرنا بھی ایک غرض اور فائدہ ہے۔

جواب :۔عبادت کا فائدہ خود مخلوق کو ہے۔دنیا میں بعض خیر خواہ بہت سے کام ایسے کرتے ہیں جن سے ان کی غرض صرف مخلوق خدا کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے مخلوق سے کسی قسم کی طمع نہیں رکھتے ۔اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت کے محتاج نہیں ۔اگر دنیا کے سارے لوگ متقی اور عابد بن جائیں تو خدا کی شان کو نہیں بڑھا سکتے اور اگر سارے لوگ فاسق بن جائیں تو اس کی شان گھٹا نہیں سکتے ارشاد ہے:اَللّٰہُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر/۱۵)

ترجمہ:۔اے لوگو:تم ہومحتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پرواسب تعریفوں والا

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد /۳۸)

ترجمہ:۔اور اللہ بے نیاز ہےاورتم محتاج ہو۔

اس عقیدہ میں دوسری بات جو ہے وہ یہ ہے کہ اللہ بغیر مشقت کے رزق پہنچاتا ہے،اس لئے کہ وہ رازق ہے۔تمام ستودہ صفات کا مالک ہے،رب العالمین ہے،ہر چیز کو درجہ کمال تک خود پہنچاتا ہے۔بے شمار بری،بحری اور فضائی مخلوق کو وافر رزق پہنچاتا ہے۔ارشاد ہے

اِنَّ اللّٰهَ هُوَالرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِالْمَتِيْنُ (الذاریات/۵۸)

ترجمہ:۔اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط۔

دنیا میں کوئی ایک دعوت کا پروگرام بناتا ہے تو کتنی تکالیف برداشت کرتا ہے کتنوں کو کھلانا بھول جاتا ہے پھر ہر روز کھلانا انتہائی مشکل ہے اللہ ہر ایک کو رزق دیتا ہےاور کسی کو بھولتا نہیں۔ہوائی جہاز میں کیسی کیسی خوراک لوگ کھاتے ہیں یہ ہوائی اور فضائی رزق اللہ ہی مہیا کرتے ہیں۔جس طرح دیگر صفات لامحدود ہیں ان کے مظاہر بھی سامنے ہیں اسی طرح اس کی صفت رزاقیت بھی لامحدود ہے۔ہر ایک کو ہر جگہ رزق پہنچاتا ہے،آج تک اس کے رزق کے خزانوں میں کمی نہیں آئی۔پھر رزق پہنچانے کے اسباب دیکھو،زمین،پانی،ہوا،موسم،چاند،سورج وغیرہ وغیرہ۔تمام انسان مل کر گندم کا ایک دانہ پیدا نہیں کر سکتے،ایک گلاس پانی نہیں بنا سکتے ایک لیٹر

ہوا پیدا نہیں کر سکتے، موسم نہیں بدل سکتے اللہ کے دیئے ہوئے اختیار سے تھوڑا بہت کسب کرتے ہیں باقی سب کچھ اللہ کی قدرت ہے۔

عقیدہ نمبر۱۲:۔

قوله :مُمِيتٌ بِلاَ مَخاَ فَةٍباَعِثٌ بِلاَ مُشَقَّةٍ

ترجمہ:۔ مارنے والا ہے بغیر کسی خوف کے، مرنے کے بعد اٹھانے والا ہے بغیر کسی مشقت کے۔

شرح:۔ موت:صِفَةٌ وُجُوْدِيَّةٌ خُلِقَتْ ضِدَّ الْحَياَةِ موت ایک وجودی صفت ہے حیات کی ضد بنا کر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً

(المُلك / ۲)

ترجمہ:۔ جس نے بنایا مرنا اور جینا تا کہ تم کو جانچے کون تم میں سے اچھا کام کرتا ہے۔

موت کی طرف خلق کی نسبت ہوئی ہے وجودی چیز مخلوق ہوتی ہے، عدمی مخلوق کے ساتھ موصوف نہیں ہوسکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ موت کو ایک سفید و سیاہ رنگ والے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا پھر دوزخ و جنت کے مابین ذبح کیا جائے گا۔ موت اگر چہ عرض ہے لیکن اللہ اس کو عین میں بدل دیں گے۔ جیسے اعمال صالحہ کے بارے میں آتا ہے کہ نیک عمل اپنے عامل کی طرف خوبصورت نوجوان کی

شکل میں آئیں گے اور برے عمل عامل کی طرف بری صورت میں آئیں گے۔ موت کی حقیقت روح کا نکالنا ہے یہ کام صرف اللہ کا ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی کسی کی روح نہیں نکال سکتا۔ جہاد میں شریک ہو کر آدمی جان کا نذرانہ دیتا ہے لیکن اپنی روح خود نہیں نکال سکتا۔ خالد بن ولیدؓ نے کتنی جنگوں میں حصہ لیا شہادت کی آرزو لے کر طبعی موت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ پھر اس جان لینے میں اللہ کو کسی کا خوف نہیں۔ جس طرح وہ روح لینے پر قادر ہے وہ اس کا مالک اور خالق بھی ہے اس کو کسی کا خوف نہیں اپنی ملک میں ہر کوئی ہر طرح کا بلا خوف وخطر تصرف کرتا ہے۔ یہاں کوئی کسی کو قتل کرتا ہے تو وہ گھبراتا ہے کہ نہ جانے کیا نتیجہ اور انجام ہوگا۔ لیکن اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں۔ اس کے سامنے سب کچھ ہیچ اور نیست ہے مارنے کے بعد دوبارہ بلا مشقت زندہ کرے گا جس کو بعث بعد الموت کہتے ہیں۔ بعث بعد الموت کا عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے جس کا منکر کافر ہے اس کی تشریح بعد میں آئے گی ضروریات دین کا مطلب ہے ایسا اسلامی عقیدہ جس کا ثبوت یقینی ہو اور ہر خاص وعام کو اس کا علم ہو۔

عقیدہ نمبر ۱۳:۔

قولہ: مَازَالَ بِصِفَاتِهٖ قَدِيْمًا قَبْلَ خَلْقِهٖ لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَتِهٖ وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهٖ اَزَلِيًّا كَذَالِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهَا اَبَدِيًّا

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنی صفات کے ساتھ مخلوق کی پیدائش سے قبل

قدیم رہا ہے۔ مخلوق کی پیدائش کے ساتھ اس میں کسی ایسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا جو مخلوق سے پہلے اس کی صفات میں سے نہ تھی۔ اور جیسے وہ اپنی صفات کے ساتھ ازلی ہے اسطرح وہ اپنی صفات کے ساتھ ابدی بھی رہے گا۔

شرح:۔ جو ہمیشہ سے ہو اس کو ازلی کہتے ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے رہے اس کو ابدی کہتے ہیں ازلی اور ابدی کو سرمدی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام کمالی صفات کے ساتھ قدیم اور ابدی ہے۔ اگر ہم مان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق کی تخلیق کے بعد کوئی صفت پیدا ہوئی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ پہلے اس کی ذات میں یہ صفت موجود نہ تھی اور اس کی ذات اس صفت کے لحاظ سے ناقص تھی۔ یا یوں کہو کہ اس سے قبل اس کی ذات کامل نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کامل ہیں۔ بالفرض کوئی صفت نہ ہو تو یہ نقص اور عیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات افعال اور صفات اختیار یہ مثلاً خلق، تصویر احیاء و اماتت، قبض، بسط، نزول، غضب، رضا وغیرہ سے انسان کو مغالطہ لگتا ہے کہ شاید یہ صفات مذکورہ کام کرنے کے بعد پیدا ہوئیں، حالانکہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی قدیم صفت تکوین کے اثرات ہیں۔ مثلاً جو آدمی آج تکلم کرتا ہے تو وہ کل بھی متکلم تھا ماہر مقرر بالکل خاموش ہوتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑے اونچے درجے کا مقرر اور خطیب ہے۔ یوں کہنا ٹھیک نہیں کہ آج تقریر کی وجہ سے مقرر بن گیا۔ اس طرح جب کوئی کاتب لکھائی کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اب کاتب بن گیا بلکہ وہ پہلے سے کاتب تھا۔ ہاں ایک گونگا اچانک بول پڑے تو پھر کہتے ہیں کہ اب متکلم بن گیا۔ ایک غیر کاتب اچانک لکھنا شروع کر دے تو کہہ سکتے ہیں اب کاتب بن گیا

۔مفتی فتویٰ دے یا نہ دے ہر وقت مفتی کہلاتا ہے، ڈاکٹر ڈاکٹری کرے یا نہ کرے ہر وقت ڈاکٹر کہلاتا ہے، حافظ قرآن پڑھے یا نہ پڑھے ہر وقت حافظ کہلاتا ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کمالیہ کے ساتھ ازل سے موصوف ہے اور موصوف رہے گا۔انسان اپنی پیدائش کے بعد بہت سی صفات اور کمالات سے بالکل کورا ہوتا ہے آہستہ آہستہ نقصان سے کمال کی طرف بڑھتا ہے۔اللہ تعالیٰ ازل سے کامل اور اکمل ہے۔اس عقیدہ میں معتزلہ اور جہمیہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فعل اور کلام پر بعد میں قادر ہوا کیونکہ فعل اور کلام امتناع کے بعد ممکن ہوئے ہیں۔امتناع ذاتی کی وجہ سے امکان ذاتی کی طرف انقلاب آیا۔جہمیہ کہتے ہیں کہ حوادث کا دوام ممتنع ہے حوادث کے پیدا ہونے کا ضرور اول کوئی مبدأ اور ابتدا ہوگی۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کو کیسے ابتداء ہی سے فاعل کہا جائے۔جب تخلیق شدہ چیزیں اپنی تخلیق سے پہلے ممتنع تھیں تو کیسے اللہ تعالیٰ ان پر قادر تھے ۔کیونکہ ممتنع پر قادر ہونا ممتنع ہے۔لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدوث عالم ممتنع ہے حالانکہ عالم حادث ہے حادث جب وجود میں آئے قبل اس سے کہ موجود نہ تھا تو اس کو ضرور ممکن کہنا ہوگا۔کیونکہ ممتنع ممکن نہیں بن سکتا۔امکان کے لئے کوئی محدود وقت نہیں ہوتا، ممکن شئ کا امکان ہر وقت رہتا ہے۔کسی ممکن فعل کے لئے کوئی مبدأ اور ابتداء ہم مقرر نہیں کر سکتے ممکن فعل ہمیشہ سے ممکن رہتا ہے۔معلوم ہوا اللہ ہمیشہ سے قادر ہے حوادث کا جواز ہمیشہ سے رہے گا تو ممکن اور حادث کیسے کسی وقت ممتنع رہے گا۔

عقیدہ نمبر ۱۴:۔

قولہ :لَیسَ مُنذُ خَلَقَ الخَلقَ اِستَفَادَ اِسمَ الخَالِقِ وَلَا بِاِحدَاثِهِ البَرِیَّةَ اِستَفَادَ اِسمَ البَارِیٔ۔

ترجمہ:۔اس نے مخلوق کو پیدا کرنے کی وجہ سے اسم خالق کا استفادہ نہیں کیا اور نہ مخلوق کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر مختلف شکلوں میں پیدا کر کے باری کے اسم کا استفادہ کیا۔

شرح :۔ انسانوں میں سے مختلف انسان مختلف میدانوں میں مختلف محنتیں کر کے کسی میدان میں مہارت حاصل کر کے اس فن کی مناسبت سے مستحق بن کر نام کماتے ہیں۔مثلاً کوئی محنت کر کے زبانی قرآن یاد کر لے تو اس کا نام حافظ پڑ جاتا ہے کسی جامعہ میں علم حاصل کر کے علوم کی نشر واشاعت اور ترویج کے لئے مستعد بن جائے تو عالم کہلاتا ہے۔علم طب میں مہارت پیدا کرنے کے بعد ڈاکٹر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر اس طرح کا قیاس غلط ہے اللہ تعالیٰ تخلیقی عمل سے پہلے ہی خالق تھا۔مخلوق تو عمل کرنے کے بعد کوئی نام حاصل کرتی ہے۔خلق کی طرح اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو مختلف شکلوں میں پیدا کرتے ہیں تاکہ آپس کا امتیاز قائم رہے ہر جنس اور ہر نوع کے افراد ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔مصنوعات کا ایک ہی سانچہ ہوتا ہے اس لئے اس سانچے سے نکلنے والی تمام مصنوعات ایک جیسی ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ مخلوقات کو اس طرح پیدا کرنے سے پہلے بھی باری تھا۔

عقیدہ نمبر ۱۵:

قولہ:۔ لَہٗ مَعْنیٰ الرُّبُوْبِیَّۃِ وَلَا مَرْبُوْبَ وَمَعْنیٰ الْخَالِقِ وَلَا مَخْلُوْقَ

ترجمہ:۔ اس کے لئے ربوبیت کی صفت ثابت ہے حالانکہ کوئی مربوب نہیں اور خالقیت کی صفت ہے اور کوئی مخلوق نہیں

شرح:۔ اللہ تعالیٰ مربوب کی ایجاد سے قبل موصوف بالرب تھا اور مخلوق کی ایجاد سے قبل موصوف بالخالق تھا۔ خالق کا معنی ہے کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف لانا اور رب کے کئی معانی ہیں ملک، حفظ، تدبیر، تربیت۔ تربیت کا معنی ہے کسی شئی کو تدریجاً حد کمال تک پہنچانا۔ ربوبیت میں مذکورہ تمام معانی موجود ہیں۔ خلق کا ایک معنی تقدیر بھی ہے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ (العمران/۴۹)

ترجمہ:۔ کہ میں بنادیتا ہوں تم کو گارے سے پرندہ کی شکل ۔ یہاں خلق بمعنی التقدیر ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۶:۔

قولہ:وَکَمَا اَنَّہٗ مُحْیِ الْمَوْتیٰ بَعْدَمَا اَحْیٰ اِسْتَحَقَّ ھٰذَا الْاِسْمَ قَبْلَ اِحْیَائِھِمْ کَذٰلِکَ اِسْتَحَقَّ اِسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ اِنْشَائِھِمْ

ترجمہ:۔اور جیسا کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے بعد احیاء کے وہ مستحق ہے اس نام کا ان کے احیاء سے پہلے ایسے ہی وہ مستحق ہے اسم خالق کا ان کے انشاء سے قبل۔

شرح:۔جس طرح اللہ تعالیٰ محیی الموتیٰ کے ساتھ متصف ہے حالانکہ ابھی اس نے تمام مردوں کو زندہ نہیں کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل خالق تھا اس عقیدہ میں بھی معتزلہ کی تردید ہے وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تردید کی تفصیل یہ ہے کہ بالفرض ہم مان لیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو بندے اس وقت خالق کہلائیں گے جب ان سے فعل صادر ہوا ہو، اور اللہ تعالیٰ تو صدور افعال سے قبل خالق ہیں تو ایک فعل کے دو خالق کیسے ہو گئے۔یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے قبل اسم خالق کے ساتھ موصوف ہو گئے تو اب دوبارہ اس فعل کے معتزلہ کیسے خالق بن گئے۔ایک فعل کے دو خالق نہیں ہو سکتے۔بندہ کے افعال کا اللہ خالق ہے۔اور بندہ صرف کاسب ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۷:

قوله :۔ ذَالِكَ بِاَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ کُلُّ شَیْءٍ اِلَیْهِ فَقِیْرٌ وَکُلُّ اَمْرٍ عَلَیْهِ یَسِیْرٌ لَا یَحْتَاجُ اِلٰی شَیْءٍ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

ترجمہ:۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اور ہر چیز اسی کی

طرف محتاج ہے اور ہر چیز اور ہر امر اس کیلئے آسان ہے۔ وہ کسی شی کا محتاج نہیں اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

شرح:۔ سوال پیدا ہوا کہ تمام صفات ازلی ہیں مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے خالق ہے بعث بعد الموت سے پہلے محی الموتی ہے یہ کیسے ممکن ہے اس کا جواب ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور معتزلہ کے عقیدہ پر رد بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ بندوں کے افعال کا خالق نہیں بلکہ بندے خود خالق ہیں۔ اسلئے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے مقدور نہیں۔ تو امام طحاویؒ نے فرمایا کہ ہر چیز مقدور ہے۔ خارج میں موجود اور ممکن کو شی کہتے ہیں۔ جو چیز محال بالذات ہے مثلاً ایک شی کا آن واحد میں موجود اور معدوم ہونا اس کی کوئی حقیقت اور تصور نہیں۔ اس کو باتفاق عقلاء شیء نہیں کہتے۔ اپنا مثل پیدا کرنا خود کو معدوم کرنا یہ بھی محال ہیں۔ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا مقدور جاننا، اس کی ربوبیت عامہ اور تامہ کو ماننا ہے۔ جو شخص اللہ کو ہر چیز پر قادر نہیں مانتا وہ اس کو رب بھی نہیں مانتا۔ ایک معدوم محال ہے ایک معدوم ممکن۔ اس میں جھگڑا ہے کہ معدوم ممکن پر شی کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ معدوم کو خارج میں شیء نہیں کہتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کسی شی کے وجود میں آنے سے پہلے علم ہے اس کو لکھتے ہیں اس کی خبر دیتے ہیں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ (الحج / ١)

ترجمہ:۔ بے شک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے۔

زلزلہ علم، ذکر اور کتاب میں شی ہے لیکن خارج میں شی نہیں۔

ارشاد ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ (یس ۸۲/)

ترجمہ:۔اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو "ہو" تو اسی وقت ہو جائے۔

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئاً (مریم ۹/)

ترجمہ:۔اور تجھ کو پیدا کیا میں نے پہلے سے اور نہ تھا تو کوئی چیز۔

یعنی تو خارج میں شیٔ نہ تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ کے علم میں شیٔ تھا۔

وَ كُلُّ شَىْءٍ إِلَيْهِ فَقِيْرٌ:۔ ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اللہ کی محتاج ہے۔اللہ کے ماسوا ہر چیز ممکن اور حادث ہے ہر حادث اپنے حدوث میں محدِث کا محتاج ہے اس لئے کہ خود بخود کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔اسی طرح اپنی بقاء میں بھی محتاج ہے اس لئے کہ اللہ رب ہے اور ہر شیٔ مربوب ہے۔

وَ كُلُّ أَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيْرٌ:۔ یہ ایجاد اور ابقاء اس کے لئے آسان ہے۔انسان کسی چیز کی ایجاد بڑی مشکل سے کرتا ہے اکثر چیزوں کی ایجاد سے عاجز ہے۔ایجاد و ابقاء کے لئے کمال قدرت اور کمال علم چاہئیے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کمال قدرت اور کمال علم ثابت ہے۔اس لئے اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

لَا يَحْتَاجُ إِلَى شَىْءٍ:۔ دنیا کا ہر ماہر اور پیشہ ور کتاب، آلات تجربات، مشاہدات اور استاذ اور دوسروں کے تعاون کا محتاج ہے لیکن اللہ کسی کا محتاج

نہیں۔ وہ کن فیکون کا مالک ہے وہ ہر چیز کا خالق ہے ۔خالق اگر مخلوق کا محتاج ہو جائے تو پہلی دفعہ مخلوق کو کیسے پیدا کیا۔اسلئے کہ اسباب کی پیدائش سے قبل کوئی سبب نہ تھا اور اللہ تو خالق الاسباب ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ:۔مشبہہ پر رد ہے۔جب ہر چیز پر قادر ہوا تو ہر شئ مقدور ہوئی اور وہ اعلیٰ اور کامل صفات کا حامل ہوا تو مخلوق میں سے کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔جو اللہ کی ذات یا صفات کی کسی کے ساتھ تشبیہ دے تو یہ کفر ہے۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ:۔ معطلہ پر رد ہے۔اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کے ساتھ موصوف ہے۔اگر چہ مخلوق بھی سمیع بصیر ہے لیکن بندہ کا دیکھنا اور سننا اللہ کی طرح نہیں۔بندوں کے لئے اثبات صفات تشبیہ نہیں، کیونکہ مخلوق کی صفات ان کے مناسب ہیں اور خالق کی صفات اس کی شان کے مناسب ہیں اور ان صفات کی نفی بھی نہیں کرنی جو اللہ نے اپنے لئے ثابت کی ہیں امام طحاویؒ فرماتے ہیں

وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيْهَ زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيْهَ۔

جس نے خود کو نفی (صفات) اور تشبیہ (صفات) سے نہ بچایا تو وہ پھسل گیا۔تنزیہ تک کبھی بھی نہ پہنچ سکے گا۔

عقیدہ نمبر ۱۸:۔

قولہ :خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهٖ

ترجمہ:۔مخلوق کو پیدا کیا اس حال میں کہ ان کو جانتا تھا۔

شرح:۔مخلوق کی ایجاد، انشاء اور ابداع اللہ نے کی۔مخلوقات سب ممکنات سے ہیں، ممکن کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے ممکن کو وجود عطاء کرنے کے لئے مرجح کی ضرورت ہے اور وہ مرجح اللہ کی ذات ہے۔پھر تخلیق کے لئے علم اور قدرت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ کوئی چھوٹا بڑا کام علم اور قدرت کے بغیر ممکن نہیں۔اور پھر کائنات کی وسعتوں کی طرف دیکھو۔کارنامہ بڑا ہو تو کارنامہ انجام دینے والے بھی بڑے ہوں گے۔اس لئے اللہ کی ذات بہت وسیع اور علم والی ہے۔اور عظیم قدرت والی۔نقشہ نویسی کے لئے آرکیٹیلکٹ انجینئرنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔مریض کا علاج کرنے کے لئے علم طب کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ اناڑی تو سب کام بگاڑ دیتا ہے۔کارخانہ عالم کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وسیع علم اور عظیم قدرت والا ہے۔علم نہ ہونے کی وجہ سے یا علم کی کمی کی وجہ سے ایجادات میں بے شمار نقصانات پیدا ہو جاتے ہیں۔لیکن کارخانہ قدرت میں آج تک کسی نے کوئی عیب یا کمی نہیں نکالی، بلکہ جتنا جتنا غور وفکر کیا جائے اتنی ہی اس کے علم کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔ارشاد باری ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک / ۱۴)

ترجمہ:۔بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار۔

ارشاد ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (الانعام / ۵۹)

ترجمہ:۔اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی، کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس

کے سوا۔

بشر المریسی سے مامون نے اللہ کے علم کے بارے میں سوال کیا تو بشر نے کہا لا یجہل یعنی جاہل نہیں صرف جہالت کی نفی کی۔ مامون نے پھر سوال کیا بشر نے پھر جواب دیا لا یجہل اور اللہ کے لئے علم کا اعتراف نہیں کر رہا تھا۔ تو امام شافعیؒ کے شاگرد اور ہم نشین امام عبدالعزیز المکیؒ نے کہا کہ صرف جہل کی نفی مدح کے لئے کافی نہیں اور کہا کہ اگر میں یوں کہوں کہ یہ اسطوانہ جاہل نہیں تو یہ اسطوانہ کے لئے اثبات علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء، ملائکہ اور مؤمنین کی تعریف علم کے ساتھ کی ہے نفی جہل کے ساتھ نہیں کی، کہ صرف اتنا کہا کہ انبیاء، ملائکہ اور مؤمنین جاہل نہیں۔ جو کسی کے لئے علم ثابت کر دے تو اس نے اس سے جہل کی نفی کر دی۔ اور کسی سے جہل کی نفی کی اس نے اس کے لئے علم ثابت نہیں کیا۔ مخلوق پر لازم ہے کہ اللہ کے لئے وہ صفات ثابت کریں جو اللہ نے اپنے لئے ثابت کی ہیں۔ اور اس کی نفی کریں جس کی اس نے نفی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم پر عقلی دلیل یہ ہے کہ جہل کے ساتھ ایجاد اشیاء محال ہے ایجاد اشیاء کے لئے ارادہ چاہیئے، ارادہ مستلزم ہے تصور مراد کو، اور تصور مراد مستلزم ہے علم بالمراد کو، تو ایجاد مستلزم ہوا ارادہ کا، ارادہ مستلزم ہوا علم کا، تو ایجاد مستلزم ہوا علم کا۔

ایک عالم ہو اور ایک جاہل تو لوگ جاہل کے مقابلے میں عالم کو اکمل سمجھتے ہیں اگر خالق عالم نہ ہو تو پھر ممکن (علماء) اکمل ہوں گے خالق سے۔ حالانکہ یہ ممتنع ہے کہ مخلوق اکمل ہو اور خالق ناقص۔ مخلوقات کو علم اور اسباب علم عطا کرنے والا خود کیسے علم سے عاری ہو سکتا ہے۔ اربوں کی مقدار میں آنکھیں اور کان پیدا کرنے والا خود کیسے

سماعت اور بصارت سے محروم ہوسکتا ہے۔اس کی تو اعلیٰ صفات ہیں۔ وہ اور مخلوق کیسے برابر ہوسکتے ہیں، وہ تو مخلوق کے ہر کمال کا خالق ہے۔ ہر وہ نقص جس سے مخلوق خود کو بچاتی ہے اللہ کیسے اس نقص سے منزہ نہ ہوگا۔ مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اُن کا علم ختم نہیں ہوا اب بھی اس کو پوری مخلوقات کا علم ہے۔ بہت سے لوگ اپنی مصنوعات کو بنانے کے بعد ان کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم بھول جاتے ہیں، شاعر اپنی دیوان شائع کرنے کے بعد نہیں جانتا کہ کتنے اور کون کون سے اشعار ہیں، مصنف کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کی کتاب میں کون کون سے مضامین کن کن عنوانات کے تحت لکھے ہیں، معمار کو پتہ نہیں چلتا کہ آج تک کتنے مٹکے، گھڑے اور کوزے بنائے ہیں لیکن اللہ کو اپنی مخلوق پیدا کرنے کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے ہر چیز کا علم ہے

عقیدہ نمبر ۱۹:۔

قولہ: وَقَدَّرَ لَهُمْ اَقْدَاراً۔

ترجمہ:۔ اور مقدر و متعین کیا مخلوق کے لئے مقداروں اور اندازوں کو۔

شرح:۔ ارشاد ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيراً (الفرقان/۲)

ترجمہ: اور بنائی ہر چیز، پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔

ارشاد ہے: اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر/۴۹)

ترجمہ: ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر۔

ارشاد ہے: وَكَانَ اَمْرُ اللهِ قَدَراً مَقْدُوراً (الاحزاب/۳۸)

ترجمہ:۔اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا۔

ارشاد ہے:اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (الاعلیٰ/۲،۳)

ترجمہ: جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا اور جس نے ٹھہرا دیا پھر راہ بتلائی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو مقدر اور متعین کیا۔اور اس کا عرش پانی پر تھا۔اس عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی وسعت علمی، حکمت و دانائی اور حسن کارکردگی و حسن انتظام کی طرف اشارہ ہے۔اس کے تمام کام ایک خاص ترتیب اور اندازے سے ہیں۔انسان اپنے بعض اہم کام ایک خاص ترتیب، اندازہ، تجربہ اور محنت سے کرتا ہے لیکن اس میں بے شمار خامیاں نکل آتی ہیں۔مثلاً کبھی کسی دعوت میں اپنے اندازے کے مطابق بیس دیگیں پکاتا ہے لیکن وہ دیگیں کبھی کم پڑ جاتی ہیں کبھی زیادہ۔کبھی کئی کئی انسان مل کر منصوبے بناتے ہیں لیکن وہ فیل اور ناکام ہو جاتے ہیں۔خامیوں کا ادراک بعد میں کرتے ہیں۔لیکن اللہ نے جو اندازے متعین اور مقرر کئے ہیں وہ سب ٹھیک ہیں اللہ کو معلوم ہے کہ کتنے لوگ ہیں، کتنی مخلوق ہے، ان کی کیا کیا ضروریات ہیں، کیا کھائیں گے، کتنا کھائیں گے کب کھائیں گے، کیا پہنیں گے، کتنی بارش ہوگی، کتنے پانی کی ضرورت ہے، کتنے کھیت ضروری ہیں، وہ کتنا غلہ اگائیں گے، اس چیز کے کیا خواص ہیں، کیا افعال سرانجام دے گا، اس چیز کا دائرہ کار کیا ہوگا، کس چیز کو کونسی شکل دی جائے، جن کو دیکھ، سن اور سمجھ کر بڑے بڑے عقلاء، فلاسفر اور سائنسدانوں کی عقل حیران رہ جاتی ہے اور زبانوں پر یہ آیتیں جاری ہو جاتی ہیں۔

ذَالِكَ تَقْدِيْرُالْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ(یٰسٓ/۳۸)

ترجمہ: یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر نے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (المؤمنون/۱۴)

ترجمہ: سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (القصص/۸۸)

ترجمہ: کاریگری اللہ کی جس نے درست کیا ہے ہر چیز کو۔

عقیدہ نمبر ۲۰:۔

قوله :وَضَرَبَ لَهُمْ اجالاً۔

ترجمہ: اور اللہ نے مخلوقات کے لئے مدتیں اور میعادیں مقرر فرما رکھی ہیں۔

شرح:۔ اللہ کے ماسوا تمام چیزیں ممکن ہیں جن کا وجود اور عدم برابر ہے اس لئے اللہ نے تمام مخلوقات کے فناء اور ہلاک کے لئے ایک مدت اور میعاد مقرر کر رکھی ہے، جس کو اجل کہتے ہیں ہر شئی اپنی مدت مقرر پوری کرنے کے بعد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے کبھی کوئی چیز اپنی طبعی عمر پوری کرتی ہے اور کبھی کسی سبب کی وجہ سے فنا ہو جاتی ہے لیکن وہ سبب مقررہ مدت سے پہلے نہیں پایا جاتا، بلکہ اپنے مقررہ وقت پر وجود میں آتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اِذَا جَـآءَ اَجَـلُهُـمْ فَلَا يَسْتَـأْخِـرُوْنَ سَـاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ(یونس/۴۹)

ترجمہ: جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے۔

ارشاد ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا (آل عمران/۱۴۵)

ترجمہ: اور کوئی نہیں مر سکتا بغیر اللہ کے حکم کے، لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ کی بیوی حضرت ام حبیبہؓ نے دعا مانگی اے اللہ مجھے میرے شوہر حضور ﷺ، اپنے باپ ابوسفیانؓ اور اپنے بھائی حضرت معاویہؓ کے ذریعہ نفع پہنچا۔ تو حضور ﷺ نے ام حبیبہؓ سے فرمایا کہ آپ نے اللہ سے مقررہ مدتوں محدود ایام اور تقسیم شدہ ارزاق کے مطابق سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ وقت مقرر سے قبل کسی چیز کو وجود نہیں بخشتے اور نہ مقررہ مدت سے مؤخر کرتے ہیں اگر آپ اللہ سے یوں سوال کرتی کہ آگ کے عذاب اور عذاب قبر سے پناہ دے تو یہ بہتر اور افضل ہوتا۔

مقتول اپنی مقررہ میعاد کے مطابق مرتا ہے، اللہ کے قضاء وقدر کے مطابق مرتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے فلاں شخص فلاں وقت پر، فلاں مکان میں فلاں سبب سے مرے گا۔ مثلاً یہ قتل کے ساتھ مرے گا، یہ پانی میں غرق ہوگا، یہ آگ میں مرے گا، یہ بیماری سے مرے گا۔ الحاصل ہر ایک کے لئے مکان، زمان اور سبب مقرر کر رکھا ہے لیکن کسی کو تینوں کے بارے میں یکسر علم نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ مقتول بغیر اجل کے مرتا ہے اگر قاتل قتل نہ کرتا تو زندہ رہتا۔ یہ غلط عقیدہ ہے اللہ کو پہلے موت کے اسباب

معلوم تھے اور مقرر کر رکھے ہیں اللہ نے موت اور حیات کو پیدا کیا ہے۔ پھر موت کے اسباب کو بھی پیدا کیا ہے۔

سوال: جب مقتول مقررہ میعاد کے مطابق مرتا ہے تو قاتل کو سزا کیوں دی جاتی ہے؟

جواب: قاتل اللہ کے حکم کو توڑ کر اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ مقتول کو قتل کرتا ہے اور نہ قاتل کو مقتول کی مقررہ میعاد معلوم ہوتی ہے میعاد مقرر تو اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام ہے اور انسان اللہ کے تشریعی نظام کا پابند ہے، تشریعی نظام میں قتل امر ممنوع ہے۔ بظاہر قتل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اگر قتل نہ کرتا تو زندہ رہتا۔ ورثاءِ مقتول کو بہت افسوس اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بیوی بیوہ بن جاتی ہے بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ مقررہ میعاد کے باوجود انسان دعا مانگتا ہے، اسباب اختیار کرتا ہے کیونکہ تقدیری نظام مخفی ہے اور تشریعی نظام ظاہر ہے جس کا انسان مکلّف ہے۔ اور اسباب اختیار کرنا جائز ہے۔ تقدیر تدبیر رب ہے اور تشریعی نظام پر چلنا تدبیر بندہ ہے بندہ کی تدبیر پر جو نتیجہ مرتب ہو وہ تدبیر رب اور تقدیر ہے۔ تدبیر اختیار کرنے سے قبل تقدیر پر بھروسہ کر کے کچھ نہ کرنا غلط ہے۔ امام احمدؒ اس بات کو برا جانتے تھے کہ ان کیلئے کوئی طول عمر کی دعا مانگتا، فرماتے کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے طول عمر کی دعا مانگنا صحیح ہے صرف موت نہیں بلکہ تمام امور مقدر ہیں پھر بھی لوگ اسباب اختیار کرتے ہیں ہمت کرتے ہیں، دعا مانگتے ہیں اگرچہ تقدیر اور قضاء کے نظام میں جکڑے ہوئے ہیں لیکن دعا مشروع ہے جیسا کہ ام حبیبہؓ نے دعا مانگی تھی

آپ ﷺ نے منع نہیں کیا لیکن طریقہ بتلا دیا۔

سوال: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے ساتھ عمر بڑھتی ہے تو اجل کیسے مقرر ہے؟

جواب: شرح عقائد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے علم تھا کہ اگر یہ معین طاعت نہ کرے تو اس کی عمر چالیس سال ہوگی لیکن اس کو معلوم تھا کہ معین طاعت کرے گا اور اس کی عمر ستر سال ہوگی۔ عمر میں اس زیادت کی نسبت اس طاعت کی طرف اللہ کے علم کے مطابق ہوئی کہ اگر یہ طاعت نہ ہوتی تو یہ زیادہ بھی نہ ہوتی۔ الحاصل ستر سال پہلے سے مقرر تھی اس لئے کہ یہ چالیس سال کی عمر میں فلانی طاعت ضرور کرے گا۔ عمر میں زیادتی کی بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس کی زندگی میں خیر و برکت بڑھ جائے گی۔ مثلاً ساٹھ سال کی عمر میں اتنے کام کرے گا جس کے لئے سو سال درکار ہوتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۱:۔

قوله :لَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَهُمْ وَعَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَهُمْ۔

ترجمہ:۔ اور اس پر مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل کوئی چیز مخفی نہیں تھی۔ اور وہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جانتا تھا کہ وہ کیا اعمال کریں گے۔

شرح:۔ روافض اور قدریہ کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ کو کوئی علم نہ تھا۔ مگر ان کا یہ عقیدہ غلط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ما کان اور ما یکون کا علم

ہے۔اس کا علم ازلی اور ابدی ہے۔جس طرح اس کی دیگر صفات ازلی اور ابدی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَوْرُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام/۲۸)

ترجمہ:۔اور اگر پھر بھیجے جاویں تو پھر بھی وہی کام کریں جس سے منع کئے گئے تھے۔

اللہ کو معلوم ہے کہ وہ دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے لیکن پھر بھی اللہ نے خبر دی کہ لوٹائے گئے تو پھر وہی اعمال کریں گے۔ابھی اعمال کئے نہیں اللہ کو پہلے سے معلوم ہے کہ وہ پھر وہی اعمال کریں گے۔معلوم ہوا کہ اللہ کو پہلے سے معلوم ہے کہ عالمین کیا عمل کریں گے۔ایک اور ارشاد ہے۔

وَلَوْعَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْراً لَاَسْمَعَهُمْ وَلَوْاَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ(الانفال/۲۳)

ترجمہ:اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا اور اگر ان کو اب سنا دے تو ضرور بھاگیں منہ پھیر کر۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کو پہلے سے علم ہے کہ عالمین کیا عمل کریں گے مانیں گے یا نہیں مانیں گے۔الحاصل اس عقیدہ میں روافض اور قدریہ کا رد ہے جن کا کہنا ہے کہ تخلیق اور ایجاد سے قبل اللہ کچھ بھی نہیں جانتے۔

عقیدہ نمبر۲۲:۔

قوله :وَأَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ۔

ترجمہ:۔اور اپنے بندوں کو اپنی طاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی سے منع کیا۔

شرح:۔ گزشتہ عقائد میں انسان اور دیگر مخلوقات کی تخلیق اور تقدیر کا ذکر تھا اب ذکر کر رہے ہیں کہ یہ تخلیق و تقدیر عبث اور بے فائدہ نہیں بلکہ اس میں بے شمار حکمتیں اور فوائد کے ساتھ بعض مخلوق کو مکلف بنا کر اپنے اوامر اور نواہی کا پابند کر دیا ہے تاکہ مکلف مخلوق مخدوم بن جائے اور بقیہ مخلوق اس کی خادم ہو۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ انسان مکرم اور مخدوم ہے اور پوری کائنات خادم بن کر اس کی خدمت میں مصروف اور مسخر ہے۔ تو اللہ نے انسانوں اور جنات کو مکلف بنایا۔ اس تکلیف کا ذکر اس آیت میں ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب/۷۲)

ترجمہ:۔ ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات/۵۶)

ترجمہ:۔ اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو۔

انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے ایک اور ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ
عَمَلاً (الملک / ۲)
ترجمہ: جس نے بنایا مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے
کام۔

تخلیق کا مقصد عبادت اور نیک عمل ہوا۔ پھر یہ بھی واضح ہے کہ شارع حقیقی اللہ ہے تو عبادت کے تمام طریقے اس کی طرف سے ہوں گے گویا اوامر ونواہی کی پابندی سے صحیح عبادت سامنے آئیگی۔ اپنی طرف سے کوئی عبادت ایجاد نہیں کرسکتا۔ انسان کی تخلیق بے کار نہیں فرمایا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً (مؤمنون / ۱۱۵)
ترجمہ: سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو۔

اس عقیدہ اور گزشتہ عقیدہ میں دو باتوں کا ذکر ہے خلق اور امر۔ اول تخلیق کی پھر امر کر کے مکلف بنایا۔ ان دونوں باتوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ''اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف / ۵۴)

ترجمہ: سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا۔

امر عام ہے خواہ تکوینی ہو یا تشریعی، دونوں امروں کا مقصد انسان اور دیگر مخلوق کو اپنے کنٹرول میں رکھنا ہے۔

عقیدہ نمبر ۲۳:۔

قولہ: وَکُلُّ شَیْءٍ یَجْرِیْ بِتَقْدِیْرِہٖ وَمَشِیَّتِہٖ وَمَشِیَّتُہٗ تَنْفُذُ

لَا مَشِیَّۃَ لِلْعِبَادِ اِلَّا مَا شَاءَ لَہُمْ فَمَا شَاءَ لَہُمْ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ۔

ترجمہ:۔اور ہر چیز اس کی تقدیر اور مشیت کے مطابق مصروف عمل ہے اور اس کی مشیت نافذ ہو کر رہے گی۔ بندوں کی کوئی مشیت نہیں مگر جو اللہ ان کے لئے چاہے۔پس وہ جو ان کے لئے چاہے وہ ہو کر رہے گا اور وہ جو نہ چاہے نہ ہو گا۔

شرح:۔ جب تخلیق و تقدیر دونوں اللہ کی طرف سے ہیں تو قیامت تک جو ہو گا اس کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق ہو گا۔اللہ نے جو تقدیر بنائی ہے اسر میں اس کی مشیت اور چاہت چلے گی۔اس کی بنائی ہوئی تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتا۔انسان بھی تقدیریں بناتا ہے تدبیریں کرتا ہے لیکن اس کی بنائی ہوئی تقدیر اور تدبیر کبھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی اور کبھی اس میں کوئی تبدیلی کر دیتا ہے کیونکہ تقدیر بنانے اور پھر اس میں صرف اپنی ہی مشیت نافذ کرنے کیلئے وسیع علم اور عظیم قدرت کی ضرورت ہے اور یہ صفات صرف اللہ کے لئے ثابت ہیں۔اگر اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر میں کوئی تبدیلی لائے یا کسی کی مرضی چلے تو پھر تقدیر بنانے کا کیا فائدہ ہوا۔اس کی بنائی ہوئی تقدیر میں جو حکمتیں اور فوائد ہیں اس کو وہی علیم اور خبیر جانتا ہے البتہ کچھ نہ کچھ واقفیت کے لئے حجۃ اللہ البالغہ کا سمجھنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات پیدا کر کے سبب اور مسبب کا سلسلہ چالو فرمایا دوسری طرف انسان کو ارادہ،اختیار اور عقل کا مالک بنایا۔عقل ہر انسان پر پہلا حاکم ہے

بعد میں دوسرا حاکم وحی کو بنایا۔انسان اگر اپنے اختیار،ارادہ اور عقل کی وجہ سے یہ سوچنا شروع کردے کہ ہوگا جو میں کروں گا تو یہ بالکل غلط ہے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں ''عَرَفۡتُ رَبِّیۡ بِفَسۡخِ الۡعَزَائِمِ'' میں نے اللہ کو اس سے پہچانا کہ میرے عزائم پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتے۔اللہ وہی خالق اور مالک ہے۔اس کو اپنی مملوک میں ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے اس لئے پوری کائنات کو تقدیری،تدبیری،تکوینی اور تشریعی نظام میں باندھ رکھا ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو کب سے یہ دنیا انسانوں کی ایک دوسرے کے خلاف تدبیروں سے زیروزبر ہو چکی ہوتی۔ہر ملک دوسرے ملک کے خلاف ہے کوئی فرد کسی کو برداشت نہیں کرتا۔ہر ایک خود کو واحد لاشریک سمجھتا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملکوں کی اور لوگوں کی ایک دوسرے کے خلاف تدبیریں ناکام ہورہی ہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ کی مشیت کا راج ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا تَشَاءُوۡنَ اِلَّا اَنۡ یَشَاءَ اللّٰہُ (الدھر/۳۰)

ترجمہ:اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ۔

وَمَا تَشَاءُوۡنَ اِلَّا اَنۡ یَشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعَالَمِیۡنَ (التکویر/۲۹)

ترجمہ:اور تم جبھی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہاں کا مالک۔

ارشاد ہے:وَلَوۡ شَاءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوۡہُ (الانعام/۱۱۲)

ترجمہ:اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے۔

ارشاد ہے: فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّھۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ

(الانعام/۱۲۵)

ترجمہ: سوجس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو واسطے قبول کرنے اسلام کے۔

ارشاد ہے: مَنْ يَشَأِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الانعام/۳۹)

ترجمہ: جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ صرف اس کی مشیت کا راج ہے۔ ان لوگوں کی بات غلط ہے جو کہتے ہیں کہ کفار سے اللہ ایمان چاہتا ہے اور کفار ایمان نہیں لاتے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ کفار کی مشیت اللہ کی مشیت پر غالب آ گئی حالانکہ یہ قطعی نصوص کے خلاف ہے۔

سوال: سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہے تو اس میں کفر، فسق اور دیگر تمام معاصی بھی داخل ہیں تو کیا اللہ کفر و شرک اور معاصی پر راضی ہے علاوہ ازیں لوگوں کو جزا و سزا کیوں دیتے ہیں اس لئے کفار نے اپنے شرک اور کفر کے جواز کے لئے اللہ مشیت کا حوالہ دیا ہے کہتے ہیں؛

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا (الانعام/۱۴۸)

ترجمہ: اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے۔

ایک اور آیت میں ہے

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ (الزخرف/ ۲۰)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ اگر چاہتا رحمٰن تو ہم نہ پوجتے ان کو۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کفر شرک اور دیگر معاصی کے ارتکاب پر راضی نہیں۔ ارشاد ہے

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر/ ۷)

ترجمہ: اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کا منکر ہونا۔

کفر و شرک اور معاصی کا وجود اس کی مشیت اور تکوینی حکم کے تحت ہے ان کا وجود مراد الٰہی ہے لیکن ان پر اللہ راضی نہیں۔ یہ تمام اللہ کی قضاء سے ہیں لیکن مقضی ہونے کی حیثیت سے انسان کے ساتھ قائم ہیں ایک اللہ کی قضاء ہے ایک مقضی۔ قضاء اس کا تکوینی فیصلہ ہے اور مقضی معاصی ہونا انسان کے ارادے اور اختیار سے ہے جس میں کسب انسانی کا دخل ہے۔ اللہ پھر بطور تخلیق کے اس کو پیدا کرتے ہیں رضا بالقضاء ایمان ہے اور رضا بالمقضی کبھی کفر بن جاتا ہے۔ مثلاً رضا بالکفر کفر جو مقضی ہے اس پر رضا کفر ہے۔ بندہ کا کفر اللہ کی قضاء ہے اور بندہ کا مقضی تو قضاء کے لحاظ سے تسلیم ایمان ہے اور مقضی ہونے کے لحاظ سے اس پر رضا کفر ہے۔ رہی یہ بات کہ ان معاصی کا فائدہ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کی تخلیق میں بے شمار فوائد اور حکمتیں ہیں جن کو صرف اللہ جانتا ہے۔ بعض حکمتیں اللہ والے علماء بھی جانتے ہیں مثلاً اللہ کی صفات کی دو قسمیں ہیں رحمت والی اور غضب والی۔ تو دونوں کے مظاہر

ہونے چاہئیے مثلاً جنت اور دوزخ، اسی طرح کافر اور مسلمان، نیکی اور بدی۔ کفر کی وجہ سے جہاد شروع ہوتا ہے اس میں غلاموں کا فائدہ الگ، پھر کفارات میں غلام دینا ان کو آزاد کرنا، ان سے خدمت لینا تمام فوائد ہیں جہاد کی وجہ سے دنیا کے ہر ملک میں تین قسم کی افواج ہیں بری، بحری اور فضائی۔ ان کا روزگار اور رزق اسی میں ہے چوری کی وجہ سے چوکیدار کا رزق مقرر ہے چوری ہوگی یا نہ ہوگی لیکن چوکیدار ریٹائرمنٹ تک باقاعدہ تنخواہ لیتا ہے۔ اس طرح تمام معاصی کے وجود ہیں۔ پولیس کا محکمہ عدالت کا نظام، قضاء کا نظام، محکمہ احتساب، نظام حکومت وغیرہ سب کا رزق اسی میں ہے۔ حوادث، ایکسیڈنٹ اور بیماریوں کے وجود کی وجہ سے میڈیکل کالج، ہسپتال، ڈاکٹرز اور دوا ساز فیکٹریاں، دوائیوں کی دوکانیں، میڈیکل ریپ، ٹرانسپورٹ وغیرہ سب کا روزگار اور رزق اسی میں ہے

رہا یہ سوال کہ جب سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہے جس میں کفر اور شرک بھی داخل ہے تو کفار نے جب کفر اور شرک کی نسبت اللہ کی طرف کی کہ ہمارا کفر و شرک اللہ کی مشیت سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کیوں کی کہ "اِنْ هُـــــــمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ۔

جواب: اللہ کی مشیت کی دو قسمیں ہیں تکوینی اور تشریعی، دنیا میں کفر و شرک اور دیگر معاصی تکوینی مشیت کے تابع ہیں تشریعی مشیت میں کفر و شرک ناپسندیدہ ہے "وَلَا یَرْضیٰ لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ" وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔ کفر و شرک اللہ کی قضاء ہے جو تکوینی فیصلہ ہے اور کفار کا کفر و شرک کا ارتکاب مقتضیٰ ہے جو

تشریعی امر کی خلاف ورزی ہے تو کفار نے تشریعی امر کو تکوینی امر پر قیاس کیا ہے جو کہ غلط ہے۔ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں۔

فَعلیٰ العبدِ إتباعُ الامرِ ولَیسَ لہٗ ان یتعلّلَ بالْمَشیَّۃِ بعدَ وُرودِالامرِ۔

بندہ کو چاہیے کہ تشریعی امر کا اتباع کرے تشریعی امر کے بعد تکوینی امر کا سہارالینا صحیح نہیں۔

جواب دوم: لَوْشَاءَ اللہُ مَا اَشْرَکُوْا ایک حق کلمہ ہے لیکن کفار نے اس سے باطل کا ارادہ کیا ہے اس کلام کا مدلول صحیح ہے لیکن ان کی غرض فاسد تھی۔ ان کی غرض اپنے کفر وشرک کو جواز فراہم کرنا تھا۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کفار کا قول 'وَلَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاھُمْ'' استہزا کے طور پر تھا وھٰذا انھم کلمۃ حق ارید بہا الباطل۔ اس لئے اللہ نے ان کے قول کی تردید کی مَا لَھُمْ بِذٰالِكَ مِنْ عِلْمٍ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر کفار کا قول درست ہو جائے تو تکذیب رسل لازم آئے گا۔ اللہ نے رسول کیوں بھیجے، انسان کو شریعت کا مکلّف کیوں بنایا ارسال رسل اورانزال کتب بے فائدہ ہو جائے گا۔ الحاصل ان کا قول شریعت کے معارض ہے کفر وشرک اختیاری افعال ہیں ان میں تقدیر کا حوالہ بھی صحیح نہیں۔ حضرت عمرؓ جب ایک چور کا ہاتھ کاٹنے لگے تو چور نے تقدیر کا سہارالینا چاہا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: وَانا اَقْطعُ یدكَ بِقَضاَءِ اللہِ وَقَدْرِہٖ'' کہ میں بھی آپ کا ہاتھ اللہ کی قضاء اور قدر کی وجہ سے کاٹتا ہوں۔

لطیفہ: ایک آدمی نے کسی کے کھجور کے درخت سے کھجوریں چوری کیں۔ مالک نے کہا کہ چوری کیوں کرتے ہو؟ چور نے کہا یہ میری قسمت میں تھی۔ مالک نے اس پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیے، چور نے کہا یہ کیوں؟ مالک نے کہا کہ یہ بھی تیری قسمت ہے۔ وہب ابن منبہ "تقدیر کے بارے مین فرماتے ہیں کہ میں نے تقدیر کے بارے میں غور کیا تو حیران ہوا پھر غور کیا پھر حیران ہوا کہ میں نے دیکھا بڑے بڑے علماء تقدیر کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے سب سے زیادہ جاہل تقدیر کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ کفار نے اللہ کی تکوینی مشیت کو اس کی رضاء سمجھ لیا۔ کفر و شرک کے وجود میں اللہ کی حکمت ہے اور رضاء نہیں۔ مریض کڑوی دوا کھانے سے راضی نہیں ہوتا لیکن اس میں حکمت یہ ہے کہ صحت ملے گی۔ اس طرح اللہ بھی کفر و شرک پر راضی نہیں لیکن حکمتوں کی وجہ سے ان کو بندہ کے کسب پر پیدا فرماتے ہیں۔

سوال: حدیث میں ہے کہ اِنَّ اٰدم حَجَّ موسیٰ ای غلبۂ بِالحُجَۃِ موسیٰ علیہ السلام کے سوال پر آدم علیہ السلام نے فرمایا " اَتلُومُنِیۡ علیٰ اَمرٍ قَدۡ کَتَبہُ اللہُ علیَّ قَبۡلَ اَنۡ اُخۡلَقَ بِاربعین عاماً"۔ آپ مجھے ایک ایسی بات پر ملامت کرتے ہیں جو میری تقدیر میں میری تخلیق سے چالیس سال پہلے لکھا تھا۔

جواب: آدم علیہ السلام کا احتجاج اپنے گناہ پر نہ تھا موسیٰ علیہ السلام نے ملامت کی کہ آپ کی وجہ سے آپ کی اولاد جنت سے نکل آئی اور مصیبت میں پھنس گئے احتجاج مصیبت پر تھا خطاء پر نہ تھا۔ یہ جنت سے نکلنے والی مصیبت تقدیری بات ہے مصیبتوں میں تقدیر کا حوالہ صحیح ہے گناہوں میں تقدیر کا حوالہ صحیح نہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۴:۔

قولہ: يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلاً وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيُخْذِلُ وَيَبْتَلِيْ عَدْلاً۔

ترجمہ:۔وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور حفاظت کرتا ہے اور مصیبت دور کرتا ہے اپنے فضل سے۔اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور عدل کی وجہ سے توفیق سلب کر لیتا ہے اور امتحان میں ڈال دیتا ہے۔

شرح:۔اس عقیدہ میں معتزلہ کے اس قول کی تردید ہے کہ اللہ پر واجب ہے کہ ایسا کام کرے جو بندہ کے حق میں اصلح اور مفید ہو حالانکہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں وہ جس کو چاہے ہدایت دے، جس کو چاہے گمراہ کرے۔اس ہدایت اور گمراہی سے مراد خلق ہدایت و گمراہی ہے کیونکہ خالق صرف اللہ ہے ہدایت اور گمراہی کی نسبت کبھی غیر اللہ کی طرف بھی ہوتی ہے۔مثلاً ہدایت کی نسبت بطور سبب کے مجازاً حضور ﷺ کی طرف ہوئی ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ / ۲۰)

ترجمہ: بے شک تو سمجھاتا ہے سیدھی راہ۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل / ۹)

ترجمہ: یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔

کبھی اضلال کی نسبت مجازاً شیطان کی طرف ہوتی ہے۔لَاُغْوِيَنَّهُمْ

اور راہ سے کھودوں گا۔ بتوں کی طرف بھی اضلال کی نسبت (الحجر/۳۹) ترجمہ:۔اور راہ سے کھودوں گا۔ بتوں کی طرف بھی اضلال کی نسبت

ہوتی ہے۔رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنَ النَّاسِ (ابراہیم/۳۶)

ترجمہ:اے رب انہوں نے گمراہ کیا بہت لوگوں کو۔

اگر اللہ پر اصلح للعبد واجب ہوتا تو دنیا میں فقیر اور کافر کو پیدا نہ کرتے فقیر دنیا میں معذب ہے اور کافر آخرت میں معذب ہے ان کے لئے تو عدم اصلح تھا کہ سرے سے پیدا ہی نہ ہوتے۔اور نہ اللہ کو کسی پر احسان جتلانے کی ضرورت تھی۔کیونکہ جس کو ایمان دیا تو وہ تو اس بندہ کے حق میں اصلح تھا۔حالانکہ اللہ ایمان دینے پر اپنا احسان جتلاتے ہیں

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ (الحجرات/۱۷)

ترجمہ: بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام پر احسان فرعون پر احسان سے زیادہ نہ ہوتا،اس لئے کہ ہر ایک کے ساتھ اسی کے مطابق احسان ہوتا۔پھر تو عصمت،توفیق،کشادگی اور تکالیف دور کرنے کے لئے سوال کی حاجت نہ رہتی۔کوئی تکلیف کسی پر لاتے تو اس کے حق میں فساد ہوتا ہے۔اس کا ترک اللہ پر واجب ہوتا۔اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں وجوب کے لئے تو اللہ کے اوپر ایک اور شارع ہونا چاہئے لاشارع علی الشارع اللہ پر کوئی شارع نہیں۔

وَيُعَافِيْ فضلاً:۔ اللہ مصیبتوں کو اپنے فضل سے دور کرتے ہیں۔کسی کا کوئی استحقاق نہیں۔کسی کو مصیبت میں گرفتار کرنا،یا کسی سے توفیق چھیننا اس کا عدل

ہے۔الحاصل تمام امور کا منبع اس کا فضل یا عدل ہے۔ فضل اور عدل کی وجہ سے وہ مجبور نہیں ہو سکتا لہٰذا اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۵:۔

قولہ: وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِيْ مَشِيَّتِهٖ بَيْنَ فَضْلِهٖ وَعَدْلِهٖ۔

ترجمہ:۔اور سب لوگ اللہ کی مشیت کے مطابق فضل اور عدل کے دائروں میں تیر رہے ہیں۔

شرح:۔ امام طحاویؒ نے قدر کے مسائل کو یکجا بیان نہیں کیا بلکہ جا بجا بیان کیا ہے تمام امور اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق فضل اور عدل سے کرتے ہیں۔ارشاد ہے

هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ (التغابن/۲)

ترجمہ:۔وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایماندار۔

کسی کو ایمان دینا اس کا فضل ہے اور کسی کو کافر بنانا اس کا عدل ہے۔اللہ جو کچھ کرتا ہے وہ فضل یا عدل ہے۔اس کو ظلم نہیں کہہ سکتے۔اپنی مخلوق میں ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے۔فضل کا معنیٰ ہے بغیر استحقاق کے کوئی چیز عطا کرنا۔جب بات فضل اور عدل کی ہوئی تو اللہ سے صرف اس کا فضل مانگنا چاہیے عدل کی دعا نہیں مانگنی چاہیے اس لئے کہ کافر بنانا اور گمراہ کرنا اس کا عدل ہے بعض لوگ ناسمجھی اور جہالت کی

وجہ سے اللہ سے عدل مانگتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ وہ بندوں کی طرح عادل ہے۔اللہ اور بندوں کے عدل میں فرق ہے اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عدل شروع کردے تو یقیناً ایک آدمی بھی جنت میں نہیں جا سکتا۔اس لئے کہ اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں شکرادا کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا اللہ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

عقیدہ نمبر ۲۶:۔

قولہ : وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ والأَنْدَادِ

ترجمہ:۔اور وہ بلند و بالا ہے اپنے انداد اور اضداد سے۔

شرح:۔ اضداد ضد کی جمع ہے مخالف ،معارض ،مقابل اور مثل کو کہتے ہیں۔ انداد نِد کی جمع ہے مثل اور نظیر کو کہتے ہیں۔اللہ کا کوئی مقابل اور مثل نہیں۔جو چاہے گا وہ ہوگا،جو نہ چاہے گا وہ نہ ہوگا۔اس کے علاوہ سب اس کی مخلوق ہے۔مخلوق میں کس کی مجال ہے کہ اس کا مقابل بنے یا اس کی ہمسری کرے کیا پدی کیا پدی کا شوربہ!

ارشاد باری ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ(الاخلاص / ۴)

ترجمہ:۔اور نہیں ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔اس لئے ارشاد ہے۔

فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَاداً (البقرہ/ ۲۲)

ترجمہ:۔سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل۔

اس کا شریک اور ہمسر کوئی نہیں لہٰذا کسی غیر اللہ کو اس کا شریک بنانے کی کوشش نہ کرو۔اس عقیدہ میں معتزلہ کا رد ہے، ان کا کہنا ہے کہ بندہ اپنا فعل کا خود خالق ہے۔ جب غیر اللہ نہ اس کی ضد ہے نہ ند تو کیسے اللہ کی طرح خالق بن سکتا ہے۔اگر بالفرض کوئی مخالف اور مثل ہوتا تو ضرور کچھ نہ کچھ مخالفت کرتا معاملہ بگڑ جاتا، کیونکہ دو بڑوں کی مخالفت اور جھگڑے میں چھوٹے مفت میں پس جاتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۷:۔

قوله : لَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَلَا غَالِبَ لِاَمْرِهٖ

ترجمہ:۔کوئی اس کے فیصلہ کو ٹالنے والا نہیں اور کوئی اس کے حکم کو مؤخر کرنے والا نہیں۔اور کوئی اس کے حکم پر غالب آنے والا نہیں۔

شرح:۔ اللہ واحد اور قہار ہے، عظیم قدرتوں کا مالک ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کے تکوینی حکم اور فیصلہ کو ایک لمحہ کے لئے نہ ٹال سکتی ہے نہ مؤخر کر سکتی ہے۔نہ کوئی اس کے امر پر غالب آسکتا ہے۔سب کچھ اس کے فیصلوں کے مطابق ہوتا ہے۔دنیا میں دشمن ممالک اور ایک دوسرے کے مخالف کتنے منصوبے بناتے ہیں۔لیکن اوپر سے اللہ کا ایک فیصلہ ہوتا ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اور نہ مقررہ وقت سے مؤخر کر سکتا ہے۔لوگ اس کے تشریعی حکم کو ٹال دیتے ہیں کبھی مؤخر کر دیتے ہیں لیکن اس کی رجع بھی بالآخر تکوینی حکم کی طرف ہوتی ہے۔دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں اور طاقتوں کے فیصلوں کو لوگ ٹال دیتے ہیں حکومت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔اس لئے کہ اللہ کے

ماسوا سب عاجز اور بے بس ہیں۔ بظاہر کتنے مضبوط اور منصوبہ بند ہوں لیکن نظام کو مکمل طور پر کنٹرول میں نہیں لے سکتے۔

عقیدہ نمبر ۲۸:۔

قوله: اٰمَنَّا بِذَالِكَ كُلِّهٖ وَاَيْقَنَّا اَنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهٖ

ترجمہ:۔ ہم ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔

شرح:۔ ایمان کی بحث آگے چل کر آئے گی۔ ایقان استقرار کو کہتے ہیں "يَقِنَ الْمَاءُ فِي الْحَوْضِ" پانی جب حوض میں استقرار پکڑ لے۔ کلًا پر تنوین بدل ہے مضاف الیہ سے۔ عبارت یوں ہوگی "كُلُّ كَائِنٍ مُحْدِثٌ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ" ہر محدث کا وجود اللہ کی طرف سے ہے یعنی اللہ کی قضاء، قدر، ارادہ، مشیت اور تکوین سے ہے ارشاد ہے كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" تمام تشریعی احکام مدلل ہو کر سامنے آگئے ہیں اس طرح تمام تکوینی احکامات اپنے فوائد اور حکمتوں کے ساتھ دن بدن ظہور پذیر ہو رہے ہیں یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ تمام تکوینی و تشریعی احکامات کو ماننے کے بعد یقین رکھنا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں کیونکہ وہ ہر شی کا موجد بھی ہے اور شارع بھی ہے۔

عقیدہ نمبر ۲۹:۔

قوله: وَاِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبٰى وَرَسُوْلُهُ

الْمُرْتَضیٰ۔

ترجمہ:۔اور محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے، منتخب رسول اور پسندیدہ رسول ہیں۔

شرح:۔اِنَّ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا عطف "اِنَّ اللّٰہَ واحِدٌ لاشریکَ لہٗ" پر ہے جو نقولُ کا معمول تھا۔ عبارت یوں ہوگی "نَقُوْلُ فِیْ تَوْحِیْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ واحِدٌ لَا شریکَ لہٗ وَاِنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ ۔الاجتباء الاصطفاء، الارتضاء سب قریب المعنی ہیں۔اس عقیدہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ رسالت اور نبوت اللہ کی طرف سے عطیہ اور عہدہ ہے، وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔محنت اور کسب وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ جس کو چاہے بندوں میں سے منتخب کر لیتے ہیں ارشاد ہے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ(الانعام/۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنا پیغام۔

ارشاد ہے۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلآ ئِکَۃِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ(الحج/۷۵)

ترجمہ: اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں۔

جسطرح آدمی بازار میں کوئی پھل خریدتا ہے تو خوب اچھی طرح چھانٹی کر کے کسی ایک دانہ وغیرہ کا انتخاب کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں میں انبیاء کرام کو منتخب

کرتا ہے۔انبیاء کرام خالق اور مخلوق کے مابین واسطہ ہیں ان میں اتنے روحانی کمالات وانوارات ہوتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا ہے۔ان کا باطن اتنا پاک ہوتا ہے کہ ان پر وحی اترتی ہے۔ان کی تربیت اللہ فرماتے ہیں۔دوسری طرف ان کا تعلق مخلوق کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے مخلوق ان سے استفادہ کرتی ہے۔انسانوں کو تمام عقائد اور اعمال انہی کے واسطے سے ملتے ہیں۔اس لئے اس واسطہ کا ذکر ہو رہا ہے۔اس آخری امت کا واسطہ اور اللہ کے ساتھ مخلوق کو ملانے والے نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ ہیں آپ کی تین صفات ذکر ہوئی ہیں (۱) عبدیت (۲) نبوت (۳) رسالت۔

عبدیت ایک اعلیٰ مقام ہے بلکہ عبدیت میں اضافہ کے ساتھ بندہ کے درجات بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔عبدیت سے کوئی نکل نہیں سکتا۔فرشتوں کے بارے میں آتا ہے۔بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء/۲۶)

ترجمہ: بلکہ وہ بندے ہیں جن کو عزت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اشرف مقامات میں نبی ﷺ کا ذکر عبد کے اسم کے ساتھ کیا ہے۔اسراء کے موقع پر فرمایا۔

سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (بنی اسرائیل /۱)

ترجمہ: پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو۔

فرمایا وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ (الجن/۱۹)

ترجمہ: اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ۔

معراج کے موقع پر فرمایا۔فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَآاَوْحیٰ(النجم/۱۰)

ترجمہ: پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا۔

فرمایا:وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلیٰ عَبْدِنَا

عبدیت کے ساتھ بندہ دنیا وآخرت میں تقدم حاصل کرتا ہے۔حضور ﷺ نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔ نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف فرشتہ وحی لاتا ہے، دل میں الہام ہوتا ہے، رؤیاء صالحہ کے ساتھ خبردار کیا جاتا ہے۔رسول افضل ہوتا ہے ایک خاص وحی کے ساتھ جو وحی نبوت سے بلند ہوتی ہے۔رسول وہ ہے جس کی طرف صرف جبرئیلؑ اللہ کی طرف سے کتاب لائے۔

رسول کی تعریف یہ ہے:انسانٌ بَعَثَہُ اللہُ اِلیٰ الْخَلْقِ لِتَبْلِیْغِ الْاَحْکَامِ۔

رسول وہ ہے جس کو اللہ مخلوق کی طرف احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجیں۔

رسول اور نبی میں فرق:۔

جس کو اللہ آسمان کی خبر دے اگر اس کو غیر کی طرف تبلیغ کا بھی حکم دیا جائے تو نبی بھی ہے اور رسول بھی۔اگر اس کو غیر کی طرف تبلیغ کا حکم نہ ملے تو نبی ہے اور رسول نہیں۔رسول خاص ہے اور نبی عام ہے ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں ۔رسالت فی نفسہ عام ہے۔نبوت رسالت سے جزء ہے کیونکہ رسالت نبوت اور غیر نبوت کو شامل ہے۔بخلاف رُسُل کے۔رسل انبیاء اور غیر انبیاء کو شامل نہیں ۔پس رسالت فی نفسہ عام ہے لیکن اہل رسالت کے لحاظ سے خاص ہے۔ارسال رسل اللہ

کی طرف سے مخلوق پر عظیم نعمت ہے خاص کر ارشاد باری ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران/۱۶۴)

ترجمہ: اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا۔

ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء/۱۰۷)

ترجمہ: اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کے جہاں کے لوگوں پر۔

حضور ﷺ کا لوگوں کی طرف بھیجا جانا بہت بڑا انعام ہے اس لئے کہ حضور ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے شاہی دربار کی طرف لے جاتے ہیں۔ جہاں ہر قسم کی اعلیٰ اور پائیدار نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے لطف اندوز ہوں گے۔ اور سب سے بڑی نعمت دیدار خداوندی ہوگی۔ کسی بھی شاہی دربار میں بادشاہ کی زیارت فی نفسہ بہت بڑی فضیلت اور خوشی ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو بڑے لوگوں کی زیارت نصیب ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا تذکرہ ہمیشہ کرتے ہیں اگر ساتھ کچھ کھانا یا پینا ہو اس کا تذکرہ اتنا نہیں کرتے جتنا کہ ملاقات کا کرتے ہیں۔ تو اللہ کی زیارت اور اس کے شاہی دربار کی نعمتوں سے مستفید ہونا حضور ﷺ کی وجہ سے ہوگا۔ تو کتنا بڑا احسان ہوا آپ ﷺ کا،

ثبوت نبوت:۔

آپ ﷺ کی نبوت دلائل اور معجزات سے ثابت ہے آپ ﷺ کو جو سب سے بڑا اور پائیدار معجزہ عطا کیا گیا وہ قرآن مجید ہے۔ دیگر معجزات پر علماء اسلام کی مستقل کتابیں ہیں۔ یہ بھی آپ کا معجزہ ہے کہ آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری ہے

اورتا قیامت جاری رہے گا۔علماء ،صلحاء ،شہداء ،مدارس دینیہ ،صوفیاء کی خانقاہیں ،تصنیفات وغیرہ آپ ﷺ کا علمی اور روحانی فیض ہے۔

عقیدہ نمبر ۳۰:۔

قولہ: وَاِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِمَامُ الْاَتْقِیَاءِ وَسَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَحَبِیْبُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

ترجمہ:۔ اور آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور متقین کے امام اور پیشوا ہیں آپ تمام رسولوں کے سردار ہیں۔اور آپ رب العلمین کے حبیب ہیں۔

شرح:۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے انبیاء کرام کا سلسلہ شروع کیا اور اس سلسلہ ہدایت کو آپ ﷺ پر ختم کردیا۔آپ ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہ آئے گا ۔ختم نبوت کے دو پہلو ہیں۔ایجابی:۔آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک باقی رہے گی۔

سلبی:۔قیامت تک دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

ختم نبوت کے دلائل:۔

اللہ کا ارشاد ہے۔وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب/۴۵)

ترجمہ: لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔

حدیث شریف میں ہے کہ میری اور انبیاء کرامؑ کی مثال ایک خوبصورت محل کی ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو۔محل کا نظارہ کرنے والے تعجب کرتے ہیں کہ

اس خوبصورت محل میں صرف یہی ایک عیب ہے کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے میں نے وہ خالی جگہ پُر کردی اور میری وجہ سے وہ تعمیر مکمل ہوگئی۔ اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: میرے لئے اسماء ہیں فرماتے ہیں "اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد نبی نہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے کہ میری امت میں تیس کذاب پیدا ہوں گے۔ ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا اور میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر انبیاء کرام کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔

ختم نبوت کی قسمیں:۔

(۱) ختم نبوت مکانی:۔ روئے زمین پر ہر جگہ آپ ﷺ کی نبوت ہے کسی بحر و بر میں کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ مکان کے اعتبار سے آپ ﷺ کی نبوت عام ہے۔

(۲) ختم نبوت زمانی:۔ قیامت تک صرف آپ ﷺ کی نبوت رہے گی۔ کسی زمانے میں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ زمانے کے اعتبار سے آپ ﷺ کی نبوت عام ہے۔

(۳) ختم نبوت مرتبی:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے تمام کمالات و مرتبے آپ ﷺ پر ختم ہیں۔ نبوت کے تمام کمالات اور درجات کی آپ ﷺ ابتداء بھی ہیں اور انتہاء بھی۔

پہلی مثال:۔دنیا میں تمام روشنیوں کا سرچشمہ سورج ہے۔گھر میں، صحن میں، کمرہ میں، زمین پر، فضا میں، آسمان میں ہر طرف روشنی سورج کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے ان تمام روشنیوں کا منبع سورج ہے یعنی تمام روشنیاں سورج سے پھوٹ رہی ہیں اس لئے سورج کو آپ خاتم الانوار کہہ سکتے ہیں۔

دوسری مثال: گھروں اور محلوں میں پانی ٹنکی سے آتا ہے۔جس کو خاتم المیاہ کہتے ہیں۔ہر طرف پانی کی سپلائی ٹینکی سے ہوتی ہے۔تمام انبیاء کرام کو نبوت آپ ﷺ کی وجہ سے ملی ہے تمام صحابہ کرام کو صحابیت اور سارے اولیاء کو ولایت آپ ﷺ کی وجہ سے ملی ہے کہ آپ ﷺ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ ' کے بلند واعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔نبوت اور ولایت کی تقسیم کی ہے۔ختم نبوت مرتبی ختم نبوت کی ایسی قسم ہے کہ بالفرض آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آجائے تو اس مرتبہ پر فرق نہیں پڑتا۔جس طرح آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کرام کے آنے سے یہ مرتبہ متأثر نہیں ہوتا اس طرح آپ ﷺ کے بعد آنے سے بھی متأثر نہیں ہوتا۔مثلاً ایک دینی محفل ہے اس کے مہمان خصوصی علم وفضل کے لحاظ سے یکتائے روزگار ہے لیکن اس محفل میں کچھ لوگ مہمان خصوصی سے پہلے آتے ہیں کچھ اُن کے بعد۔تو کسی کے پہلے آنے سے یا بعد میں آنے سے مہمان خصوصی کا مقام اور مرتبہ گھٹتا نہیں۔لیکن قطعی بے شمار نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی کسی زمان اور کسی مکان میں نہ آئے گا کیونکہ نیا نبی حضور ﷺ کی نبوت وشریعت منسوخ کرے گا اور یہ محال ہے۔یہ تیسری قسم ختم نبوت مرتبی والی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بیان کی ہے۔

وَاِمَامُ الْاَتْقِیَاءِ: متقی عام ہے خواہ نبی ہو یا غیر نبی۔ ہر نبی متقی ہوتا ہے اور ہر متقی نبی نہیں ہوتا اور نہ بن سکتا ہے۔ واقعہ اسراء میں مسجد اقصیٰ میں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کرام کی امامت کرائی ہے۔ یہ واقعہ عالم مثال میں پیش آیا تھا۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ امام الاتقیاء ہیں۔ صحابہ کرام بھی سب متقی تھے وہ سب آپ کے مقتدی تھے اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ امام المتقین ہیں۔ آج تک جو لوگ متقی کہلاتے ہیں اور قیامت تک جو متقی بنیں گے یہ سب آپ ﷺ کی اتباع کی وجہ سے ہوگا۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ تمام متقین کے پیشوا ہیں آپ ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی متقی نہیں بن سکتا۔ ارشاد ہے

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران / ۳۱)

ترجمہ:۔ تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ۔

وَسَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ:۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ (البقرہ / ۲۵۳)

ترجمہ:۔ یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے۔

انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے لیکن حضور ﷺ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ آپ ﷺ سب کے سردار ہیں۔ ارشاد ہے۔ اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ فرمایا انا سَیِّدُ وُلْدِ

آدَمَ یَومَ القِیَامَۃِ میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ میں تقسیم کرنے والا ہوں۔آپ ﷺ نے نبوت، صحابیت ولایت، شہادت، اور صدیقیت تقسیم کی ہے۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دو کمال تھے علمی و نظری اور عملی۔تمام انبیاء کرام اور صدیقین آپ ﷺ کے علمی و نظری کمال کے مظاہر ہیں اور تمام شہداء اور صلحاء آپ ﷺ کے کمال عملی کے مظاہر ہیں۔

سوال:۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لَاتُفَضِّلُوْنِیْ علٰی موسیٰ" مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔لوگ قیامت میں بے ہوش ہو جائیں گے سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے کو پکڑے ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہیں یا موسیٰ علیہ السلام اُن حضرات میں سے ہیں جو قیامت کی بے ہوشی سے مستثنٰی ہیں۔

جواب:۔حضور ﷺ نے یہ جملہ "لاتفضّلونی علیٰ موسیٰ" ایک خاص موقع پر فرمایا تھا۔ایک یہودی نے کہا کہ موسیٰ کو تمام بشر پر فضیلت حاصل ہے تو ایک مسلمان نے اس کو تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ حضور ﷺ ہمارے مابین موجود ہیں آپ ایسی باتیں کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ کہ مجھے قومی غیرت، عصبیت، اور نفسانی خواہش کی وجہ سے فخراً فضیلت نہ دو۔ یہ تھپڑ انہی وجوہ کی بناء پر دیا تھا۔ بلکہ قومی عصبیت کی وجہ سے تو جہاد بھی مذموم ہے۔اللہ نے فخر کو حرام کیا ہے اگر عصبیت اور فخر نہ ہو تو پھر بے شک آپ ﷺ کی فضیلت نصوص سے

ثابت ہے۔ الحاصل اس خاص طریقہ عصبیت اور فخر سے فضیلت دینا صحیح نہیں۔ ورنہ تمام انبیاء پر آپ ﷺ کی فضیلت ظاہر اور ثابت ہے۔

دوسرا جواب:۔ فضیلت کی دو قسمیں ہیں خصوصی یعنی بعینہ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت مثلاً فلان نبی فلان نبی سے افضل ہے۔ عمومی فضیلت جائز ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ پھر جس کی جو فضیلت ہوگی وہ اس کیلئے ثابت ہوگا۔ ارشاد ہے

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل/۵۵)

ترجمہ: اور ہم نے افضل کیا ہے بعض پیغمبروں کو بعض سے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے "اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ" تو "لاتفضّلونی علیٰ موسیٰ" اور "لاتفضّلوا بین الانبیاءِ" میں ممانعت خصوصی فضیلت کی ہے نہ کہ عمومی فضیلت کی کیونکہ وہ ثابت ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ علامہ شمس الحق افغانیؒ اپنے دور میں عالمی سطح پر سب سے بڑے عالم تھے۔

حَبِيْبُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ:۔ آپ ﷺ رب العالمین کے محبوب تھے آپ ﷺ کے لئے محبت کے اعلیٰ مراتب ثابت تھے اور وہ مرتبہ خُلّۃ کا ہے فرمایا" اِتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا "۔ اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا خلیل ہونا مشہور تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی خلۃ آپ ﷺ سے زیادہ تھی۔ جس طرح درود شریف میں كَمَا صَلَّيْتَ علیٰ ابراهيمَ یعنی ابراہیمؑ کی خلۃ بناء بر شہرت کے مشبہ بہ ہے نہ کہ بناء بر زیادتی کہ جیسا کہ مشبہ اور مشبہ بہ کا قانون ہے۔ آپ ﷺ

کا ارشاد ہے کہ اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا۔ وَلٰكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ لیکن تمہارا صاحب (حضور ﷺ) خلیل الرحمٰن ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے انتہائی محبوب ۔تو محبت عام ہے اور خُلّۃ حضرت ابراہیمؑ اور حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے اللہ تعالیٰ بھی ود، محبت اور خُلّۃ کے ساتھ موصوف ہے جیسا کہ اس کی شان کے مناسب ہے ۔اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے جو محبت کرتا ہے اس سے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ تعبیر ہوتی ہے۔

(۱) ارادت :۔محبوب کی طرف قلبی میلان اور اس کا طلب کرنا ۔(۲) وُدّ :۔ خالص محبت (۳) محبت :۔ یہ عام ہے (۴) خُلّۃ :۔وہ محبت جو چاہنے والے کی روح اور قلب میں سرایت کر جائے۔

عقیدہ نمبر ۳۱ :۔

قوله : وَكُلُّ دَعْوَةِ نَبُوَّةٍ بَعْدَ نَبُوَّتِهٖ فَغَيٌّ وَهَوىً۔

ترجمہ:۔آپ ﷺ کی نبوت کے بعد ہر دعویٰ نبوت گمراہی اور نفس پرستی ہے اور خواہش پرستی ہے۔

شرح:۔جب آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا دلائل و براہین سے ثابت ہو چکا تو اب کسی کا نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنا غلط اور جھوٹ ہے خواہ ظلی اور بروزی نبی بننے کا دعویٰ ہو، یا تشریعی اور غیر تشریعی نبی بننے کا ۔ایسے دعویٰ گمراہی اور خواہش پرستی پر مبنی ہیں ۔ان کے پاس دلیل کوئی بھی نہ ہوگی ۔شریعت کی خبرداری کے بعد ہر دعویٰ شرعاً

محال ہوگا۔ اگر چہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں کہ نیا نبی پیدا کرے اللہ اب نیا نبی پیدا نہیں فرماتے، کیونکہ محال شرعی ہے۔

مثال:۔ ایک آدمی ایک من کے پتھر کو اٹھا سکتا ہے اور کئی مرتبہ اٹھایا بھی ہے اب اعلان کردے کہ آئندہ کے لئے ہرگز اس کو نہ اٹھاؤں گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اٹھا نہیں سکتا بلکہ اپنے اعلان کے خلاف نہیں کرتا۔ تو نیا نبی نہ آنا شرعاً محال ہے نہ کہ عقلاً۔

لطیفہ:۔ اکوڑہ خٹک کے جناب عبدالرزاق سنگین اردو، پشتو ادب کے مشہور ادیب اور شاعر تھے، بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے۔ ریل گاڑی میں ایک قادیانی نے ان سے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے تو سنگین صاحب نے فرمایا کہ اب تو میں نبی ہوں۔ قادیانی کہنے لگا کہ آپ کیسے نبی بن گئے۔ تو سنگین صاحب نے جواب دیا کہ مرزا قادیانی کیسے نبی بن گئے۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی نبی بن سکتا ہے تو میں بھی نبی بن سکتا ہوں۔ جو اس کے دلائل وہ میرے دلائل ہیں۔ حالانکہ مرزا کے پاس نبوت کے سب جھوٹے دلائل ہیں یعنی نبی نہیں بن سکتا۔ الحاصل آسانی سے سمجھا دیا کہ نہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی بن سکتا ہے نہ میں بن سکتا ہوں یہ کوئی خود ساختہ چیز نہیں بلکہ نبوت ایک وہبی چیز ہے اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔

حضور ﷺ کی بعثت عام ہے انسانوں اور جنات کی طرف۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً (الاعراف/۱۵۸)

ترجمہ:۔ تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

ارشاد ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً (سباء/۲۸)

ترجمہ:۔اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو۔
حدیث شریف میں ہے "اُرْسِلْتُ اِلیٰ کَافَّةٍ وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ" میں سب کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر انبیاء ختم ہو گئے ہیں۔
سوال: خاتم الانبیاء ہیں خاتم الرسل تو نہیں

جواب: نبی عام ہے اور رسول خاص ہے جب عام کے لئے خاتم ہوئے تو خاص کیلئے بھی خاتم ہوئے۔خاتم الحیوان انسان کے لئے بھی خاتم ہے۔اس لئے کہ حیوان انسان سے عام ہے حیوان کے افراد میں انسان بھی داخل ہے۔اگر نبی اور رسول میں ترادف اور تساوی ہو تو پھر سوال ہی وارد نہیں ہوتا۔اس لئے کہ دونوں کے لئے خاتم ہوگا۔

عقیدہ نمبر ۳۲:۔

قولہ: وَهُوَ الْمَبْعُوْثُ اِلیٰ عَامَّةِ الْجِنِّ وَ كَافَّةِ الْوَرىٰ بِالْحَقِّ وَالْهُدىٰ وَبِالنُّوْرِ وَالضِّيَاءِ۔

ترجمہ: اور وہ عام جنات اور تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہیں حق اور ہدایت کے ساتھ اور نور اور ضیاء کے ساتھ۔

شرح:۔آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عام جنات اور ہر قوم، ہر نسل، ہر رنگ اور ہر زبان والوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔کسی خاص قوم اور نسل کی طرف نہیں ارشاد باری ہے۔

قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً (الاعراف/ ۱۵۸)

ترجمہ:۔تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

ارشاد ہے۔وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً (سباء/ ۲۸)

ترجمہ:۔اور تجھ کو ہم نے بھیجا سو ساری لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو۔

ارشاد ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

نَذِيْراً ۔(الفرقان/ ۱)

ترجمہ:۔ بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندے پر

تا کہ ہو جہاں والوں کے لئے ڈرانے والا۔

جنات کی طرف بھی مبعوث ہے ارشاد ہے۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِىَ اللّٰهِ (الاحقاف/ ۳۱)

ترجمہ:۔اے قوم ہماری مانو اللہ کے بلانے والے کی۔

سورۃ الجن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کی طرف بھی بھیجے گئے ہیں حق ،ہدایت نور اور ضیاء حضور ﷺ کے لائے سچے اور حق دین وشریعت کے اوصاف ہیں اوصاف کی وجہ سے شي کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔آپ ﷺ سچے اور روشن دین کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اتباع صحیح اور آسان ہے۔نور اور ضیاء روشنی کو کہتے ہیں ضیاء نور سے اکمل ہے۔ارشاد ہے

هُوَالَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْراً (یونس /۵)

ترجمہ: وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمکتا اور چاند کو چاندنا۔

سورج کی روشنی زیادہ ہے اس کو ضیاء کہا گیا ہے اور چاند کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس کو نور کہا گیا۔

عقیدہ نمبر ۳۳:۔

قولہ: وَاِنَّ الْقُرْاٰنَ كَلَامُ اللّٰهِ مِنْهُ بَدَءَ بِلَا كَيْفِيَةٍ قَوْلاً وَاَنْزَلَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَحْياً وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلٰى ذَالِكَ حَقّاً وَاَيْقَنُوْا اَنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْحَقِيْقَةِ لَيْسَ بِمَخْلُوْقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ فَمَنْ سَمِعَهٗ فَزَعَمَ اَنَّهٗ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ وَقَدْ ذَمَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَابَهٗ وَاَوْعَدَهٗ بِسَقَرَ حَيْثُ قَالَ: سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ فَلَمَّا اَوْعَدَ اللّٰهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ عَلِمْنَا وَاَيْقَنَّا اَنَّهٗ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ۔

ترجمہ:۔ اور قرآن اللہ کا کلام ہے جو اللہ کی ذات سے باعتبار قول کے بغیر کیفیت کے ظاہر ہوا ہے۔ اور اس کو اپنے رسول ﷺ پر بذریعہ وحی نازل فرمایا۔ اور مؤمنین نے حق کے طریق پر اس کی تصدیق کی۔ اور مؤمنین نے یقین کیا کہ یہ حقیقتاً اللہ کا کلام ہے۔ اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہے ۔پس جس نے اس کو سن کر بشر کا کلام سمجھا وہ کافر ہو گیا۔ اور اللہ نے ایسے شخص کی مذمت کی ہے اور اس کو عیب کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کو یہ کہنے والے کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے کہ اس کو عنقریب میں جہنم میں

داخل کروں گا۔ تو جب اللہ نے اس شخص کو دوزخ کی دھمکی دی ہے جس نے یہ کہا کہ یہ انسان کا کلام ہے تو ہم نے جان لیا اور یقین کرلیا کہ یہ خالق بشر کا کلام ہے اور یہ بشر کے کلام کے مشابہ نہیں۔

شرح:۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لئے اس کو کلام اللہ کہتے ہیں۔ عرف میں کلام نظم متلو کو کہتے ہیں جو حروف اور اصوات سے جو اعراض کے قبیل سے ہیں مرکب ہونے کی بنا پر حادث ہے۔ اس کو کلام لفظی بھی کہتے ہیں۔ قرآن اور کلام ایک ایسی ازلی صفت ہے جس سے تعبیر نظم متلو کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جس طرح کسی بھی معنی موضوع لہ کے لئے الفاظ ہوتے ہیں الفاظ دال ہوتے ہیں اور معنی موضوع لہ مدلول۔ تو کلام لفظی دال ہے اور کلام نفسی مدلول۔ حقیقی کلام مدلول ہے جس کو کلام نفسی بھی کہتے ہیں۔ کلام لفظی اس پر دال ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِىْ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ الخ (المجادلہ/۸)

ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں۔

اخطل کا شعر ہے۔

ان الكلامَ لفى الفُؤادِ و انّما
جُعِل اللسانُ علىٰ الفؤادِ دليلاً

اصل کلام تو دل میں ہے زبان صرف اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت

عمرؓ کا ارشاد ہے۔ "اِنی زوّرتُ فی نفسی مقالۃً" میں نے اپنے دل میں ایک کلام آراستہ کیا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ مخلوق ہے اس کو اللہ نے اپنی ذات سے جدا پیدا کیا ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ سے مراد عقل فعال کی طرف سے نفوس پر معانی کا فیضان ہے۔ کرامیہ کہتے ہیں کہ کلام حروف اور اصوات سے مرکب ہے اور اس پر اللہ نے کلام کیا ہے۔ اہل کلام اور اہل حدیث کا ایک طائفہ کہتا ہے کہ کلام اللہ حروف واصوات کا ازلی مجموعہ ہے۔ اشاعرہ فرماتے ہیں کلام اس ذات کے ساتھ قائم واحد معنی ہے جس کو امر نہی، خبر اور استخبار کہتے ہیں۔ اگر اس معنی سے عربی میں تعبیر ہو تو اس کو قرآن کہتے ہیں۔ اگر عبرانی میں اس سے تعبیر ہو تو اس کو تورات کہتے ہیں۔ ائمہ حدیث والسنۃ کہتے ہیں کہ اللہ ازل سے متکلم ہے جو چاہے، جب چاہے، جیسے چاہے وہ کلام کرتا ہے ایسی اصوات کے ساتھ جس کو وہ سن سکے کلام اپنی نوع کے اعتبار سے قدیم ہے اگرچہ معین صوت قدیم نہیں۔

مِنْـهُ بَدَا : ۔ یہ معتزلہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ اللہ کی ذات سے نہیں نکلا۔ کلام کی اضافت اللہ کی طرف تشریفی ہے جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ، بیت اللہ اللہ کی ذات سے نہیں نکلا بلکہ بیت خدا کی ذات سے جدا ہے۔ اسی طرح اونٹنی اللہ کی ذات سے نہیں نکلی بلکہ اللہ کی ذات سے جدا شی ہے۔ کلام کی جب اللہ کی طرف اضافت ہوئی تو کلام میں عظمت آ گئی۔ معتزلہ کی یہ بات غلط ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی طرف جس طرح اعیان کی اضافت ہوئی ہے اس طرح معانی کی بھی اضافت ہوئی۔ لیکن دونوں میں فرق ہے۔ بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں اعیان کی اللہ کی طرف اضافت ہے

۔یہاں تو اعیان اللہ کے غیر ہیں ۔لیکن معانی کی اضافت اگر ہوتو وہ سب اللہ کی صفات ہوں گی۔اللہ کے غیر نہ ہوں گے۔مثلاً علم اللہ،قدرت اللہ،عزت اللہ،حیات اللہ،قہر اللہ،کلام اللہ وغیرہ۔یہ سب اللہ کی صفات ہیں۔ارشاد باری ہے اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ اس قرآن کو اللہ نے اپنے علم کے مطابق نازل کیا ہے۔علم اللہ کی صفت ہے اسی طرح کلام بھی اللہ کی صفت ہے۔

قولاً :۔ اس لفظ سے بھی معتزلہ پر رد ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن جبرئیلؑ کے دل ودماغ پر بطور تخیل کے نازل ہوا پھر جبرئیلؑ نے اپنی زبان میں اس کو ظاہر کیا۔گویا قرآن حقیقتاً اللہ کا کلام نہیں بلکہ اس کو مجازاً کلام اللہ کہا گیا ہے۔ مصنف نے قولاً کے ساتھ تردید کردی کہ حقیقتاً اللہ کا کلام ہے لیکن تکلم کی کیفیت معلوم نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيماً(النساء/۱۶۴)

ترجمہ:اور باتیں کی اللہ نے موسیٰ سے بول کر۔

مصدر کے ساتھ مؤکد کیا کہ حقیقتاً اللہ نے موسیٰ کے ساتھ بلا کیف کلام کیا ہے ابوعمروؒ(قراء سبعہ میں ایک قاری) کو کسی معتزلی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یوں پڑھا جائے وَكَلَّمَ اللهَ موسىٰ تَكْلِيماً ۔لفظ اللہ منصوب ہو۔معنیٰ ہوگا موسیٰ متکلم ہے۔ابوعمرو نے کہا ٹھیک ہے لیکن اس آیت کے ساتھ کیا کرو گے۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ(الاعراف/۱۴۳)

ترجمہ:اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب

نے۔

تو معتزلی حیران رہ گیا۔

ارشاد ہے۔سَلَامٌ قَوْلاً مِنْ رَبٍّ رَّحِیْمٍ(یٰسٓ/۵۸)

ترجمہ:۔سلام بولنا ہے رب مہربان سے۔

امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے"باب کلام الرب تبارک وتعالیٰ مع اھل الجنۃ

اوراس میں احادیث ذکر کی ہیں فرماتے ہیں

فَاَفْضَلُ نَعِیْمِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ رُؤْیَۃُ وَجْھِہٖ تبارکَ وَتَعَالٰی وَتَکْلِیْمُہٗ لَہٗ

اہل جنت کی اعلیٰ اورافضل انعام باری تعالیٰ کی زیارت اوراللہ کا اہل جنت کے ساتھ کلام ہے۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جنتی اپنی نعمتوں میں غرق ہوں گے اچانک ایک نور ظاہر ہوگا۔جنتی اس کی بلندی کی طرف آنکھیں اٹھائیں گے وہ ان کا رب ہوگا۔ان کے اوپر کی طرف سے قریب ہوکر کہے گا السلام علیکم یا اھل الجنۃ۔جنتی اپنی نعمتوں کو بھول کر اسی نور کی طرف دیکھتے رہ جائیں گے،یہاں تک کہ وہ نور ان سے پردۂ اخفاء میں چلا جائے گا۔

سوال:۔معتزلہ کہتے ہیں اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔قرآن بھی ایک شی ہے تو کل کے عموم میں داخل ہوکر قرآن مخلوق بن جائے گا۔

جواب:۔عجیب بات ہے معتزلہ بندوں کے تمام افعال کومخلوق نہیں سمجھتے اس لئے

کہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں۔ بندوں کے تمام افعال کو کل کے عموم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ اور کلام کو کل کے عموم میں داخل کر کے مخلوق کہتے ہیں۔ حالانکہ کلام، اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ بندہ کے فعل کو اللہ کی مخلوق نہیں سمجھتے اور اللہ کی صفت کو مخلوق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کسی شی کا مخلوق ہونا صفت کلام کی وجہ سے ہے کیونکہ صفتِ کلام کی وجہ سے اللہ امر کرتے ہیں۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ۔ خلق اور امر میں فرق ہے تو امر کی وجہ سے مخلوق پیدا ہوتی ہے اگر امر بھی مخلوق بن جائے تو اس کے لئے ایک اور امر کی ضرورت ہوگی پھر اس کے لئے تیسرے امر کی۔ اس طرح ایک تسلسل قائم ہو جائے گا۔ اور تسلسل باطل ہے۔ صفت کلام کی طرح دیگر صفات بھی مخلوق ہو جائیں گی۔ کیونکہ اللہ کا علم، قدرت، اور حیات وغیرہ بھی کل کے عموم میں داخل ہو کر مخلوق بن جائیں گے۔ اور یہ صریح کفر ہے۔ تو یہ بات صحیح نہیں کہ اللہ خود کلام نہیں کرتے بلکہ اس کا کلام اس کے غیر کے ساتھ قائم ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو جائے تو اللہ نے جمادات کے اندر جو کلام پیدا کیا ہے اس کو کلام اللہ کہنا چاہئیے۔ اس طرح حیوانات میں جو کلام پیدا کیا ہے وہ بھی کلام اللہ بن جائے تو پھر نَطَقَ اور اَنْطَقَ میں فرق ختم ہو جائے گا۔ جلود اور کھالیں کہیں گی "أَنْطَقَنَا اللهُ" یعنی ہمیں اللہ نے قوت گویائی عطا کی۔ کھالیں یوں نہیں کہیں گی کہ "نَطَقَ اللهُ" کہ اللہ نے نطق کیا۔ اگر غیر کے ساتھ قائم کلام اللہ کا کلام بن جائے تو پھر ہر قسم کے کلام کو اللہ کا کلام کہنا چاہئیے، خواہ جھوٹا ہو، کفریہ اور فحش ہو اس لئے کہ اس قسم کے کلام اور باتیں مخلوق کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا کل کے عموم سے قرائن کے ساتھ استثناء ضروری ہے

جس طرح عذاب کی آندھی کے بارے میں آتا ہے "تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا" مراد ہر شی سے وہ شی ہے جس کو ہوا نیست کردے۔ اس تدمیر میں خود ہوا اور آندھی کی تدمیر داخل نہیں۔ ارشاد ہے "وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ" کل شی سے ہر وہ شی مراد ہے جس کی طرف بادشاہوں کا احتیاج ہوتا ہے۔ تو "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" کا مطلب ہوا ہر وہ ماسوی اللہ جو مخلوق ہو۔ اس عموم میں اللہ اور اس کی صفات داخل نہیں۔

سوال:۔ جعل کی نسبت قرآن کی طرف ہوئی ہے اور جعل بمعنیٰ خلق ہے۔ لہٰذا قرآن مخلوق ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْاٰناً عَرَبِيّاً"۔

جواب:۔ جب جعل کی نسبت ایک مفعول کی طرف ہو تو معنیٰ ہوگا خلق مثلاً "وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ" معطوف اور معطوف علیہ ایک مفعول ہے "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" کل شی ایک مفعول ہے "وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ" رواسی ایک مفعول ہے۔ اگر جعل کی نسبت دو مفعولوں کی طرف ہو تو پھر جعل کا معنیٰ خلق نہیں ہوتا بلکہ صیرورت ہوتا ہے مثلاً "اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْاٰناً عَرَبِيّاً" ضمیر اور قرانا عربیا دو مفعول ہیں "وَلَا تَجْعَلُوْا اللّٰهَ عُرْضَةً لِاَيْمَانِكُمْ" لفظ اللہ اور عرضۃ دو مفعول ہیں "وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ" لفظ الہا اور آخر دو مفعول ہیں۔

سوال:۔ "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کا احداث رسول نے کیا ہے اور وہ یا تو جبرئیلؑ ہیں یا پھر محمد ﷺ۔

جواب:۔ لفظ رسول اس بات پر دال ہے کہ وہ مرسِل کی طرف سے پہنچانے والا ہے کیونکہ یوں نہیں کہا گیا "اِنَّهٗ لَقَوْلُ مَلَكٍ اَوْ قَوْلُ نَبِيٍّ"۔ معلوم ہوا کہ یہ اس کا قول ہے جس کی طرف سے رسول بھیجا گیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس قول کو رسول نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول سے ایک آیت میں جبرئیلؑ مراد ہیں اور دوسری میں محمد ﷺ۔ ہر ایک کی طرف قول کی اضافت تبلیغ کے لیے ہوگی کیونکہ اگر قول کا احداث ایک نے کیا ہو تو دوسرے کی طرف احداث کی نسبت ممتنع ہو جائے گی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ بھی آیا ہے۔ اس میں اشارہ ملتا ہے کہ یہ رسول جس کلام کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس میں کمی بیشی نہیں کرتا بلکہ جس کلام کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کو مرسِل کی طرف سے مِن وعَن لاتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ جو اس کو بشر کا کلام کہے وہ کافر بن جاتا ہے اور محمد ﷺ بھی بشر ہیں تو جو اس کو محمد ﷺ کا کلام کہے اس لحاظ سے کہ اس نے اس کو ایجاد کیا ہے تو یہ کفر ہے۔ پھر اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کو بشر کا کلام کہا جائے یا جنی کا یا فرشتہ کا سب صورتوں میں کفر ہے۔

قرآن غیر مخلوق ہے:۔

اہل السنّت والجماعت اور تمام سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے شرح عقائد میں ہے "وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ" صرف "الْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ" کہنا صحیح نہیں بلکہ القرآن کے ساتھ کلام اللہ کہہ کر غیر

مخلوق کہنا مناسب ہے۔وجہ یہ ہے کہ عرف میں قرآن سے نظم متلو اور کلام لفظی سمجھا جاتا ہے، جو حروف اور اصوات سے مرکب ہونے کی وجہ سے حادث ہوتا ہے۔تو قرآن کو غیر مخلوق کہنے کی وجہ سے ذھن اس حادث معنیٰ کی طرف تبادر کرتا ہے، حالانکہ نظم متلو غیر مخلوق نہیں بلکہ مخلوق ہے۔اس لئے القرآن کے ساتھ کلام اللہ کا ذکر کرتے ہیں کہ کلام اللہ جو کلام نفسی اور مدلول اور موضوع لۂ ہے وہ غیر مخلوق ہے اور نظم متلو جو حروف اور اصوات سے مرکب ہے یہ دال اور مخلوق ہے۔

بِلَا كَيْفِيَّةٍ :۔ اللہ تعالیٰ کے تکلم بالقول کی کیفیت معلوم نہیں اس کو اپنے رسول پر وحی کے ذریعہ نازل کیا ہے۔اللہ نے اس کو فرشتے کی زبان سے نازل کیا اللہ کے فرشتے جبرئیلؑ نے اس کو اللہ سے سنا اور پھر محمد ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے سنا اور پھر لوگوں کے سامنے پڑھا۔ارشاد ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ علىٰ قَلْبِكَ (الشعراء/۱۹۳)

ترجمہ:۔ لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر۔

اللہ کیوں متکلم ہے؟:۔تکلم اور کلام کا شمار اچھے اور کمال والی صفات میں ہوتا ہے۔تکلم کی ضد گونگا پن ہے جو عیب ہے۔صفت کلام کا شمار اللہ تعالیٰ کی سات ذاتی صفات میں ہوتا ہے جن کا صدور اللہ تعالیٰ سے بالاضطرار ہوتا ہے سامری کے بچھڑے کے بارے میں مذکور ہے

"لَا يُكَلِّمُهُمْ" (الاعراف) ترجمہ:۔ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ بات چیت اچھی صفت ہے۔فرمایا

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ/۸۹)

ترجمہ:۔ بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا ان کو کسی بات کا۔

اللہ کا متکلم ہونا بہت ضروری ہے وجہ یہ ہے کہ شریعت کا مدار اللہ کی صفات پر موقوف ہے۔اگر ان صفات کا وجود تسلیم کیا جائے تو شریعت کا اثبات آسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں جن کا ثبوت شریعت پر موقوف ہے اور بعض صفات ایسی ہیں جن پر شریعت موقوف ہے۔مثلاً عالم کے لئے صانع کا وجود ضروری ہے جو واجب الوجود ہے اگر واجب الوجود نہ ہوتا تو نہ عالم کی ایجاد ہوتی نہ ابقاء۔واجب الوجود کے موجود ہونے کا مسئلہ عقلی ہے یہ شریعت پر موقوف نہیں ہے۔اسی طرح اس واجب الوجود کا متکلم ہونا ضروری ہے۔متکلم کبھی امر کرے گا کبھی نہی، پوری شریعت اوامر ونواہی سے عبارت ہے۔اگر اللہ متکلم نہ ہوتا تو شریعت کہاں سے آتی پتہ چلا کہ شریعت اللہ کے متکلم ہونے پر موقوف ہے۔اللہ کا تکلم کرنا اور اس کو وحی کے ذریعہ اپنے نبی پر نازل کرنا نصوص سے ثابت ہے اہل ایمان اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو حق مانتے ہیں۔اور اللہ کے لئے کلام کے اثبات سے مخلوق کے کلام کے ساتھ مشابہت نہیں آتی کیونکہ اللہ کا کلام اس کی شان کے مطابق بلا کیف ہے۔اور نہ یہ کسی بشر کا کلام ہوسکتا ہے۔قرآن کی فصاحت وبلاغت اس پر دال ہے کہ وہ کلام اللہ ہے۔ جو اس کو بشر کا کلام سمجھے اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔نہ تو بشر کا کلام ہے اور نہ بشر کے کلام کی طرح ہے۔قرآن کا اسلوب گواہ ہے قرآن مجید نے جس مفہوم اور معنیٰ

کے لئے جولفظ اور جملہ ذکر کیا ہے اس کی جگہ عربی زبان کا کوئی دوسرا لفظ نہیں لے سکتا۔ اسی لئے قرآن مجید نے پوری دنیا کو اس کا مثل لانے کا چیلنج دیا ہے۔

عقیدہ نمبر ۳۴:۔

قولہ: وَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ بِمَعْنیً مِنْ مَعانِی الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ فَمَنْ اَبْصَرَ هذا اِعْتَبَرَ وَعَنْ مِثْلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ اِنْزَجَرَ وَعَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ بِصِفَاتِهِ لَيْسَ كَالْبَشَرِ۔

ترجمہ:۔ جس نے اللہ کو انسانی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف کیا تو وہ کافر ہوگیا، جس نے بصیرت کی نگاہوں سے دیکھا تو اس نے عبرت حاصل کرلی اور کفار کے قول کے مثل سے رک گیا۔ اور اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں انسان کے مثل نہیں۔

شرح:۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن حقیقت میں اللہ کا کلام ہے اور اس کی ذات سے بلا کیفیت نکلا ہے تو اب اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ اللہ اپنی صفات میں بشر جیسا نہیں۔ اثبات کے بعد تشبیہ کی نفی ہے اللہ کی صفت بیان ہوئی کہ متکلم ہے، تو اب اس بات کا ذکر ہے کہ بشری صفات کی طرح اور بشر کی طرح متکلم نہیں کیونکہ اس کی طرح کوئی نہیں۔ اللہ کے لئے بشری صفات ثابت کرنا کفر ہے تعطیل اور تشبیہ سے پاک اللہ کی صفات کی مثال لبن خالص کی ہے تعطیل کے گوبر اور تشبیہ کے خون کے مابین اللہ کی صفات خالص دودھ ہیں معطلہ عدم کو پوجتے ہیں اور مشبہ صنم کو

پوجتے ہیں۔ جو بصیرت کی آنکھ سے اللہ کی صفات کا اثبات کرے اور ساتھ تشبیہ کی نفی کرے اور مشبہ کی وعید بھی جان لے تو کفار جیسے قول (یہ بشر کا کلام ہے) سے رک جائے گا۔

عقیدہ نمبر ۳۵:۔

قولہ: وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ اِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهٖ كِتَابُ رَبِّنَا وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَتَفْسِيْرُهٗ عَلٰى مَا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلِمَهٗ وَكُلُّ مَا جَاءَ فِيْ ذَالِكَ مِنَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَعْنَاهُ مَا اَرَادَ لَا نَدْخُلُ فِيْ ذَالِكَ مُتَاَوِّلِيْنَ بِاٰرَائِنَا وَلَا مُتَوَهِّمِيْنَ بِاَهْوَائِنَا فَاِنَّهٗ مَاسَلِمَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهٖ ﷺ وَرَدَّ عِلْمَ مَااشْتَبَهَ عَلَيْهِ اِلٰى عَالِمِهٖ۔

ترجمہ:۔اہل جنت کے لئے رؤیت بغیر احاطہ اور کیفیت کے حق ہے جیسا کہ ہمارے رب کی کتاب اس پر گویا ہے ''بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے'' اور آیت مذکورہ کی تفسیر اس طریقہ کے مطابق ہے جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے اور جس کو وہ جانتا ہے۔ اور ہر وہ خبر جو اس سلسلے میں صحیح حدیث میں وارد ہے وہ ویسے ہی ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا اور اللہ کے ارادے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نہیں

گھسیں گے اس میں اس حال میں کہ اپنی آراء سے تاویل کریں اور توہم
نہیں کریں گے اپنی خواہشات سے۔اس لئے کہ دین کے اندر کوئی محفوظ
نہیں مگر وہی شخص جس نے اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا
ہو اور مشتبہ بات کو اس کے جاننے والے کے سپرد کر دیتا ہو۔

شرح:۔ دنیا میں کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ ان آنکھوں میں اتنی طاقت نہیں۔اس بات میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں اللہ کو دیکھا ہے یا نہیں۔آخرت میں مؤمنین کا اللہ کو دیکھنا حق ہے اس پر مؤمنین کا اتفاق ہے معتزلہ خوارج اور جہمیہ رؤیت باری کا انکار کرتے ہیں حالانکہ رؤیت کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال سے ثابت ہے۔

مانعین رؤیت کے دلائل:۔ (۱) دیکھنے والے میں قوت بینائی کا ہونا ضروری ہے (۲) دیکھنے والے کے لئے خارجی روشنی چاہیے اور جس کی طرف دیکھتا ہے اس کا بھی روشنی میں ہونا ضروری ہے (۳) جس کو دیکھنا ہو اس کا سامنے ہونا چاہیے (۴) جس کو دیکھے وہ ایک خاص فاصلے پر ہو نہ بہت قریب ہو اور نہ بہت دور ہو۔ان تمام باتوں کا تعلق جسم اور جسمانیات سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے منزہ ہے ۔اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں کہ اللہ بے شک جسمانیات سے منزہ ہے لیکن رؤیت ممکن ہے رؤیت سے رؤیت بالبصر مراد ہے۔شرح عقائد میں ہے کہ اگر عقل کو ہر قسم کے شواغل سے مخفی چھوڑ دیا جائے تو رؤیت باری کے محال ہونے کا حکم نہیں لگائے گی

جب تک محال ہونے کی دلیل نہ ملے۔ اہل سنت کے نزدیک رویت عقلاً ونقلاً ثابت ہے۔ عقلاً اس طرح کہ اعیان واعراض کی رویت ممکن ہے ہر جسم کو دوسرے جسم سے فرق کے ساتھ دیکھتے ہیں اس طرح اعراض مثلاً مختلف رنگوں کو فرق اور امتیاز کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ جب اعیان اور اعراض دونوں دکھائی دیتے ہیں تو دونوں میں رویت کی علت مشترک ہونی چاہیے وہ علت مشترکہ یہ ہے (۱) دونوں ممکن ہیں تو امکان دونوں کے درمیان مشترک ہے (۲) دونوں میں حدوث ہے (۳) دونوں موجود ہیں وجود دونوں میں مشترک ہوا۔ امکان اور حدوث تو رویت کی علت نہیں بن سکتے اس لئے کہ امکان کا معنیٰ کسی چیز کے وجود اور عدم کا ضروری نہ ہونا ہے، نہ ہونا امر عدمی ہے، حدوث وجود بعدالعدم کو کہتے ہیں اس کے مفہوم میں عدم داخل ہے۔ جب دونوں عدمی ہوئے تو رویت کی علت نہیں بن سکتے کیونکہ علت مؤثر ہوتی ہے اور عدمی موجود نہ ہونے کی وجہ سے مؤثر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تیسری بات یعنی وجود مؤثر ہوسکتا ہے۔ وجود رویت کی علت ہے اور اللہ واجب الوجود ہے اس میں بھی یہ علت موجود ہے لہٰذا رویت ممکن ہوگی۔

سوال:۔ ٹھیک ہے کہ وجود رویت باری کی علت ہے مگر ہوسکتا ہے کہ موجود کے دکھائی دینے کے لئے کوئی شرط ایسی ہو جو ممکن کا خاصہ ہو مثلاً مرئی کا مکان میں ہونا، روشنی میں ہونا، رنگ والا ہونا۔ اگرچہ اللہ موجود ہے لیکن یہ شرائط تو موجود نہیں یا ہوسکتا ہے کہ واجب کے خواص اور صفات ایسے ہوں جو رویت سے مانع ہوں مثلاً اللہ مکان اور جہت سے پاک ہے۔

جواب:۔ شرح عقائد میں ہے کہ اسی طرح کی کوئی شرط ثابت نہیں نہ کوئی شرط ممکن ثابت ہے اور نہ واجب کی رؤیت کے لئے کوئی مانع ثابت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد رؤیت کا جواز اور امکان ہے نہ کہ تحقق رؤیت۔ سوال مذکور میں شرطیت ومانعیت تحقق رؤیت کے لئے ہے۔ صحت رؤیت اور امکان رؤیت کے لئے نہیں۔

سوال:۔ جب تحقق رؤیت کے لئے وجود شرط اور علت ہے تو آوازیں، ذائقے اور بُو وغیرہ کیوں دکھائی نہیں دیتے۔

جواب:۔ بات جواز رؤیت کی ہے نہ کہ تحقق رؤیت کی۔ رؤیت اللہ تعالیٰ کے خلق کا نتیجہ ہے۔ یہ چیزیں اس لئے دکھائی نہیں دیتیں کہ اللہ کی عادت ہے کہ ایسی چیزیں نہیں دکھلاتے۔ خرق عادت کے طور پر اللہ دکھلا سکتے ہیں۔ کسی چیز کا حلال وحرام ہونا دکھائی نہیں دیتا لیکن ممکن ہے، اللہ تعالیٰ بعض بزرگوں کو مختلف طریقوں سے بطور کرامت دکھلا دیتے تھے۔

دلیل نقلی:۔ موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیا تھا اس لئے رؤیت ممکن ہے اس لئے کہ نبی محال کا سوال نہیں کرتا اور پھر نبی جاہل بھی نہیں ہوتا۔ پھر اللہ نے رؤیت کو پہاڑ کے استقرار پر معلق کیا اور استقرار جبل فی نفسہ ممکن ہے تو ممکن پر معلق ممکن ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تعلیق کا مقصد معلق بہ کے ثبوت کے وقت معلق کے ثبوت کی خبر دینا ہے۔ حالانکہ محال ممکنہ صورتوں میں سے کسی بھی صورت پر ثابت نہیں ہوسکتا محال محال ہوتا ہے۔

سوال:۔ موسیٰ علیہ السلام کا رؤیت کا سوال قوم کی عذر معذرت کو ختم کرنے کے لئے تھا کیونکہ ان کا سوال تھا کہ اللہ ہمیں علانیہ دکھلاؤ۔

جواب:۔ یہ نص کے مخالف ہے موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کی اضافت اپنے نفس کی طرف کی ہے فرمایا ''اَرِنِیْ'' مجھے دکھلاؤ۔

دوسری دلیل:۔ وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ اِلیٰ رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (القیٰمۃ ۲۲،۲۳)

ترجمہ:۔ کتنے منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔

رؤیت کا صلہ الیٰ ہو تو پھر اس کا معنیٰ دیکھنا ہوتا ہے کہتے ہیں ''نَظَرْتُ اِلیٰ فُلَانٍ'' میں نے فلان کی طرف دیکھا۔ آیت میں بھی اِلیٰ صلہ آیا ہے آخرت میں مؤمنین اللہ کا دیدار کریں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بے شک تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے جیسے تم چودہویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ اکیس اکابر صحابہؓ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے امت کا اجماع بھی ہے رؤیت پر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنیٰ وَزِیَادَۃٌ (یونس ۲۶)

ترجمہ:۔ جنہوں نے کی بھلائی ان کے لئے ہے بھلائی اور زیادتی۔

حسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادۃ سے مراد دیدار خداوندی۔ حدیث میں ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں تو ایک منادی پکارے گا تمہارا اللہ کے ہاں ایک وعدہ ہے جس کو اللہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے کونسا وعدہ کیا اللہ نے ہمارے میزان کو بھاری نہیں کیا؟ کیا ہمارے چہروں کو گورا نہیں کیا؟ کیا ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ کیا ہمیں دوزخ سے نہیں بچایا؟ پس

حجاب اُٹھ جائے گا اور جنتی اللہ کی طرف دیکھیں گے۔ اس سے محبوب چیز اللہ نے جنتیوں کو نہیں دی۔ یہ ہے آیت والی ''زِیَادَۃٌ''۔ ارشاد ہے

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوْبُوْنَ (المطففين/ ۱۵)

ترجمہ:۔ کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اس دن روک دیے جائیں گے۔

اس آیت سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ اہل جنت اللہ کو دیکھیں گے، جب دوزخی اللہ کے غضب وغصہ کی وجہ سے اس نعمت سے محروم ہو گئے تو اللہ کے اولیاء اس کو اللہ کی رضا کی وجہ سے دیکھیں گے

سوال:۔ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام/۱۰۳) نہیں پا سکتی اس کو آنکھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رؤیت ممکن نہیں

جواب:۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت پر دلالت کرتی ہے اس کی عظمت کی وجہ سے اس کی ذات کا احاطہ ناممکن ہے۔ آیت میں اس کی ذات کے ادراک کی نفی ہے رؤیت کی نفی نہیں۔ کیونکہ ادراک کا معنیٰ ہے ''کسی شی کا احاطہ کرنا'' یہ رؤیت سے بڑھ کر ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ قَالَ كَلَّا (الشعراء/ ٦١)

ترجمہ:۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰؑ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہاں رؤیت کی نفی نہیں کی بلکہ ادراک کی نفی کی ہے کہ کہیں

ہم پکڑے نہ جائیں یوں نہیں کہا کہ فرعونیوں نے ہمیں دیکھا نہیں ۔ادراک اور رؤیت جمع بھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا بھی ہو سکتے ہیں ۔پس اللہ تعالیٰ دکھائی دے گا لیکن ادراک ممکن نہیں جیسے اس کے بارے میں قدرے جانا جا سکتا ہے لیکن احاطہ علمی میں نہیں آتا۔

دنیا میں رؤیت :۔

اس پر اتفاق ہے کہ دنیا میں اس کو کوئی ان آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا صرف حضور ﷺ کی دنیا میں رؤیت کے بارے میں اختلاف ہے ۔عند البعض یہ رؤیت ثابت ہے حضرت عائشہؓ اس کا انکار کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سر کی آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھا۔حضرت مسروقؒ نے جب کہا ''هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ ' تو فرمایا 'مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدٌ رَأَىٰ رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ ' 'جس نے آپ سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''أَنَّهُ رأىٰ ربَّهُ بعينَيْهِ '' کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو ان آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے۔علماء کہتے ہیں کہ دنیا میں رؤیت ممکن ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تھا لیکن اس پر کوئی نص وارد نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے بلکہ رؤیت کی نفی مذکور ہے حضرت ابوذرؓ کو حضور ﷺ نے جواب دیا ''نُورٌ أَنّٰى أَرَاهُ '' نور ہے اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں ۔ایک روایت میں ہے 'رَأَيتُ نوراً '' اس کا معنیٰ ہے کہ آپ ﷺ نے حجاب دیکھا۔ ''نورٌ انّىٰ اراهُ '' کا معنیٰ ہے نور جو حجاب ہے وہ رؤیت سے مانع ہے اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں ۔جبکہ نور میرے اور اس

کے مابین حجاب ہے۔

وَتَفْسِيْرُهٗ عَلٰى مَا اَرَادَ اللّٰهُ وَعَلِمَهٗ: ہم معتزلہ کی طرح اپنی رائے سے تاویلات نہیں کرتے اور خواہشات سے توہمات پیدا نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام میں تحریف ہے۔ صحیح تاویل وہ ہے جو سنت کے موافق ہو اور غلط تاویل وہ ہے جو سنت کے مخالف ہو۔ جس تاویل پر سیاق وسباق دال نہ ہو کوئی قرینہ نہ ہو تو یہ ہادی کی مراد نہیں ہوتی۔ کیونکہ متکلم اپنی مراد کو کبھی قرائن میں چھپا دیتا ہے جو ظاہر نص کے خلاف ہوتی ہے تاکہ سامع غلطی نہ کرے۔ اللہ نے اپنے کلام کو ہدایت کے لئے بھیجا ہے وہ جب کسی نص کے ظاہر کے خلاف کا ارادہ کرے اور اس کے ساتھ خلاف الظاہر معنیٰ لینے پر قرائن نہ لائے تو یہ ہدایت نہ ہوگی۔ پس صحیح تاویل متکلم کی مراد ہوتی ہے کوئی نیا معنیٰ نہیں ہوتا۔ یہاں لوگ غلطی کر جاتے ہیں اصل تو یہ ہے کہ کلام سے متکلم کی مراد کو سمجھا جائے جب کہا جاتا ہے کہ اس لفظ کا یہ معنیٰ ہے تو یہ متکلم کے مراد کی خبر دینا ہوتا ہے اب اگر خبر اس مراد کے مطابق نہ ہو تو یہ متکلم پر جھوٹ باندھنا ہے۔

متکلم کی مراد سمجھنے کے طریقے:۔

(۱) متکلم خود معنیٰ مراد کی تصریح کرے۔ (۲) متکلم کوئی ایسا لفظ لائے جس کا وضع کے لحاظ سے معنیٰ بالکل ظاہر ہو اور پھر کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ متکلم کا یہ ظاہری وضعی معنیٰ مراد نہیں تو یہی ظاہری معنیٰ مراد ہوگا۔ اور اگر اس معنیٰ

موضوع لہ مراد لینے پر قرائن بھی ہوں تو پھر تو ضرور یہ ظاہر معنیٰ مراد لینا ہوگا۔ مثلاً "وَكَلَّمَ اللهُ مُوسىٰ تَكْلِيماً"، تکلیما کو قرینہ کے طور پر تاکید اذکر کیا۔ حدیث میں ہے

إِنَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَاناً كَماَ تَرَوْنَ الشَّمْسَ فِي الظَّهِيْرَةِ لَيْسَ دُوْنَهاَ سَحاَبٌ

رؤیت باری کا ذکر ہے کہ کھلی آنکھوں سے دیکھو گے ساتھ قرینہ بھی لائے کہ جس طرح صاف آسمان میں سورج کو دیکھتے ہو۔ یہاں یقینی طور پر سامع متکلم کی مراد جان لیتا ہے۔ ایسی صورت میں متکلم کی مراد بیان کرنے میں سامع متکلم کی مراد سے خبر دینے میں صادق ہے۔ اور اگر سامع متکلم کے کلام میں بلا کسی قرینہ کے خلاف الظاہر معنیٰ کی تاویل کرے تو یہ سامع کی طرف سے متکلم پر جھوٹ باندھنا ہوگا۔ اور متکلم کے مراد کی تکذیب ہے یہی تاویل بالرائے اور تو ہم بالھویٰ ہے۔

قوله: فَإِنَّهُ مَاسَلِمَ فِيْ دِيْنِهِ إِلاَّ مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهِ وَرَدَّ عِلْمَ مَااشْتَبَهَ عَلَيهِ إِلىٰ عاَلِمِهِ۔

کتاب وسنت کی نصوص کے سامنے تسلیم وانقیاد سے کام لے شکوک وشبہات اور فاسد تاویلات سے ان پر اعتراض نہ کرے۔ مثلاً یوں کہے کہ عقل اس نقل کے خلاف ہے اور عقل نقل کے لئے اصل ہے۔ عقل کو نقل پر مقدم نہ سمجھے عقل اور نقل کا کوئی تعارض نہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں انسان میں سب سے پہلا حاکم عقل ہے اور انسان اس کی رعایا سے ہے عقل کی ہر بات تسلیم کرتا ہے۔ اس کے بعد انسان

کو اللہ نے ایک اور حاکم دیا جس کو وحی اور نقل کہتے ہیں۔اب اگر اس دوسرے حاکم کا حکم پہلے حاکم کے خلاف ہو تو انسان کے لئے جینا مشکل ہو جائے گا۔دونوں حاکموں کے احکامات میں تضاد نہیں۔مثلاً عقل کہے کہ دو دونی چار اور نقل کہے کہ دو دونی پانچ ،تو انسان کے لئے مشکل ہو جائے گا کس کی بات تسلیم کرے۔شریعت کی باتیں خلاف عقل نہیں ہوتی بلکہ فوق العقل ہوتی ہیں کبھی انسان کی عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ایسا نہیں ہوتا کہ وہ خلاف عقل ہیں۔لیکن شرط یہ ہے کہ نقل صحیح ہو۔اس لئے نقل صحیح کے لئے عقل ہمیشہ تابعدار رہے گی۔نقل صحیح پر عقل کو مقدم سمجھنا غلط ہے۔اس لئے عقل کا کام یہ ہے کہ نقل صحیح کو تسلیم کرے۔غلط تاویل نہ کرے۔

انسان کو چاہیے کہ رسول کے سامنے منقاد ہو کر اس کی خبر کو قبول کرے اور اس کی تصدیق کرے، باطل خیال کے ساتھ خبر الرسول کا معارضہ نہ کرے۔پھر خیال باطل کا نام معقول رکھ دے۔

عقیدہ نمبر ۳۶:۔

قولہ: وَلَا تَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ اِلَّا عَلٰی ظَهْرِ التَّسْلِيْمِ وَالْاِسْتِسْلَامِ فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُجِزَ عَنْهُ عِلْمُهٗ وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيْمِ فَهْمُهٗ حَجَبَهٗ مَرَامُهٗ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيْدِ وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ وَصَحِيْحِ الْاِيْمَانِ فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ وَالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ وَالْاِقْرَارِ وَالْاِنْكَارِ مُوَسْوِسًا تَائِهًا شَاكًّا زَائِغًا لَا مُؤْمِنًا مُصَدِّقًا وَلَا جَاحِدًا مُكَذِّبًا۔

ترجمہ:۔اور اسلام کا قدم ثابت نہ رہ سکے گا مگر تسلیم اور استسلام کی پشت پر، جس نے طلب کیا اس چیز کا علم جس سے اس کا علم روک دیا گیا ہے اور اس کے فہم نے تسلیم پر قناعت نہ کی تو اس کا یہ قصد اور مقصد اس کو خالص توحید شفاف معرفت اور صحیح ایمان سے محروم کردے گا۔تو ایسا آدمی کفر اور ایمان تصدیق اور تکذیب اور اقرار اور انکار کے مابین متذبذب ہوجائے گا۔ اس حال میں کہ وسوسہ کرنے والا متکبر و مغرور، شک کرنے والا کج رو بن جائے گا نہ تصدیق کرنے والا مؤمن ہوگا اور نہ تکذیب کرنے والا منکر ہوگا۔

شرح:۔ اسلام کے لئے قدم کا اثبات استعارہ ہے کیونکہ حسی قدم جمانے کے لئے ضرور کوئی جگہ ہونی چاہیے، اسلام پر ثابت قدمی کے لئے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث کو تسلیم کرلے۔اور کوئی اعتراض نہ کرے، اور اپنی رائے، عقل اور قیاس سے قرآن وحدیث کا معارضہ نہ کرے۔کیونکہ اسلامی عقائد واحکام اگرچہ خلاف عقل نہیں لیکن عقلی دائرہ سے اتنے بلند وبالا ہیں کہ ہر ایک کی عقل کی رسائی وہاں تک بہت مشکل ہے۔وحی کے لامحدود دائرہ کی چیز عقل کے محدود دائرہ میں معلوم نہیں کرسکتے محدود عقل والا لامحدود وحی پر اعتراض کرے یا رائے پیش کرے تو یہ سورج کو چراغ دکھانا ہے، یا ایسا ہے کہ ایک گنوار لقمان حکیم کو عقل سکھائے، کیا پدی کیا پدی کا شوربہ ہوگا۔محمد ابن الشہاب زہریؒ فرماتے ہیں رسالت اللہ کی طرف سے ہے اور رسول کا کام ابلاغ (پہنچانا) ہے اور ہمارا کام بسروچشم اور دل وجان سے قبول کرنا۔یہ بڑا

جامع اور نافع کلام ہے۔ کسی نے عقل ونقل کی کیا خوب مثال بیان کی ہے عقل کی مثال عامی مقلد کی ہے اور نقل کی مثال عالم مجتہد کی بلکہ اس سے بھی کم، عامی مقلد مجتہد کی صرف تقلید کرتا ہے دلیل کو سمجھتا نہیں مجتہد پر مکمل اعتماد ہوتا ہے۔ عامی مقلد میں تو احتمال ہے کہ علم حاصل کر کے مجتہد بن جائے لیکن نبی اور رسول بننا محال ہے۔ عامی مجتہد بن کر دوسرے مجتہد کی تقلید چھوڑ دے گا لیکن نبی اور رسول تو کوئی بھی نہیں بن سکتا۔ تو رسول اور نبی کی اتباع، تقلید اور انقیاد کسی صورت میں چھوڑنا صحیح نہیں۔ ہاں اگر عیاذاً باللہ کافر بن جائے تو نبی کے اقوال کے سامنے اپنی عقل اور رائے پیش کرے تو یہ الگ بات ہے۔ جب عقل نے یہ بات تسلیم کر لی کہ رسول اپنی خبر میں سچا ہے اور نبی غلطی نہیں کرتا تو اب عقل پر واجب ہے کہ اس نبی اور رسول کی ہر بات کو تسلیم کرے نبی پر مکمل اعتماد کرے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں 'وَلٰكِنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَوْثَقُ عِنْدَنَا مِنْ عُقُوْلِنَا'' یعنی نبی ﷺ کی ذات ہمارے لیے ہمارے عقلوں سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہے۔

مثال:۔ حضور ﷺ کی مثال بینا کی ہے اور پوری امت نابینا ہے اندھے کا کام ہے کہ کسی بینا کو اپنا رہبر بنائے اور اس کی ہر بات کو تسلیم کرے۔ اندھا بینا کی ہر بات کو تسلیم کرتا ہے اگر بینا کسی راستے پر اندھے کو ساتھ لے کر جا رہا ہے اور اندھے سے کہے کہ ذرا قدم اُٹھا کر رکھنا، یا آرام سے رکھنا کیونکہ آگے ایک چھوٹا سا کھڈا ہے اندھے کی نجات اور سلامتی اب اس بات میں ہے کہ بینا کی ہدایات کے مطابق قدم اُٹھائے۔ اگر اندھا بینا سے کہے کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں میری عقل یہ بات نہیں مانتی

کہ ہمارے راستے میں کھڈا ہے اول مجھے دلیل کے ساتھ سمجھاؤ پھر میں آپکے کہنے کے مطابق قدم اٹھاؤں گا یہ آنکھوں والا اس اندھے کو کیسے دلیل سمجھائے گا۔ نبی امتی کو سمجھا سکتا ہے لیکن امتی کی عقل میں اتنی استعداد کہاں ہے۔ جس طرح ایم، ایس، سی میں ریاضی اور میتھس پڑھانے والا پرفیسر پانچویں جماعت کے ایک طالب علم کو ایم ، ایس، سی لیول کا سوال نہیں سمجھا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ پانچویں جماعت کے طالب علم کی استعداد اتنی کمزور ہے کہ ایم، ایس، سی لیول کے سوال کو بالکل نہیں سمجھ سکتا۔ بینا کو ایسے وقت میں چاہئے کہ اس اندھے کو دھکا دے کر اس گڑھے میں گرا دے اور پھر کہے کہ دلیل سمجھ میں آ گئی۔ تو نبی اور رسول کی سب باتوں کا سچا ادراک مرنے کے بعد ہوگا۔ لیکن پھر ماننا بے کار ہے۔ اس کو کہتے ہیں اندھی تقلید۔ دنیا میں اندھی تقلید صرف نبی کی جائز ہے بشرطیکہ نبی کے اقوال صحیح سند کے ساتھ مقلد اور متبع تک پہنچے ہوں۔ پھر وہ اقوال اور تعلیمات ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں ۔ باطل مذاہب والے بڑے بڑے سائنسدان، ڈاکٹرز اور انجینیر ز اپنے اپنے مذاہب پر کاربند ہیں اپنی عقل کو استعمال نہیں کرتے ۔ حالانکہ وہ لوگ عقل کے لحاظ سے بہت آگے ہیں لیکن جب مذہب کی بات آتی ہے تو وہ اپنی عقل کو چھٹی دے دیتے ہیں

مثال:۔ طبیب جب مریض کا علاج کرتا ہے تو مریض کی سمجھ میں نہیں آتا کہ طبیب کس طرح میرا علاج کر رہا ہے مریض صرف طبیب پر اعتماد کرتا ہے۔ دوا کڑوی ہو یا میٹھی، ٹیکہ لگوانا ہو یا آپریشن کروانا ہو ڈاکٹر کی ہر بات کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہے تب کہیں جا کر مریض کو شفا ملتی ہے۔

قوله فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَاحُظِرَ ...... پہلے کلام کی تاکید ہے اور ڈرایا جارہا ہے کہ اصول دین میں زیادہ قیل وقال سے پرہیز کرو تاکہ عمل آسان ہو جائے۔ جو آدمی بغیر علم کے اور پھر وہ بھی قیاس اور عقل سے دین کے خلاف کوئی رائے قائم کرے گا تو خالص توحید، شفاف معرفت اور صحیح ایمان سے محروم رہے گا، اپنے فہم کو لگام دینا ضروری ہے ارشاد ہے

وَلاَ تَقْفُ ماَ لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (الاسراء/۳۶)

ترجمہ:۔اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو۔

ارشاد ہے۔وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجاَدِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَرِيْدٍ(الحج/۳)

ترجمہ:۔اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے خبری سے اور پیروی کرتے ہیں ہر شیطان سرکش کی۔

ارشاد ہے

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَنِ اتَّبَعَ هَوٰاهُ بِغَيْرِ هُدىً مِنَ اللّٰهِ(القصص/۵۰)

ترجمہ:۔اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بدون راہ بتلائے اللہ کے۔

ارشاد ہے۔

اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّاالظَّنَّ وَماَتَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جاَءَ هُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدىٰ(النجم/۲۳)

ترجمہ:۔ محض اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیون کی امنگ ہے۔ اور پہنچی ہے ان کو ان کے رب سے راہ کی سوجھ۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَا ضَلَّ قَومٌ بَعدَ هُدیً کَانُوا عَلَیهِ اِلاَّ اُوتُو الجَدَلِ ۔

ہدایت ملنے کے بعد جدال والی قوم گمراہ بن جاتی ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

مَاضَرَبُوهُ لَکَ اِلاَّ جَدَلاً (الزخرف/۵۸)

ترجمہ:۔ یہ مثال جو ڈالتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ اَبغَضَ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰهِ الاَلَدُّ الخَصِمُ ۔

اللہ کے نزدیک مبغوض ترین انسان وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

جو رسول کی بات کو نہ مانے اس کی توحید کو نقصان پہنچے گا۔ پھر رائے اور خواہش کے مطابق بات کرے گا یا پھر کسی ایسے شخص کی تقلید کرے گا جو خود اللہ کی طرف سے ہدایت پر نہ ہو۔ اس نے گویا اپنے لئے دوسرا اللہ بنا لیا۔ ارشاد ہے۔

اَفَرَأَیتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (الجاثیة/ ۲۳)

ترجمہ:۔ بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو۔

یعنی اپنی خواہشات کی عبادت شروع کر دے گا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں فساد تین فرقوں کی طرف سے ہے۔

وھل افسد الدینَ الا الملوک
واحبار سوءٍ و رھبانا

دین کو ظالم بادشاہوں، علماء سوء اور جاہل صوفیاء ورہبان نے فاسد کر دیا ہے

ان تینوں میں مابہ الاشتراک علت فساد عقل پرستی اور خواہش پرستی ہے۔ ظالم بادشاہوں نے کہا جب سیاست اور شریعت میں تعارض ہوتو ہم سیاست کو مقدم سمجھیں گے۔ (اب بھی ایسا ہی ہورہا ہے) علماء سوء نے کہا کہ جب عقل اور نقل کا تعارض ہوتو عقل کو مقدم سمجھیں گے۔ اصحاب ذوق نے کہا کہ جب ذوق وکشف اور ظاہر شریعت کا تعارض ہوتو ہم ترجیح ذوق اور کشف کو دیں گے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''ھَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ'' یعنی زیادہ گہرائی میں گھس کر خوب کھوج لگانے والے اور کرید کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ علم الکلام میں زیادہ تعمق خاص کر ایسے لوگوں کے لئے جو علم وفضل کے لحاظ سے ناقص ہوں اس کو علماء نے ناپسند کیا ہے۔ بڑے بڑے علماء کے اقوال کے مطابق علم الکلام بعض اوقات حیرانی و پریشانی اور تذبذب کا باعث بن جاتا ہے۔ جو لوگ کتاب وسنت سے مذموم علم الکلام کی طرف عدول کرتے ہیں تردد کا شکار بن جاتے ہیں۔ تعارض کے وقت نص میں ایسی تاویلات کرتے ہیں جو ان کو حیرانی، گمراہی اور پریشانی کی طرف لے جاتی ہے۔ ابن رشدؒ جو فلاسفہ کے مذاہب کو خوب جانتے ہیں فرماتے ہیں کون ہے جس نے الٰہیات میں کوئی معتد بہ بات کہی ہو۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں میں نے علم الکلام اور علم الفلسفہ کے تمام طرق اور مذاہب میں خوب غور کیا تو میں نے ان کو ایسا نہ پایا کہ بیمار کو شفایاب کر دے اور

پیاسے کی پیاس بجھائے میں نے قرآن کریم کے راستے کو سب سے قریب پایا ،اثبات کے لئے پڑھو" الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى "(طٰہٰ/۵)" اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ " (فاطر/۱۰) اورنفی کے لئے پڑھو" لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ "(شوریٰ/۱۱)" وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا "(طٰہٰ/۱۱۰) پھر فرمایا وَمَنْ جَرَّبَ مِثْلَ تَجْرِبَتِيْ عَرَفَ مِثْلَ مَعْرِفَتِيْ" جو میری طرح تجربہ کرے گا میری طرح معرفت حاصل کرے گا۔عبدالکریم الشرستانی فرماتے ہیں کہ میں نے فلاسفہ اور متکلمین کے پاس سوائے حیرت اور ندامت کے کچھ نہ پایا۔امام ابوالمعالی الجوینیؒ فرماتے ہیں اے لوگو!علم کلام سے شغل نہ رکھو۔موت کے وقت فرمایا تحقیق میں نے گہرے اور بڑے سمندر میں غوطہ زنی کی، اہل اسلام اور ان کے علوم کو پیچھے چھوڑ دیا، جس سے مجھے منع کیا تھا اس میں داخل ہوا، اب اگر اللہ اپنی رحمت کے لپیٹ میں نہ لے تو ابن الجوینی تباہ ہو جائے گا۔اور کہا کہ سن لو میں اپنی ماں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں یا نیشاپور کی بڑھیا عورتوں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں ۔مطلب یہ تھا کہ دین سیدھے سادھے عقائد ہیں ان پر مر رہا ہوں ۔خونجی نے موت کے وقت کہا کہ میں نے جو حاصل کیا اس میں صرف یہ بات معلوم کی کہ ممکن مرجح کا محتاج ہے، پھر افتقار (احتیاج) وصف سلبی ہے؟ میں مر رہا ہوں اور کچھ نہیں جانتا۔ایک کا کہنا ہے بستر پر لیٹتا ہوں ،لحاف اپنے چہرے کے اوپر ڈال لیتا ہوں ، ہر طرف کے دلائل و براہین کا مقابلہ کرتا ہوں ،صبح ہو جاتی ہے اور میرے نزدیک کسی کو ترجیح نہیں ملتی ۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کو چھڑیوں اور جوتوں

سے مارا جائے اوران کو لوگوں کے سامنے خوب پھرایا جائے اور پھر کہا جائے کہ یہ اس شخص کی جزا ہے جو کتاب وسنت کو چھوڑ کر صرف علم کلام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

عقیدہ نمبر ۳۷:۔

قولہ: وَلَا يَصِحُّ الْإِيْمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لِمَنْ اِعْتَبَرَهَا مِنْهُمْ بِوَهْمٍ أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ إِذَا كَانَ تَأْوِيْلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيْلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ إِلَى الرُّبُوْبِيَّةِ لَا يَصِحُّ فَلَا يَصِحُّ الْإِيْمَانُ إِلَّا بِتَرْكِ التَّأْوِيْلِ وَلُزُوْمِ التَّسْلِيْمِ وَعَلَيْهِ دِيْنُ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيْهَ ذَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيْهَ۔

ترجمہ:۔ اور اہل جنت کے لئے رؤیت پر ایمان صحیح نہیں اس شخص کا جو رؤیت کا اعتبار فہم سے کرے یا فہم سے اس کی تأویل کرے جب کہ رؤیت کی تأویل کی ہو۔اور ہر اس صفت کی تأویل صحیح نہیں جو ربوبیت کی طرف منسوب ہو۔تو رؤیت پر ایمان صحیح نہیں مگر تأویل چھوڑنے سے اور تسلیم کو لازم پکڑنے سے اور یہی مسلمانوں کا دین ہے۔اور جو نفی اور تشبیہ سے نہ بچے وہ پھسل گیا اور تنزیہ تک نہ پہنچ سکا۔

شرح:۔ جب رؤیت باری قرآن وحدیث سے ثابت ہوگئی اب اس کا انکار یا تشبیہ کے ساتھ ماننا صحیح نہیں۔یعنی ایسی رؤیت ماننا جو مخلوق میں ہوتی ہے یہ تشبیہ

ہے۔رؤیت نہ ماننا تعطیل ہے۔الحاصل تشبیہ اور تعطیل سے بچ کر رؤیت کا اقرار کرنا پڑے گا۔معتزلہ کا رد ہو گیا جو رؤیت کا انکار کرتے ہیں اور ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو رؤیت کو تشبیہ کے ساتھ مانتے ہیں

سوال:۔ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَاتَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ ۔اس حدیث میں کما میں کاف تشبیہ مذکور ہے تو تشبیہ کے ساتھ رؤیت ثابت ہوگی۔

جواب:۔ تشبیہ رؤیت میں ہے مرئی (دکھائی دینے والے) میں نہیں ۔اس حدیث میں رؤیت کا تحقق اور اثبات ہے کہ رؤیت ثابت اور ممکن ہے جس طرح چودہویں چاند کا دیکھنا ممکن ہے اس طرح اللہ کو دیکھنا ممکن ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ چودہویں کے چاند کی طرح ہیں۔

قوله: لِمَنْ اِعْتَبَرَهَابِوَهْمٍ :۔ دل و دماغ میں بطور تخیل کوئی خیال اور وہم لائے کہ اللہ ایسا ہوگا، ایسا دکھائی دے گا تو اس طرح سوچنے اور توہم کے ساتھ ممکن ہے اللہ کے لئے کوئی وصف ثابت کردے تو مشبہ سے بن جائے گا۔تو ایسے توہمات کا دور کرنا واجب ہے۔اسی تشبیہ اور نفی کے غلط ہونے کی طرف مصنف نے اس عقیدہ کے آخر میں اشارہ کیا ہے ”وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيْهَ“ کے ساتھ۔معتزلہ کا خیال ہے کہ نفی (تعطیل) کے ساتھ اللہ کے لئے تنزیہ ثابت کر رہے ہیں کیا صفات کمال کی نفی کے ساتھ تنزیہ ثابت ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔رؤیت کی نفی تو صفت کمال نہیں کیونکہ معدوم نظر نہیں آتا۔کمال تو اثبات رؤیت میں ہے۔اور اس بات کی نفی کرنا کہ اللہ کا ادراک کہ وہ محاط بن جائے منع ہے۔مثلاً علم ہے علم کی نفی کرنا

کمال نہیں کمال تو اس کے لئے اثبات علم میں ہے۔ اور اس میں کمال ہے کہ وہ احاطہ علمی میں نہیں آتا۔ تو جس طرح اللہ علماً محاط نہیں اسی طرح رؤیۃً محاط نہیں۔

اَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ : شیخ کی مراد ہر تاویل کی تردید نہیں بلکہ تاویلات فاسدہ مبتدعہ کی تردید ہے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے مذاہب کے خلاف ہو کیونکہ ایسی غلط تاویلات اصل میں تحریف ہیں تاویل کا معنیٰ ہے صَرْفُ اللَّفْظِ عَنْ ظَاهِرِهٖ " یعنی لفظ کو اس کے ظاہر سے پھیرنا۔

کتاب وسنت میں تاویل کا معنیٰ:۔

هُوَ الْحَقِيقَةُ الَّتِيْ يَؤُوْلُ اِلَيْهَا الْكَلَامُ جس حقیقت کی طرف کلام کا معنی لوٹایا جائے، خبر کی تاویل کا معنیٰ ہوگا عین مخبر بہ جس کی خبر دی گئی ہے۔ تاویل الامر کا معنیٰ ہوگا نفس مامور بہ فعل۔ کبھی رؤیا (خواب) کی تاویل ہوتی ہے مثلاً " هٰذَا تَأْوِيْلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ " کبھی عمل کی تاویل ہوتی ہے مثلاً " ذَالِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا " یعنی حضر علیہ السلام کے عمل کی تاویل۔ ایسی تاویلات کا انکار صحیح نہیں۔ بعض اخبار کی حقیقی تاویل کسی کو معلوم نہیں ہوتی وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن تاویل کی نفی سے لازم نہیں آتا کہ اس سے مقصود معنیٰ کی بھی نفی ہو ہر آیت میں اللہ نے تدبر کا حکم دیا ہے تو ضرور اس سے کوئی مقصد ہوگا یہ الگ بات ہے کہ اس کی حقیقی تاویل کسی کو معلوم نہ ہو۔

مفسرین کے نزدیک تاویل:۔

کلام کی تفسیر اور معنیٰ بیان کرنا، برابر ہے کہ یہ بیان تفسیر ظاہر کے موافق ہو یا مخالف۔ان کے نزدیک تاُ ویل تفسیر کی طرح ہے۔

نفی اور تشبیہ:۔

یہ دونوں قلبی امراض ہیں قلبی امراض کی دو قسمیں ہیں مرض شبہہ اور مرض شہوۃ دونوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔﴿فَلاَ تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِه مَرَض﴾ یہ مرض شہوت ہے''فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللهُ مَرَضاً'' یہ مرض شبہہ ہے۔یہ شہوت کے مرض سے زیادہ خطرناک ہے۔مرض شہوت میں شفا کی امید ہوتی ہے اگر شہوت پوری ہو جائے لیکن مرض شبہہ میں شفاء سوا اللہ کے فضل اور رحمت کے ممکن نہیں۔شبہہ کی بیماری نفی اور تشبیہ کے ساتھ ہے شبہ ءنفی زیادہ خطرناک ہے شبہ ءتشبیہ سے۔کیونکہ شبہ نفی سے حضور ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی تردید اور تکذیب لازم آتی ہے اور شبہ ءتشبیہ سے حضور ﷺ کی لائی ہوئی باتوں میں حد سے تجاوز لازم آتا ہے۔اور اللہ کی تشبیہ مخلوق کے ساتھ کفر ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے ''لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔اور نفی صفات بھی کفر ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے''وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

تشبیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) خالق کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا ایسے لوگوں کی اہل کلام نے خوب تردید کی ہے۔لیکن ایسے لوگ کم ہیں۔

(۲) مخلوق کی خالق کے ساتھ تشبیہ دینا۔ایسے لوگ بہت ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام، سورج، چاند، بت، ملائکہ

آگ، پانی، بچھڑا، قبور اور جنات کی عبادت کی ہے۔ غیر اللہ جو مخلوق ہے ان کو معبود بنانا تشبیہ ہے معبود باطل کی مخلوق کے معبود حقیقی کے ساتھ۔ ان تمام لوگوں کو انبیاء کرام نے ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی ہے اور پہلی قسم کے ساتھ اہل الکلام مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔

فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلاَ مَوْصُوْفٌ بِصِفاَ تِ الْوَحْدَانِيَّةِ مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ۔

بے شک ہمارا رب وحدانیت کی صفات کے ساتھ موصوف ہے اور منفرد صفات کے ساتھ منعوت ہے اور مخلوق میں اس جیسا کوئی نہیں۔

یہ عبارت اسی عقیدہ کا ٹکڑا ہے یہ عبارت سورۃ الاخلاص کا حاصل ہے مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ ماخوذ ہے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" سے، اور مَنْعُوْتٌ بِصِفَاتِ الْفَرْدَانِيَّةِ ماخوذ ہے "اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ" سے اور لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ ماخوذ ہے "وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا أَحَدٌ" سے۔ یہ اثبات الصفات اور نفی تشبیہ کے لئے تاکید ہے۔ وصف اور نعت عند البعض مترادف ہیں، بعض کے نزدیک قریب المعنیٰ ہیں۔ وصف ذات کے لئے ہے اور نعت فعل کے لئے۔ اسی طرح وحدانیت اور فردانیت، مترادف یا قریب المعنیٰ ہے۔ مُتَوَحِّدٌ فِي الذَّاتِ اور مُتَفَرِّدٌ فِي الصِّفَاتِ ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ ذات اور صفات کے لحاظ سے منفرد اور یکتا ہے۔

عقیدہ نمبر ۳۸:۔

قولہ: وَتَعَالٰی عَنِ الْحُدُوْدِ وَالْغَایَاتِ وَالْاَرْکَانِ وَالْاَعْضَاءِ وَالْاَدَوَاتِ لَا تَحْوِیْهِ الْجِهَاتُ السِّتُّ کَسَائِرِ الْمُبْتَدِعَاتِ،

ترجمہ: اور وہ بلند اور بالاتر ہے حدود، نہایتوں، ارکان اور اعضاء سے مخلوق کی طرح اس کو شش جہات نے گھیرا ہوا نہیں۔

شرح:۔ اللہ ذات اور صفات کے لحاظ سے بے مثال اور باکمال ہے اس کی ذات اور صفات کے علاوہ ہر چیز مخلوق اور اس کی طرف محتاج ہے مخلوق میں سے کوئی چیز اس کی حد بندی اور احاطہ نہیں کر سکتی، نہ اس کی حد بندی اور احاطہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ حد ہے اور نہ غایہ اور انتہاء۔ جس طرح مخلوق کے لئے یہ سب کچھ ثابت ہیں۔ ذات وصفات کے لحاظ سے لامحدود بلا کیف ہے ذات کا محدود چیزوں سے اندازہ لگانا محال ہے۔ حدود، انتہاء، اعضاء وارکان کے ساتھ تو چیزوں کے مابین امتیاز ہوتا ہے۔ اور امتیاز سے قبل اشتراک ہے اللہ کا تو نہ کوئی شریک ہے نہ اس کا مثیل ہے، نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے وہ تو ہر لحاظ سے منفرد ہے لہٰذا اس کے لئے نہ حد بندی کی ضرورت ہے نہ انتہاء کی نہ اعضاء وارکان کی۔ بالفرض اگر یہ چیزیں اس کی ذات کے ساتھ لگ جائیں تو جسمیت اور ترکیب ثابت ہو جائے گی حالانکہ وہ جسم اور ترکیب سے پاک ہے۔ شش جہات اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ وہ تو خالق جہات ہے جہات کی تخلیق سے قبل وہ بلا جہات موجود تھا، وہ تو لَا یُحَدُّ وَلَا یُتَصَوَّرُ ہے۔ ہاں

قرآن میں اللہ کے لئے ید، وجہ، اور نفس کا اثبات ہے۔ يَدُ اللّٰهِ مَبْسُوطَتَانِ (المائدہ/۶۴) (۲) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص/۸۸) (۳) وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ (آل عمران/ ۲۸) الفقہ الاکبر میں ہے

فَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تعالىٰ فِي الْقُرْاٰنِ مِن ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ اَوْنِعْمَتُهُ لِانّ فِيْهِ اِبْطَالُ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْقَدَرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ ۔

یہ اللہ کے لئے صفاتِ متشابہات ہیں ان صفات کا ماننا ضروری ہے ید سے مراد قدرت اور نعمت لینا فی الجملہ صفات کا ابطال ہے۔ کیونکہ اللہ نے ید کا ذکر کیا ہے اور اس کی جگہ قدرت اور نعمت کا ذکر نہیں کیا۔ اس طرح یہ بھی غلط ہے کہ اللہ کے لئے ید وجہ اور نفس کی وجہ سے اعضاء اور جوارح ثابت کئے جائیں۔ شرعاً جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کو نفیاً اور اثباتاً اسی طرح بغیر تاویل اور ردوبدل کے استعمال کرنا چاہیئے لفظ جہت سے کبھی موجود ارادہ کیا جاتا ہے کبھی معدوم۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ موجود صرف خالق اور مخلوق ہے اگر جہت سے اللہ کے علاوہ اور موجود لیا جائے تو جہت مخلوق ہے اور مخلوق میں سے کوئی شي اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر جہت سے امر عدمی مراد لیا جائے تو وہ پھر فوق العالم کو کہتے ہیں اس اعتبار سے اللہ پر جہت کا اطلاق صحیح ہے۔ اور معنیٰ ہوگا وہ فوق العالم ہے اور سب سے فوق اور عالی ہے۔ لیکن جہت امر اعتباری ہے جس طرح عدد اور گنتی امر اعتباری ہے معدود (جو حقیقت اور گنتی کے

لیے منشأ ہے) ہوگا تو عدد اور گنتی ہوگی ،معدود نہیں ہوگا تو گنتی کس چیز کی ہوگی۔ جہات کا وجود بھی کسی شي کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ ہرشي کے جہات ستہ ہوتے ہیں جہاں کوئی چیز موجود نہ ہو وہ جہات کیسے بیان کی جائیں گی۔اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ہرشي پر محیط ہے اور ہر چیز سے عالی ہے

عقیدہ نمبر ۳۹:۔

قولہ: وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ وَقَدْ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ وَعُرِجَ بِشَخْصِهٖ فِي الْيَقْظَةِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ إِلٰى حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الْعُلٰى وَاَكْرَمَهُ اللّٰهُ بِمَا شَاءَ وَاَوْحٰى إِلَيْهِ مَا اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَأٰى فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ وَالْاُوْلٰى۔

ترجمہ:۔اور معراج حق ہے اور حضور ﷺ کو اسراء کرائی گئی اور آپ ﷺ کو روح مع الجسد کے ساتھ بیداری کی حالت میں آسمان پرلیجایا گیا۔ پھر بلندیوں میں سے جہاں تک اللہ نے چاہا آپ کو لے گئے اور جو چاہا وہ اکرام کیا آپ ﷺ کا اللہ نے۔اور اپنے بندے کی جانب جو وحی کرنا تھی وہ کی اور جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا۔ پس اس پر دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمتیں ہوں۔

شرح:۔ معراج عروج سے مفعال ہے وہ آلہ جس کے ذریعہ اوپر چڑھا جائے یہ سیڑھی کی طرح ہے ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔تمام مغیبات کی طرح اس پر ہمارا

ایمان ہے۔ اسراء کا معنیٰ رات کے وقت لے جانا، حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ میں ام ہانیؓ کے گھر سے بیت المقدس لے جایا گیا۔ بیت المقدس میں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کرائی۔ وہاں سے پھر آسمانوں پر اٹھائے گئے جس کو معراج کہتے ہیں۔ یہ اسراء اور معراج بیداری کی حالت میں روح مع الجسد کے ساتھ ہوا۔ یہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

واقعہ اسراء:۔

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آپ ﷺ کو براق پر سوار کر کے حضرت جبرئیلؑ کے ہمراہ لے جایا گیا۔ براق کو مسجد کے دروازے کے ساتھ باندھ کر آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کی۔ پھر اسی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کے لئے دروازہ کھولنے کے لئے کہا دونوں کے لئے دروازہ کھل گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں حضرت آدمؑ کو دیکھا اُن کو سلام کیا حضرت آدمؑ نے سلام کا جواب دے کر خوش آمدید کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ ﷺ نے حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کی انہیں سلام کیا دونوں نے جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی اُن کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا اور مرحبا کہا۔ پھر آپ ﷺ کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کی اور

ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا قرار کیا۔ پھر آپ ﷺ کو پانچویں آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ ﷺ نے ہارون بن عمران علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان کو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی سلام کیا انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر وہاں سے آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کی، سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا وہاں سے بیت المعمور کی طرف۔ پھر اللہ جل شانہ کی طرف اُٹھائے گئے اور اللہ کے قریب ہوئے جیسے تیر اور کمان۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی وہ کر دی اور پچاس نمازیں فرض کر دیں۔ وہاں سے جب واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی، پوچھا کیا حکم ملا آپ ﷺ نے کہا کہ پچاس نمازوں کی فرضیت کا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی اُمت میں اس کی طاقت نہیں۔ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اپنی اُمت کے لئے کمی اور تخفیف کا سوال کریں۔ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ مشورہ کے لئے التفات فرمایا حضرت جبرئیلؑ نے کہا تخفیف صحیح ہے پھر آپ ﷺ اللہ جل شانہ کی طرف تشریف لے گئے اور دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور اس کی خبر دی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا دوبارہ

جائیں اور مزید تخفیف کا مطالبہ کریں۔ آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ اطلاع دی اسی طرح بار بار آنا جانا ہوا یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس دفعہ بھی فرمایا کہ پھر جائیں اور تخفیف کرائیں آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے رب سے حیاء آتی ہے اور میں ان پانچ نمازوں پر راضی ہوں اور انہیں تسلیم کرتا ہوں۔

اسراء کی دلیل:۔

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصٰی (بنی اسرائیل ۱/)

ترجمہ:۔ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

عبد روح مع الجسد کو کہتے ہیں جیسے انسان روح مع الجسد کو کہتے ہیں۔

اسراء اور معراج ممکن ہے:۔

اب تو لوگ روح مع الجسد چاند تک پہنچ گئے ہیں یعنی عام آدمیوں کا اوپر چڑھنا ممکن ہے تو خاص بندہ معجزہ کے ذریعہ کیسے آسمانوں کی سیر نہیں کر سکتا۔ اگر آسمانوں کی یہ سیر ناممکن ہے تو فرشتے کیسے آسمانوں کی طرف آتے جاتے ہیں۔ پیغامات لاتے ہیں۔ اگر فرشتوں کے لئے بھی ممکن نہیں تو نبوت ورسالت کیسے ثابت ہوگی کیونکہ فرشتہ نبی کی طرف آسمانوں سے وحی لاتا ہے۔ بات انکار نبوت کی طرف چلی جائے

گی۔ اسراء اور معراج اگر ایک طرف دعویٰ رسالت کا معجزہ اور دلیل ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علو کا اثبات بھی ہے۔

عقیدہ نمبر ۴۰:۔

قولہ: وَالْحَوْضُ الَّذِیْ اَکْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ غِيَاثًا لِّاُمَّتِهٖ حَقٌّ۔

ترجمہ:۔ اور وہ حوض حق ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کی سیرابی کے لئے آپ ﷺ کا اعزاز و اکرام فرمایا۔

شرح:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر/۱) ”بے شک ہم نے دی تجھ کو کوثر“ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر بہت انعامات کئے ہیں قیامت کے دن امت کی سیرابی کے لئے ایک انعام یہ ہے کہ آپ ﷺ کو حوض کوثر عطا کیا گیا ہے جنت میں ایک نہر ہے کوثر اس کی ایک شاخ ہے۔ اس کے بارے میں احادیث حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔ تیس سے زائد صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت انسؓ کی روایت ہے فرمایا میرے حوض کی مقدار ایلہ سے لیکر صنعاء یمن تک ہے اور اس کے آبخوروں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہے۔ ارشاد ہے حوض کوثر کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے اس میں بہت خیر ہے میری امت قیامت کے دن حوض کوثر پر آئیں گی۔ فرمایا انا فَرَطُكُمْ علی الْحَوْضِ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا یعنی سب سے پہلے میں پہنچوں گا۔

اوصاف حوض:۔

یہ ایک بڑا حوض اور معزز گھاٹ ہے جنت کی شراب کی نہر ہے، دودھ سے زیادہ سفید ہے برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے شہد سے زیادہ میٹھی ہے مشک وعنبر سے زیادہ خوشبو دار ہے، انتہائی وسیع ہے ۔اس کا طول اور عرض برابر ہے اس کا ہر زاویہ مہینے کی مسافت کے برابر ہے۔جو ایک بار پیئے گا اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی ۔لوگ اپنی قبروں سے پیاسے نکلیں گے۔میزان اور پل صراط سے پہلے ادھر آنا پڑے گا۔ پھر آپ ﷺ پیاسوں کو حوض کوثر سے پانی پلائیں گے ۔اسی لئے آپ ﷺ کو ساقی کوثر کہتے ہیں بعض لوگ حوض کوثر سے محروم بھی ہوں گے۔وَيُمْنَعُ مِنْهُ أَقْوَامٌ قَدِارْتَدُّوا عَلٰى أَعْقَابِهِمْ " جولوگ ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر گئے وہ اس سے محروم ہوں گے ۔حدیث میں آتا ہے کچھ لوگ حوض کوثر سے لوٹا دیئے جائیں گے یہاں تک کہ میں ان کو پہچان لوں گا میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں، مجھے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۴:۔

قولہ: وَالشَّفَاعَةُ الَّتِيْ اِدَّخَرَهَا لَهُمْ حَقٌّ كَمَا رُوِيَ فِي الْاَخْبَارِ۔

ترجمہ:۔اور وہ شفاعت جو حضور ﷺ نے لوگوں کے لئے ذخیرہ رکھی ہے حق ہے جیسا کہ روایات میں مروی ہے۔

شرح:۔اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اہل کبائر کے حق میں انبیاء کرام اور

امت کے صلحاء شفاعت فرمائیں گے یعنی ان حضرات کی سفارش سے ان کے گناہ معاف ہوجائیں گے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن تین لوگ شفاعت فرمائیں گے اول انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

دلیل عقلی:۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور شفاعت کے بغیر کبیرہ گناہ جس کے لئے چاہیں معاف فرمائیں گے ارشاد ہے وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء/ ۴۸) جب بغیر توبہ اور سفارش کے معاف فرمانا ثابت ہے تو شفاعت کے ساتھ بدرجہ اولیٰ مغفرت ثابت ہوگی۔ گناہ معاف فرمانے کے ثبوت پر دلیل یہ ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد/ ۱۹) اہل ایمان کے لئے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا شفاعت ہے ارشاد ہے فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (المدثر/ ۴۸) کفار کو وہاں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔ معلوم ہوا کہ شفاعت کا نفع نہ دینا کفا کے ساتھ خاص ہے۔

شرط شفاعت:۔

شافع میں شرط یہ ہے کہ عنداللہ مقبول ہو مثلاً نبی، شہید، عالم، حافظ، حاجی وغیرہ اور مشفوع میں شرط یہ ہے شفاعت کا اہل ہو یعنی اس میں صلاحیت ہو۔ اہلیت اور صلاحیت یہ ہے کہ کافر نہ ہو گناہگار مؤمن ہو۔

معتزلہ سفارش کا انکار کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْماً لَا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئاً وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ۔(البقرہ/۴۸)

اوراس دن سے ڈروجس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ بھی حق ادا نہ کرسکے گااور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔

ایک اورارشاد ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَلَا شَفِيْعٍ يُطَاعُ(المومن/۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی جگری دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی شفاعت قبول کی جائے۔

جواب:۔ ہر شخص سے شفاعت کی نفی نہیں بلکہ صرف کافر سے نفی ہے یا شفاعت کا قبول نہ ہونا کسی خاص وقت کے ساتھ خاص ہو جس میں نہ کافر کے حق میں قبول ہوگی نہ مسلمان کے حق میں۔ دوسرے وقت میں مسلمان کی شفاعت قبول ہو۔

شفاعت کی قسمیں:۔

شفاعت اولیٰ جس کو شفاعت عظمیٰ بھی کہتے ہیں یہ سفارش صرف حضورﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ سفارش اس وقت ہوگی جس وقت قیامت کے دن ساری مخلوق قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے نفسانفسی میں مبتلا ہوگی۔لوگوں کا حساب شروع کرانے کے لئے یہ سفارش ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپﷺ کے پاس گوشت لایا گیا اس سے آپﷺ کو بازو کا گوشت دیا گیا آپﷺ نے پسند فرمایا اور کھانا شروع کیا۔اور فرمایا ﴿أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ میں قیامت کے

دن لوگوں کا سردار ہوں گا۔اورتم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہوگا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے
ایک میدان میں اولین وآخرین کوجمع فرمائیں گے تو بعض لوگ بعض سے کہیں کہ اپنی
حالتوں کودیکھتے نہیں حالات کہاں تک پہنچ گئے ہیں دیکھتے نہیں کون سفارش کرے گا۔
بعض بعض سے کہیں گے تمہارے باپ حضرت آدمؑ۔تو لوگ حضرت آدمؑ کے پاس
آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدم! اے ابوالبشر! آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا
کیا ہے اورتم میں اپنی روح پھونکی اور ملائکہ کوحکم دیا انہوں نے آپ کے سامنے سجدہ کیا
پس اپنے رب کے سامنے سفارش کیجئے ، کیا ہماری حالات دیکھتے نہیں؟ حالات دگر
گوں ہو گئے ہیں۔حضرت آدمؑ فرمائیں گے آج میرا رب ایسے غصہ میں ہیں کہ اس
سے قبل کبھی غصہ نہیں ہوئے اور نہ بعد میں کبھی ایسا غصہ ہوں گے۔ مجھے اللہ نے ایک
درخت سے منع کیا تھا اور میں نے نافرمانی کی۔ مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے میرے علاوہ
کسی اور کی طرف جاؤ حضرت نوحؑ کی طرف جاؤ۔لوگ حضرت نوحؑ کے پاس
جائیں گے اور اس سے کہیں گے اے نوح! تو زمین والوں کی طرف پہلا رسول ہے
اور اللہ نے تیرا نام شکر گزار بندہ رکھا اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے۔کیا آپ
دیکھتے نہیں ہماری کیا حالت بن رہی ہے۔حضرت نوحؑ فرمائیں گے میرے رب
ایسے غصہ میں ہیں کہ اس سے قبل کہیں ایسا غصہ نہیں فرمایا نہ بعد میں کبھی ایسا غصہ کریں
گے۔میرے ذمہ تو دعوت کا کام تھا میں نے اپنی قوم کو دعوت دی مجھے اپنی جان کی فکر
ہے۔میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔لوگ حضرت
ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے ابراہیم! تو اللہ کا نبی ہے اور زمین میں

اس کا خلیل ہے ہماری بری حالت دیکھتے نہیں۔ وہ فرمائیں گے کہ میرا رب آج ایسے
غصہ میں ہیں کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصہ نہیں کیا نہ آئندہ کبھی ایسا غصہ ہوں گے۔
پھر حضرت ابراہیمؑ اپنے تین جھوٹے قصے ذکر کریں گے۔ حدیث میں ثلاث کذبات
کا ذکر ہے (۱) اِنِّی سَقِیْمٌ (۲) بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ (۳) اپنی بیوی سارہ کے
بارے میں فرمایا اُختی۔ حضرت ابراہیمؑ پکاریں گے نفسی، نفسی نفسی۔ جاؤ حضرت موسیٰؑ
کے پاس۔ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! تو اللہ کا
رسول ہے آپ کو اپنے رب نے رسالت کے ساتھ منتخب کیا ہے اور آپ کے ساتھ کلام
کیا ہے ہماری سفارش فرما۔ حضرت موسیٰؑ فرمائیں گے آج میرا رب ایسے غصہ میں
ہیں کہ نہ اس سے قبل ایسا غصہ کیا تھا نہ آئندہ ایسا غصہ ہوں گے۔ میں نے ایک ایسے
نفس کو قتل کیا تھا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں ملا تھا۔ مجھے تو اپنے جان کی فکر ہے جاؤ
حضرت عیسیٰؑ کے پاس۔ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے
عیسیٰ! تو اللہ کا رسول ہے اس کا کلمہ اور اس کی روح ہے، ہمارے ابتر حالت کو نہیں
دیکھتے اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش کیجئے۔ حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے میرا
رب آج ایسے غصہ میں ہیں کہ اس سے قبل ایسا غصہ نہیں کیا نہ اس کے بعد ایسا غصہ
ہوں گے۔ اور اپنا کوئی گناہ ذکر نہ کریں گے اور کہیں گے حضور ﷺ کے پاس جاؤ
لوگ آپ ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تو اللہ کا رسول ہے اور تمام رسولوں
کا آخری رسول اور نبی ہیں آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دئے گئے
ہیں۔ ہماری ابتر حالت کو دیکھتے نہیں اپنے رب کے سامنے سفارش کیجئے۔ حضور ﷺ

فرماتے ہیں میں اُٹھوں گا اور تحت العرش آکر اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ میری دادرسی فرمائیں گے میری مشکل آسان کر دیں گے اور مجھے بہترین محامد اور بہترین ثناء کا الہام فرمائیں گے کہ اس سے قبل ایسے محامد اور ثناء کا الہام اور القاء پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ پھر کہا جائے گا اے محمد! سر اُٹھا جو مانگے گا تجھے دیا جائے گا شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا یا رب امتی امتی، یا رب امتی امتی، یا رب امتی امتی۔ کہا جائے گا جنت کے دائیں دروازوں سے ان لوگوں کو جنت میں داخل کرو جن پر کوئی حساب نہیں اور یہ لوگ جنت کے داخلہ میں دیگر جنتیوں کے ساتھ اور دروازوں کے داخلہ میں شامل ہوں گے۔

دوسری اور تیسری شفاعت:۔

جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں ان کے جنت کے داخلے کے لئے حضور ﷺ سفارش فرمائیں گے۔ اور ایسی اقوام کے بارے میں سفارش فرمائیں گے جن کے بارے میں حکم مل چکا ہو کہ آگ میں داخل کرو تو آپ فرمائیں گے کہ ان کو آگ میں داخل نہ کرو۔

چوتھی قسم:۔

حضور ﷺ جنتیوں کے ایسے درجات کی بلندیوں کی سفارش فرمائیں گے جن کے وہ اعمال کی وجہ سے مستحق نہ ہوں گے اس سفارش کو معتزلہ بھی مانتے ہیں۔

پانچویں قسم:۔

بعض کے لئے شفاعت کریں کہ ان کو بلا حساب کے جنت میں داخل کردو اس قسم کی سفارش کے لئے دلیل حدیثِ عکاشہؓ ہے جنہوں نے حضورﷺ سے عرض کیا تھا کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں ان ستر ہزار افراد میں ہو جاؤں جو جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔

چھٹی قسم:۔

تخفیف عذاب کی شفاعت ایسے شخص کے لئے جو اس تخفیف کا مستحق ہو جیسے اپنے چچا ابو طالب کے لئے شفاعت کریں گے کہ ان کا عذاب ہلکا ہو جائے اس قسم کی سفارش کا اس آیت سے تعارض ہے ﴿فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ جواب یہ ہے کہ خروج من النار کا فائدہ نہیں دے گی جس طرح گناہگار مسلمان کو خروج من النار کا فائدہ دیتی ہے آگ سے نکلیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

ساتویں قسم:۔

تمام مؤمنین کے جنت میں داخلے کی سفارش۔ فرماتے ہیں ﴿اَنَا اَوَّلُ شَفِيعٍ فِی الْجَنَّةِ﴾

آٹھویں قسم:۔

وہ اہل کبائر جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے تو وہ اس سے شفاعت کی وجہ سے نکل آئیں گے آپﷺ کا ارشاد ہے ﴿شفاعتی لاهل الكبائر من امتی﴾ ملائکہ، انبیاء اور مؤمنین بھی اس قسم کی سفارش کریں گے۔

عقیدہ نمبر ۴۲:۔

قولہ :وَالْمِيْثَاقُ الَّذِیْ اَخَذَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ اٰدَمَ وَذُرِّيَّتِهٖ حَقٌّ

ترجمہ:۔اور جو عہد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد سے لیا وہ حق ہے۔

شرح:۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ

(الاعراف/ ۱۷۲)

ترجمہ:۔اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب بولے ہاں ہے۔ہم اقرار کرتے ہیں کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو حضرت آدمؑ کی پشت سے نکالا اور ان کو خود اپنے آپ پر گواہ کیا کہ اللہ ان کا رب اور بادشاہ ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے اس کی اولاد کو نکال کر سمجھ بوجھ عطا کر کے ان کو مخاطب کیا اور اپنی ربوبیت کا عہد لیا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔اس کو عہد الست بھی کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد کو حضرت آدمؑ کی پشت سے نکال کر

بعض کو اصحاب الیمین بنایا اور بعض کو اصحاب الشمال۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ کی پشت سے اولاد کو نکال کر اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے کلام کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے کہا کہ کیوں نہیں ہم اس پر گواہ ہیں۔ اور اس وقت جنتیوں اور دوزخیوں کو الگ کر دیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جب اس آیت کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو میں نے سنا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا پھر اس کی پشت کو دائیں ہاتھ سے مسح کیا پھر اس سے اس کی اولاد کو نکالا اور کہا کہ میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنت والے اعمال کریں گے اور ان کو اہل جنت والے اعمال پر پیدا کیا ہے۔ پھر اس کی پیٹھ کو مسح کیا اور اس کی اولاد کو نکالا اور کہا میں نے ان لوگوں کو آگ کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ دوزخیوں والے اعمال کریں گے۔ ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو اپ ﷺ نے فرمایا اللہ جب کسی بندے کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں والے اعمال صادر کراتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت ایسے عمل پر ہوتی ہے جو جنت والوں کے اعمال ہوں اور اس کو جنت میں داخل کر دے جب کسی شخص کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں والے اعمال صادر ہوتے ہیں اور اس کی موت ایسے عمل پر آتی ہے جو دوزخیوں کا ہوتا ہے پس وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ پس اس ابتدائی عہد کی یاددہانی کے لئے انبیاء کرام اور کتابوں کا سلسلہ شروع کیا تا کہ پرانے سبق کو ازسرنو یاد کر کے امتحان میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہو جائیں۔ اسی عہد الست کی برکت ہے کہ قرآن گواہ ہے کہ کفار اللہ کی ربوبیت کو تسلیم

کرتے ہیں۔خالقیت کو بھی مانتے ہیں۔ارشاد ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

(لقمان/۲۵)

ترجمہ:۔اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے،

یہی وجہ ہے کہ ربوبیت کا اقرار فطری امر ہے اور شرک ایک خارجی حادثہ ہے۔تو ربوبیت دلیل کی محتاج نہیں کیونکہ فطرت میں ودیعت کی گئی ہے ہر مولود فطرت اسلام پر ہوتا ہے۔

حکمت میثاق:۔

(۱) ایمان اور توحید سے غفلت کا دعویٰ انسان نہیں کرسکتا (۲) کفر وشرک میں آباء کی تقلید کا دعویٰ غلط ہے۔اب اگر قیامت کے دن کوئی یہ کہے کہ ہم نے باپ دادا کے کفریہ وشرکیہ دین کو اپنایا تھا جس طرح کھانے پینے، رہن سہن میں باپ دادا کی تقلید کی۔تو ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم صانع کے معترف تھے۔ایک رب کا اقرار کیا تھا اور اپنے آپ پر گواہ بن گئے تھے۔اپنے اوپر شہادت اقرار ہے لہٰذا فطری دین کے ہوتے ہوئے بغیر علم اور بصیرت کے باپ دادا کے غلط دین پر چلنا اور حق سے اعراض کرنا صرف خواہش پرستی ہے۔الحاصل تمام ادیان حقہ کی بنیاد اللہ کی ہستی اور ربوبیت کا اقرار ہے ورنہ انبیاء کرام اور ارسال کتب کا فائدہ مشکل سے ملے گا۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر صانع کو تسلیم کرنا اور پھر اس کی ربوبیت عامہ کو ماننا فطری طور پر ودیعت کر رکھا ہے۔اسی فطری خمیر پر جب عقل ودانش اور وحی کی مسلسل

پھواریں پڑتی ہیں تو صحیح ایمان کا درخت بہت جلد ثمرآور بن جاتا ہے۔ ماں باپ اور ماحول کے عقائد، اعمال اور رسوم اسی فطری توحید پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن وحی الٰہی اور دینی ماحول کی طرف معمولی توجہ سے باطل بادل بہت جلد چھٹ جاتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۴۳:۔

قولہ: وَقَدْ عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِیماَ لَمْ یَزَلْ عَدَدَ مَنْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ وَعَدَدَ مَنْ یَدْخُلِ النَّارَ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَلاَ یُزَادُ فِیْ ذَالِكَ الْعَدَدِ وَلاَ یُنْقَصُ مِنْهُ وَكَذَالِكَ اَفْعَالُهُمْ فِیماَ عَلِمَ مِنْهُمْ اَنْ یَفْعَلُوْهُ۔

ترجمہ:۔ اور اللہ نے روز ازل سے ان لوگوں کے عدد کو جان لیا جو جنت میں داخل ہوں گے اور جو جہنم میں داخل ہوں گے اس عدد میں نہ اضافہ ہوگا نہ کمی اور اسی طرح ان کے اعمال کو بھی جانتا ہے جو وہ کریں گے۔

شرح:۔ بار بار یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کا علم ازلی اور ابدی ہے ہر چیز کو اپنے احاطہ علمیہ میں لیے ہوئے ہے۔ جو چیزیں مخلوق کے علمی ذرائع سے غائب ہے وہ ان سے خبردار ہے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ ما کان اور ما یکون کا علم صرف اسی کے پاس ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم (الانفال/۷۵)

ترجمہ:۔ تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

ارشاد ہے وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً (الاحزاب/۴۰)

ترجمہ:۔اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔

کوئی شی بھولتا نہیں اور نہ کوئی شی اس سے مجہول ہے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيّاً (مریم/۶۴)

ترجمہ:۔اور تیرا رب نہیں ہے بھولنے والا۔

ارشاد ہے۔لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسىٰ (طٰہٰ/۵۲)

ترجمہ:۔نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم بقیع الغرقد کے مقام پر ایک جنازہ میں شریک تھے ہمارے پاس حضور ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے ۔آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اور سر مبارک جھکا کر زمین کرید رہے تھے۔اور فرمایا کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس کے لئے اللہ نے جنت اور دوزخ میں جگہ نہ لکھ دی ہو۔اور اس کی شقاوت وسعادت نہ لکھی ہو۔تو ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول پھر ہم اپنی تقدیر پر اکتفاء کیوں نہیں کرتے اور عمل ترک کیوں نہیں کردیتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو سعادت مند ہوگا اس کو سعادت مندی کے اعمال میسر ہوں گے اور جو اہل شقاوت سے ہو اس کے لئے شقاوت کے اعمال میسر ہوں گے اور فرمایا کہ عمل کرو ہر آدمی کو وہ عمل میسر ہوگا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔پھر آیت پڑھی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى

عقیدہ نمبر۴۴:۔

قولہ: وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ وَالْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ۔

ترجمہ:۔اور ہر ایک میسر ہے اس چیز کے لئے جس کے واسطے اس کو پیدا کیا گیا ہے اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہوتا ہے اور نیک بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلہ کے مطابق نیک بخت بنا ہو اور شقی وہ ہے جو اللہ کے فیصلہ کے مطابق بد بخت بنا ہو۔

شرح:۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ" عمل کرو ہر ایک میسر ہے اس چیز کیلئے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔سراقہ بن مالک ؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول ہمارے لئے ہمارا دین بیان کیجئے گویا ہم ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں۔آج ہم کونسا عمل کریں گے کیا وہ عمل کریں گے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے یا تقدیر سے ہٹ کر از سر نو کوئی عمل کریں گے۔فرمایا نہیں بلکہ تم اپنی تقدیر کے مطابق عمل کرو گے۔پھر اس نے کہا تو یہ کیسا عمل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اِعْمَلُوْ فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے آدمی بظاہر جنت والے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں دوزخی ہوتا ہے بعض آدمی بظاہر دوزخ والے اعمال کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ جنتی ہوتا ہے۔اور پھر فرمایا کہ اعمال کا دارو مدار خاتمہ

پر ہے۔ مرتے وقت دیکھا جائے گا کہ اس کے اعمال جنت والے تھے یا دوزخ والے بہت سے صحابہ کرامؓ کے اسلام سے قبل اعمال دوزخ والے تھے لیکن اسلام لانے کے بعد سب کا انتقال جنت والے اعمال پر ہوا۔ اس لئے لوگ خاتمہ الخیر کی دعا مانگتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ جس کا مرتے وقت آخری کلمہ توحید کا ہو جنت میں داخل ہوگا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے انسان ماں کے پیٹ میں نطفہ ہوتا ہے پھر خون بستہ ہوتا ہے۔ پھر گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے پھر فرشتہ آتا ہے اس میں روح پھونکتا ہے اور چار باتیں اس کے لئے مقدر ہو جاتی ہیں (۱) اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے (۲) اس کی اجل لکھ دی جاتی ہے (۳) اس کا عمل لکھ دیا جاتا ہے (۴) یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ شقی ہے یا نیک بخت۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی جنت کا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ آدمی اور جنت کے مابین ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اس کی تقدیر اس پر سبقت کر جاتی ہے اور دوزخیوں والے اعمال شروع کرتے دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک دوزخیوں والے اعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے دوزخ کے مابین ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس کی تقدیر اس پر سبقت کر جاتی ہے اور وہ جنتیوں والے اعمال شروع کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مدار خاتمہ کا ہے دیکھنا ہوگا کہ خاتمہ کس عمل پر ہوا۔

عقیدہ نمبر ۴۵:۔

قولہ: وَاَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ خَلْقِہٖ لَمْ یَطَّلِعْ عَلٰی

ذَالِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلاَ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِيْ ذَالِكَ ذَرِيعَةُ الْخُذْلاَنِ وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ وَدَرَجَةُ الطُّغْيَانِ فَالْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ ذَالِكَ نَظَراً وَفِكْراً وَوَسْوَسَةً فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ طَوىٰ عِلْمَ الْقَدَرِ عَنْ أَنَامِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالىٰ فِيْ كِتَابِهٖ لاَيُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ فَمَنْ سَئَلَ لِمَ فَعَلَ فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ۔

ترجمہ:۔اور تقدیر کی اصل مخلوق کے لئے ایک راز ہے جس پر نہ کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہے اور نہ کوئی نبی مرسل ۔اور تقدیر غور وفکر خذلان کا ذریعہ ہے اور حرمان کی سیڑھی ہے اور سرکشی کا درجہ ہے اور فکر ونظر اور وسوسہ کے اعتبار سے تقدیر میں گھسنے سے مکمل اجتناب ضروری ہے اس لئے کہ تقدیر کا علم اللہ نے مخلوق سے چھپا رکھا ہے اور اس کی کھوج میں لگنے سے منع کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے" اللہ جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے باز پرس ہوگی ۔" جس نے سوال کیا کہ یہ کیوں تو اس نے کتاب کا حکم رد کردیا اور جس نے کتاب کا حکم رد کردیا وہ کافروں سے ہوگیا۔

شرح:۔ تقدیر مخلوق کے حق میں ایک سربستہ راز ہے۔یہ عقدہ کسی پر کھلتا نہیں ساری دنیا تقدیر کی پابند ہے۔اللہ کسی کو وجود دے رہا ہے، کسی کو فنا کررہا ہے۔کسی کو

فقیر بنا رہا ہے، کسی کو مالدار۔ کسی کو موت دے رہا ہے، کسی کو زندگی۔ کسی کو گمراہ کرتا ہے کسی کو ہدایت دیتا ہے۔ اس میں اللہ کا راز ہے کوئی اس راز کو جان نہیں سکتا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں تقدیر اللہ کا راز ہے اس سے پردہ نہ اٹھاؤ یعنی اس راز کو فاش کرنا مشکل ہے۔ ہر چیز اللہ کے قضا و قدر سے ہوتی ہے۔ اور اللہ بندوں کے افعال کا خالق ہے فرمایا۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاہُ بِقَدَرٍ (القمر/۴۹)

ترجمہ: ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر۔

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْراً (الفرقان/۲)

ترجمہ:۔ اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔

اللہ کافر سے کفر چاہتا ہے لیکن اس کے کفر کو پسند نہیں کرتا (نوٹ: چاہنا کا معنیٰ ارادہ کرنا۔ یعنی کافر کے کفر کا ارادہ کرتا ہے) کافر کے کفر کو تکوینا چاہتا ہے دینا پسند نہیں کرتا۔ تقدیر کا علم نہ کسی مقرب فرشتہ کو ہے نہ کسی نبی مرسل کو۔ جب ایسے مقرب بندے تقدیر کی حقیقت کو نہیں جانتے تو ان کے علاوہ لوگوں کی کیا حیثیت ہے جو اس راز کے افشاء میں لگے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (صٰفٰت/۹۶)

ترجمہ: اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔

بندوں کے افعال کا خالق ہے اور بندے اپنے افعال کے کاسب ہیں۔ ہر آدمی اپنے عمل میں ارادہ و اختیار کے لحاظ سے آزاد ہے۔ اللہ کے علم اور ارادہ کے خلاف

مشکل ہے ورنہ اللہ اپنے ارادہ میں ناکام ہو جائے گا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ کافر سے ایمان چاہتا ہے اور کافر کفر چاہتا ہے۔ ان کا یہ قول غلط ہے پھر کافر کی چاہت اللہ کی چاہت پر غالب آجائے گی۔ عمر بن ہیثم کہتے ہیں ہم کشتی میں جا رہے تھے ہمارے ساتھ ایک قدری اور ایک مجوسی تھا۔ قدری نے مجوسی سے کہا کہ اسلام لاؤ مجوسی نے کہا ہاں اگر اللہ ارادہ کرلے یعنی میرے ایمان کا۔ قدری نے کہا کہ اللہ نے آپ کے ایمان کا ارادہ کیا ہے لیکن شیطان نے ارادہ نہیں کیا۔ مجوسی نے کہا اللہ نے بھی ارادہ کیا ہے اور شیطان نے بھی ارادہ کیا ہے لیکن شیطان کا ارادہ پورا ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ شیطان قوی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مجوسی نے کہا پھر تو میں اقویٰ کے ساتھ ہوں۔

عمرو بن عبید ایک حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور کہا اے لوگو میری اونٹنی چوری ہوگئی ہے اللہ سے دعا مانگیں میری اونٹنی مجھے لوٹا دیں عمرو بن عبید نے کہا اے اللہ اگر آپ نے اونٹنی کے چوری ہو جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اس اعرابی کی طرف اس کی اونٹنی لوٹا دے۔ اعرابی نے کہا مجھے آپ کی دعا کی ضرورت نہیں۔ عمر بن عبید نے کہا کیوں؟ اعرابی نے کہا جس طرح اللہ نے میری اونٹنی چوری ہو جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا پھر بھی چوری ہوگئی اسی طرح مجھے اب خطرہ ہے کہ میری اونٹنی واپس لوٹانے کا ارادہ کرلے اور اونٹنی دوبارہ مجھے نہ ملے۔ یعنی جب پہلے ارادے میں اللہ عیاذاً باللہ ناکام ہوا تو دوسرے ارادہ میں بھی ناکام ہو جائے گا۔

اللہ کی چاہت کے ادلہ:۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (السجدة/١٣)

ترجمہ:۔اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ لیکن ٹھیک پڑ چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس/٩٩)

ترجمہ:۔اور اگر تیرا رب چاہتا بے شک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام۔

وَمَا تَشَآئُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (التکویر/٢٩)

ترجمہ:۔اور تم جبھی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہاں کا مالک۔

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الانعام/٣٩)

ترجمہ:۔جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر۔

جبریہ کہتے ہیں ضلال اللہ کے قضاء وقدر کے ساتھ ہے لیکن اللہ کو یہ ضلال محبوب اور پسندیدہ بھی ہے اور قدریہ کہتے ہیں معاصی اللہ کو محبوب نہیں اور نہ مقدر اور مقضی ہیں۔یعنی اللہ کی مشیت اور تخلیق سے خارج ہیں۔حالانکہ کتاب وسنت اور فطرت صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت اور محبت میں فرق ہے۔اللہ کی مشیت کے بارے میں تو نصوص گزر چکیں اور محبت کے بارے میں ملاحظہ فرماویں۔

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرہ/۲۰۵)

ترجمہ:اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو۔

وَلَا یَرْضیٰ لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ (الزمر/۷)

ترجمہ:۔اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کا منکر ہونا۔

شرک، ظلم، فواحش اور کبر سے ممانعت کے بعد فرمایا

کُلُّ ذَالِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھاً (الاسراء/۳۸)

ترجمہ:یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری۔

بخاری شریف میں ہے

اِنَّ اللّٰہَ کرِہَ لکُم ثلاثاً قیلَ وَقالَ وَ کثْرَۃَ السُّوَالِ وَاِضاَعَۃَ المالِ

سوال:۔اللہ کسی امر کا کیسے ارادہ کرتے ہیں جبکہ اس کو پسند نہیں کرتے اور نہ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ایک چیز کے ساتھ اللہ کا ارادہ اور بغض کیسے جمع ہوتا ہے؟

جواب:۔ مراد کی دو قسمیں ہیں اپنے لئے اور دوسرے کے لئے۔اپنی مراد باعث ہونے کی وجہ سے مطلوب، مقصود اور محبوب ہوتی ہے۔اور غیر کی مراد کبھی مرید کا مقصود نہیں ہوتی۔مرید کی ذات کے لئے اس میں کوئی مصلحت نہیں ہوتی اگر چہ مرید کے مقصد اور مراد کے لئے وسیلہ ہو۔بالذات مکروہ ہوگا لیکن مرید کے مراد تک وسیلہ کے لحاظ سے مکروہ نہ ہوگا۔مثلاً کڑوی دوا کھانے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس میں شفاء ہے تو دوا بالذات مریض کے لئے مکروہ ہے لیکن مریض کی مراد (شفاء) کے لئے

وسیلہ ہے۔اس طرح عضو ماؤف کا قطع کرنا بالذات مریض کے لیے مکروہ ہے لیکن اس کی مراد (شفاء) کے لحاظ سے مکروہ نہیں۔یا محبوب تک پہنچنے کے لئے دشوار راستہ قطع کرنا، یہ سفر بالذات مکروہ ہے لیکن اس لحاظ سے کہ محبوب کا وصال ملے گا، مکروہ نہیں۔عاقل آدمی تو ایسی صورتوں میں ان مکروہ کاموں کے ارتکاب کو ترجیح دیتا ہے اگرچہ مراد تک پہنچنے میں یقین نہیں ہوتا۔تو اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے وہ تو اسی کو معلوم ہے اس کے لئے وہ مکروہ چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔کیونکہ اس سے اس کے علم میں جو فوائد اور حکمتیں ہیں وہ اپنی مکروہ اور بری چیزوں کے وجود پر موقوف ہیں۔تو اللہ ایک چیز کو ناپسند کرتے ہیں اس مکروہ کام کا ارادہ غیر کی وجہ سے مکروہ نہیں۔اس لئے اللہ نے ابلیس کو پیدا کیا حالانکہ ابلیس کفر و شرک اور ہر قسم کی فساد کی جڑ ہے۔اس کی وجہ سے کتنے لوگ شقی بن جاتے ہیں اور اللہ کے غضب کے مستحق بن جاتے ہیں۔باوجود اس کے وہ اللہ کے بہت سے محبوب چیزوں کا وسیلہ ہے جن کا وجود اللہ کو ان کے عدم سے محبوب ہے۔وہ محبوب چیزیں یہ ہیں

(۱) شیطان کے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھاتے ہیں کہ میں اضداد کی تخلیق پر قادر ہوں۔اگر ایک طرف ابلیس خبیث اور محض شر کو پیدا کرسکتا ہوں تو دوسری طرف اشرف ذات، پاک، صاف، محض خیر جبرئیلؑ کو بھی پیدا کرسکتا ہوں اللہ دونوں کا خالق ہے۔جس طرح اللہ کی قدرت دن رات، دوا، داء، حیات و موت حسن و قبح، خیر و شر میں نظر آتی ہے وہ خالق الاضداد ہے پھر دونوں میں اپنا تصرف کرتا ہے۔

(۲) مکروہ چیزوں کی تخلیق سے اللہ کے اسماء قہریہ کا ظہور ہوتا ہے مثلاً القہار، العدل، المنتقم، الضار، شدید العقاب، سریع الحساب، ذی البطش الشدید، الخافض المذل، یہ اسماء وافعال اس کی ذات کے لئے کمال ہیں۔ تو ان اسماء وافعال کے متعلقات کا وجود ضروری تھا کہ ان اسماء کا تعلق کن چیزوں سے ہوگا تو اس کے لئے ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا۔ اگر تمام جن وانس ملائکہ والی طبیعت پر پیدا ہوتے تو ان اسماء کا اثر ظاہر نہ ہوتا۔

(۳) ان اسماء کا ظہور ہوا جو اللہ کے حلم، عفو، مغفرت، ستر کو شامل ہیں اگر ان مکروہ اور ناپسندیدہ امور کی تخلیق نہ ہوتی تو ان فوائد اور حِکَم کا ظہور نہ ہوتا۔ حضور ﷺ کے اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے اور مغفرت مانگے پھر ان کی مغفرت ہو جائے۔

(۴) ان مکروہ چیزوں کے پیدا کرنے سے اس کی حکمت اور خبیر ہونا ظاہر ہو گیا کہ اس کا ہر کام پر از حکمت ہے۔ ان شر کے اسباب میں مخفی خیر شر سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً دھوپ، بارش اور ہوا میں شر بھی ہے لیکن خیر غالب ہے۔ یا بجلی کتنی خطرناک ہے کہ ایک جھٹکا موت کا باعث بن جاتا ہے لیکن اس کے فوائد کتنے ہیں۔ فیکٹریاں چلتی ہیں، رات کے وقت دن کا سماں ہوتا ہے بجلی کے ذریعہ ٹرینیں چلتی ہیں بے شمار فوائد ہیں۔

(۵) اگر ابلیس نہ ہوتا تو جہاد جیسی عبادت کا وجود نہ ہوتا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی عبادت، مخالفت نفس کی عبادت، توبہ واستغفار کی عبادت نہ ہوتی۔ مختلف قسم

کی عبادتیں صرف شیطان کے وجود کی وجہ سے ہیں

سوال:۔ کیا یہ فوائد اور حکمتیں ان شرور کے اسباب کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی تھیں؟

جواب:۔ یہ سوال غلط ہے یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ ملزوم کے وجود کے بغیر لازم فرض کرلیا جائے۔ مثلاً بیٹا فرض کر لینا بغیر باپ کے یا حرکت فرض کرنا بغیر متحرک کے یا توبہ فرض کرنا بغیر تائب کے یا بیماری فرض کرنا بغیر مریض کے۔

سوال:۔ کبھی اللہ کسی چیز کو بندوں کے لئے پسند کرتے ہیں لیکن اس میں تعاون نہیں فرماتے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب:۔ جس خیر سے اللہ راضی ہوتے ہیں تو اس میں تعاون کے ساتھ اللہ کا کوئی بڑا محبوب امر فوت ہو جاتا ہے۔ کبھی کسی طاعت کے وقوع میں کوئی مفسد ہوتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ (التوبة/۴۶)

ترجمہ:۔ اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا ان کو۔

اگر وہ لوگ غزوہ میں چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہ دی رسول کے ساتھ غزوہ کی طرف نکلنا طاعت ہے لیکن اللہ نے ان سے اس نکلنے کو برا جانا تو ان سے توفیق

سلب کر لی۔ اس کے بعد ان کے خروج پر جو مفاسد مرتب ہو رہے تھے ان کا ذکر فرمایا۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا (التوبة/۴۷)

ترجمہ: اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی۔

خبال کا معنیٰ شر اور فساد ہے۔ فرمایا۔ وَلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ۔

ترجمہ: اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر۔

یعنی تمہارے مابین فساد اور شر کے لئے کوشش کرتے۔

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُم (التوبہ/۴۷)

ترجمہ: بگاڑ کروانے کی تلاش میں اور تم میں بعضے جاسوس ہیں ان کے۔

الحاصل غزوہ میں نکلنے سے جو فساد پھیل رہا تھا وہ خروج کے مصلحت سے برا تھا۔ تو حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ان کو نہ نکلنے دے۔

سوال:۔ کفر اللہ کی قضاء وقدر سے ہے اور ہم کو حکم ملا ہے کہ اللہ کی قضاء پر راضی رہیں۔ پھر یہ کیسے کفر کا انکار کرتے ہیں اور بُرا جانتے ہیں؟

جواب:۔ اللہ کی ہر قضاء پر ہمیں رضا کا حکم نہیں ملا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ ہر قضاء پر رضا ضروری ہے بلکہ بعض مقضی پر رضا ہوگی اور بعض مقضی پر ناراضگی۔

(۲) قضاء وقدر میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے ایک ہے قضاء اللہ، اللہ کی قضاء یہ اللہ کا فعل ہے اور اس کی ذات عالیہ کے ساتھ قائم ہے ایک ہے مقضی، مفعول جو

اللہ کی ذات سے جدا ہے ہر قضاء میں خیر، عدل اور حکمت ہے ہر قضاء پر رضا ضروری ہے۔ پھر مقضی (مفعول) کی دو قسمیں ہیں بعض پر رضا ضروری ہے بعض پر ناراضگی۔

(۳) قضاء میں دو جہتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور نسبت کے لحاظ سے اس پر رضا ضروری ہے۔ بندہ کے ساتھ تعلق اور نسبت کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں کبھی اس پر رضا ہوگی کبھی ناراضگی۔

مثال:۔ کسی کا قتل۔ اللہ کے قضاء وقدر اور مشیت کے لحاظ سے کہ مقتول کی میعاد پوری ہوگئی تو اس جہت سے ہم راضی ہیں۔ لیکن اس لحاظ سے کہ قاتل سے قتل کا صدور ہوا اور اپنے ارادہ اور اختیار سے اقدام قتل کیا اور اپنے فعل کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کی تو ہم اس کو بُرا جانتے ہیں۔

سوال:۔ جب اللہ کے ارادہ کے خلاف ہونا محال ہے تو ابو جہل وغیرہ کو مکلف بالایمان کیوں کیا؟ اس کے بارے میں ارادہ کیا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اگر بالفرض وہ ایمان لے آتا تو اللہ عیاذاً باللہ اپنے ارادہ میں ناکام ہو جاتا۔ ظاہراً یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل کفر پر مجبور تھا۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کافر کے بارے میں ارادہ کرتے ہیں کہ ایمان نہیں لائے گا تو ساتھ یہ بات بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ ایمان نہیں لائے گا۔ چنانچہ کوئی کافر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ایمان لانا چاہتا ہوں لیکن کوئی قوت اور طاقت ہے جو مجھے ایمان نہیں لانے دیتی۔ کسی کافر نے آج تک یہ محسوس نہ کیا بندہ اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ اس پر بطور خلق کفر مرتب

کردیتے ہیں۔

والتَّعَمُّقُ والنظرُ فی ذالِکَ ذَرِیعَۃُ الخُذلا ن۔ تقدیر کے بارے میں غوروخوض اوراس میں زیادہ قیل وقال خذلان کا ذریعہ ہے۔یعنی بے یار ومددرگار ہوجائے گا۔ ذریعہ، وسیلہ، درجہ اور سلّم قریب المعنیٰ ہیں ۔اسی طرح خذلان، حرمان اور طغیان قریب المعنیٰ ہیں ۔خذلان کے مقابلے میں نصرت ہے حرمان کے مقابلے میں ظفراورکامیابی اور طغیان کے مقابلے میں استقامت ہے۔تقدیر میں غوروخوض صحیح نہیں نہ آج تک اس گُتھی کو کوئی سلجھاسکا۔اس کے بارے میں چند باتیں ذھن میں ضرور رکھیں

(۱) جس طرح تقدیر اللہ نے بنائی ہےاس پر ایمان ضروری ہےاسی طرح اوامر ونواہی کا شرعی نظام بھی اللہ نے بنایا ہےاس پر عمل ضروری ہے۔اگر تقدیر کی وجہ سے عمل چھوڑ دیا تو اس کا یہ مطلب ہوگا اللہ کا ایک حکم (تقدیر) مان رہا ہےاور دوسرا حکم (شریعت پر عمل) نہیں مان رہا ہے۔

(۲) تقدیر مخفی امر ہے کسی کو اپنی تقدیر معلوم نہیں جبکہ تدبیر اور شریعت واضح اور معلوم راستہ ہے۔جو معلوم اور واضح ہےاس پر چلنا ہوگا اور مخفی تقدیر پر ایمان وعقیدہ رکھنا ہوگا۔

(۳) عمل اور تدبیر سے قبل تقدیر پر بھروسہ غلط ہے۔مثلاً ڈرائیور گاڑی چلانے میں تقدیر کے بھروسہ پر احتیاطی تدبیر ترک کردے تو ایکسیڈنٹ ہوگا۔اوّل احتیاطی تدابیر اختیار کرےاس کے بعد ایکسیڈنٹ ہوجائے تو پھر تقدیر کی طرف نسبت صحیح ہے

لیکن تدبیر سے قبل تقدیر کی طرف نسبت صحیح نہیں۔

(۴) تقدیر کی وجہ سے کوئی مجبور نہیں بن جاتا ہر وقت ہر آدمی اپنے ارادہ اور اختیار کا مالک ہوتا ہے کچھ مجبور بھی ہے لیکن مکمل مجبور نہیں جس کو مجبور محض کہتے ہیں ۔اسی اختیار کی وجہ سے ہر انسان ہر اچھے اور بُرے عمل کے نتیجے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔

(۵) بُرائی کے بعد جان چھڑانے کے لئے تقدیر کی طرف نسبت غلط ہے۔یہ ایسا ہے جیسے اللہ کی طرف بُرائی کی نسبت کردے کہ اس نے کرائی ۔اس لئے کہ تقدیر بنانے والا اللہ ہے۔دنیا میں کوئی کسی کو تقدیر کے حوالے پر معاف نہیں کرتا۔تو اللہ کیسے معاف کرے گا۔ایک آدمی نے کسی کے پھل دار درخت سے پھل چوری کیا۔مالک نے کہا کیوں؟ چور نے کہا کہ یہ پھل میری قسمت میں تھا۔مالک نے چور کی پٹائی شروع کی چور نے کہا یہ کیوں؟ مالک نے کہا یہ بھی تیری قسمت ہے۔

عقیدہ نمبر ۴۶:۔

قولہ : فَهٰذَا جُمْلَةُ مَايَحْتَاجُ اِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهٗ مِنْ اَوْلِيَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ لِاَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُوْدٌ وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُوْدٌ فَاِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ كُفْرٌ وَادِّعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ كُفْرٌ وَلَا يَثْبُتُ الْاِيْمَانُ اِلَّا بِقُبُوْلِ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ۔

ترجمہ:۔پس یہ تمام وہ باتیں ہیں جس کے لئے محتاج ہے وہ شخص جس کا دل منور ہو اللہ کے اولیاء میں سے۔اور یہی راسخین فی العلم کا درجہ ہے اس لئے کہ علم دو ہیں ایک علم مخلوق میں موجود ہے،اور ایک علم مخلوق میں مفقود ہے۔تو علم موجود کا انکار کفر ہے اور علم مفقود کا دعویٰ کفر ہے۔اور ایمان صحیح نہیں ہوگا مگر موجود کو قبول کرنے سے اور علم مفقود کی طلب ترک کرنے سے۔

شرح:۔اس عقیدہ میں اشارہ ہے کہ شریعت کی طرف سے دیئے گئے تمام احکامات،عقائد کا ماننا فرض اور ضروری ہے۔اس طرح تمام احکامات پر عمل کرنا واجب ہے۔راسخین فی العلم کا درجہ یہ ہے کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی لائی ہوئی ہر اس بات کو جانتے اور مانتے ہیں جن کا ذکر آپ ﷺ نے اجمالاً یا تفصیلاً کیا ہو یا اس کا ذکر آپ ﷺ نے نفیاً یا اثباتاً کیا ہو۔اور علم مفقود سے مراد تقدیر کا علم ہے جس کو اللہ نے مخلوق سے چھپا رکھا ہے اور ان کو منع کیا ہے کہ اس کے درپے نہ ہو۔اور علم موجود سے مراد شریعت کے اصول وفروع کا علم ہے۔تو جو کوئی بھی حضور ﷺ کی کسی لائی ہوئی بات کا انکار کرے کافر ہے۔اور جو علم غیب کا دعویٰ کرے وہ بھی کافر ہے،کیونکہ علم غیب صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ارشاد ہے

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَسُوْلٍ (الجن/۲۶)

ترجمہ:۔جاننے والا ہے بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو۔مگر جو پسند کرلیا

کسی رسول کو۔

تقدیر کا علم غائب ہے اور غائب علم مفقود ہوتا ہے تو علم مفقود کا دعویٰ کرنا علم غیب کا دعویٰ کرنا ہے، حالانکہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے اس لئے علم مفقود کا دعویٰ کفر ہے۔ مخلوق سے بعض علوم کے مخفی رکھنے میں ضرور کوئی حکمت ہوگی، اور اس حکمت کو نہ جاننے سے وہ حکمت منتفی نہیں ہوتی۔ بہت سے موجودات میں بہت سی حکمتیں ہیں لیکن ہم ان کو نہیں جانتے۔ سانپ، بچھو، چوہا، حشرات وغیرہ میں ہمیں صرف مضرتیں نظر آتی ہیں حالانکہ ان میں بے شمار حکمتیں ہیں اور ہمارے نہ جاننے سے وہ حکمتیں منتفی نہیں ہوتیں۔ کیونکہ وہ حکمتیں ہمارے لئے معدوم ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا علم بھی معدوم ہے۔

عقیدہ نمبر ۴۷:۔

قوله:وَنُؤْمِنُ بِاللَّوحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيعِ ماَ فِيهِ قَدْ رُقِمَ۔

ترجمہ:۔ اور ہم لوح وقلم پر ایمان رکھتے ہیں اور ان تمام باتوں پر جو قلم سے لکھی گئی ہیں۔

شرح:۔ قرآن مجید میں لوح محفوظ اور قلم کا ذکر ہے جس پر ہمارا ایمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَحْفُوْظٍ (البروج/ ۲۱، ۲۲)

ترجمہ:۔ کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا ہوا لوح محفوظ میں۔

ارشاد ہے ۔نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم/ ۱)

ترجمہ:۔قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔

لوح محفوظ ایک تختی ہے جس میں کل عالم کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا ہے۔اس کے صفحات سرخ یاقوت ہیں، اس کا قلم نور ہے اور اس کی کتاب نور ہے۔اللہ تعالیٰ روزانہ اس کی طرف تین سو ساٹھ مرتبہ دیکھتے ہیں۔اس کی چوڑائی زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے۔

لوح محفوظ کی جو حقیقت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے بالفرض اگر ایسی نہ بھی ہو چونکہ اس کا وجود نص قطعی سے ثابت ہے اس لئے اس کا ماننا ضروری ہوگا اگرچہ اس کی حقیقت ہم نہ جانتے ہوں۔جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو ہم بلا کیف تسلیم کرتے ہیں۔گویا متشابہات سے بن جائے گی۔

ایسی صورت میں بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کس قسم کی اتنی بڑی تختی ہے کہ تمام خلائق کی تقدیر اس میں سما گئی ہے تو بلا تشبیہ سمجھانے کے لئے اس تختی کی مثال دماغ کے ساتھ دی جاسکتی ہے۔حیوانات اور انسانوں کا دماغ اکثر لوگوں نے دیکھا ہے، لیکن ایک دماغ میں کتنی معلومات موجود ہیں، بڑے بڑے حافظہ والے لوگ گزرے ہیں۔قرآن کے حفاظ کو دیکھو، بعض حضرات کو لاکھوں احادیث یاد تھیں یہ سب دماغ کے ایک چھوٹے سے حصہ میں موجود تھیں۔جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجاد کمپیوٹر کی سی ڈی کو دیکھو ایک ایک میں کتب خانے محفوظ ہوتے ہیں۔کیا اللہ کے لئے ممکن نہیں کہ ایسی تختی پیدا فرمائیں جس میں تمام خلائق کی تقدیر لکھی ہو۔؟

قلم :۔

وہ قلم مراد ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے ذریعہ تمام مقادیر لکھ دیں۔ حدیث میں آتا ہے اللہ نے اول قلم کو پیدا کیا پھر اس سے کہا لکھ! قلم نے کہا یا رب کیا لکھوں۔ فرمایا قیامت تک کے لئے ہر چیز کی تقدیر لکھو۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اول قلم کو پیدا کیا یا عرش کو۔ صحیح قول یہ ہے کہ عرش کو قلم سے پہلے پیدا کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو زمین و آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا جبکہ اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ عرش کی تخلیق مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے پہلے ہوئی ہے۔

سوال :۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے قلم کو اول پیدا کیا ہے۔

جواب :۔ اول نصب کے ساتھ ہے "انه عند اول خلقه قال له اکتب" یعنی اس کی تخلیق کے فوراً بعد اولاً اس کو لکھنے کا حکم ملا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کی تخلیق سب سے اول ہے۔

دوسرا جواب :۔ اولُ مرفوع ہے معنیٰ ہوگا قلم اس عالم کے مخلوقات میں اول مخلوق ہے۔ عرش اگر چہ مخلوق ہے لیکن اس عالم سے نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے کہا لکھ۔ یہ قلم اول الاقلام اور افضل قلم ہے اور یہ وہ قلم ہے جس کی اللہ نے قرآن مجید میں قسم کھائی ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم / ۱)

ترجمہ:۔قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔

قلم کی قسمیں:۔

ایک تو یہی افضل مقسوم بہ قلم ہوا جس سے مخلوقات کی تقدیر لکھی۔

(۲) دوسرا قلم الوحی ہے اس قلم کے ذریعہ انبیاء کرام اور رسول کی طرف بھیجی جانے والی وحی لکھی جاتی ہے۔اس قسم کے صاحب قلم اس عالم کے حکام ہیں۔بقیہ قلم ان کے قلموں کے خادم ہیں۔ان قلموں کی آواز حضورﷺ نے اسراء کے موقعہ پر سُنی تھی۔پس یہ قلم ان باتوں کو لکھتے ہیں جن کا تعلق عالم علوی وسفلی کے تدبیری امور سے ہے۔

(۳) وہ قلم جس کے ساتھ کراما کاتبین بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں۔

(۴) ماں کے پیٹ میں جنین کی طرف فرشتہ آتا ہے روح پھونکتا ہے اور بچے کا رزق،اجل،عمل،شقی اور سعید لکھ لیتا ہے۔

عقیدہ نمبر ۴۸:۔

قولہ: فَلَوِ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ كَائِنٌ لِيَجْعَلُوْهُ غَيْرَ كَائِنٍ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ يُقَالُ فِيْهِ أَنَّهُ غَيْرُ كَائِنٍ لِيَجْعَلُوْهُ كَائِناً لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ:۔ پس اگر پوری مخلوق جمع ہو جائے کسی ایسی چیز پر جس کے بارے میں اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یہ ہوگی اور مخلوق کی کوشش ہو کہ اس کو نہ ہونے دیں تو مخلوق اس پر قادر نہ ہوگی۔ اور اگر ساری مخلوق کسی ایسی چیز پر جمع ہو جائے کہ جس کے بارے میں اللہ نے لکھا ہے کہ نہیں ہوگی اور مخلوق اس کو ہونے والی بنانا چاہے تو اس پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ اور قیامت تک ہونے والی باتوں کے بارے میں قلم خشک ہو چکا ہے۔

شرح:۔ سراقہ بن مالکؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا ہمارے لئے دین بیان کیجئے گویا ہم اب پیدا ہوئے ہم آج کس طرح کا عمل کریں گے۔ کیا تقدیری عمل کریں گے جس پر قلم خشک ہو چکا ہے یا تقدیر کے بغیر از سر نو عمل کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی اپنی تقدیر کے مطابق عمل کرو گے۔ ابن عباسؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا جان لے اگر پوری امت آپ کو نفع پہنچانے کے لئے جمع ہو جائے تو نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے آپ کے لئے لکھ دیا ہے۔ اور پوری امت آپ کو ضرر پہنچانے پر جمع ہو جائے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس ضرر کے جو اللہ نے آپ کے لئے لکھ دیا ہے۔ قلم اُٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔ ایک اور ارشاد ہے جان لے جو چیز اللہ آپ کو نہ دینا چاہے تو اس تک نہیں پہنچ سکتا اور جو تجھ کو پہنچنے والی ہے اس سے تو بچ نہیں سکتا۔

ہر آدمی کو یقین رکھنا چاہیے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے "کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" جب بات یہی ہوئی تو اب واجب ہے کہ صرف اللہ ہی سے ڈرا جائے

ارشاد ہے۔ فَلاَ تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ/۴۴)

ترجمہ:۔ سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو۔

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ (البقرہ/۴۰) ترجمہ:۔ اور مجھ ہی سے ڈرو

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (البقرہ/۴۱) ترجمہ:۔ اور مجھ ہی سے بچتے رہو۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ (النور/۵۲)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس سے سو وہ ہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے۔

مخلوق کا خوف صحیح نہیں جو اللہ سے نہیں ڈرے گا وہ مخلوق سے ڈرے گا۔ اللہ کی رضاء مقدم، مقدور اور مامور ہے۔ بندوں کو راضی کرنا نہ مقدور ہے نہ مامور۔ مخلوق کی پرواہ کے بغیر اللہ کی رضا کے لئے تقدیر پر بھروسہ صحیح ہے ایک کا راضی کرنا آسان اور مقدور ہے۔ مخلوق کسی کو اللہ سے مستغنی نہیں کر سکتی لیکن جب بندہ اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لئے بندوں کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا "جو لوگوں کو ناخوش کر کے اللہ کو خوش کرے اللہ اس سے خوش ہوں گے اور لوگ بھی اس سے خوش ہو جائیں گے۔ اور جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے تو تعریف کرنے والے لوگ اس کی مذمت بیان کرنے والے بن جائیں گے۔

تقدیراور تدبیر:۔

تقدیر پر ایمان اور توکل اختیار کرنا تدبیر اور کسب کے منافی نہیں ۔کسب اور اسباب اختیار کرنا جائز ہے بلکہ اس کے درجات ہیں۔کسب واکتساب کبھی فرض،کبھی مستحب،کبھی مباح،کبھی مکروہ اور کبھی حرام ہوتا ہے۔حضورعلیہ صلی اللہ افضل التوکلین تھے۔ لیکن جنگ میں زرہ پہنی اور بازار جاکر سوداوغیرہ خریدا ہے۔تومخفی تقدیروں پرایمان رکھنے کے ساتھ ظاہر شریعت اور تدبیر پر چلنا ہوگا۔

عقیدہ نمبر ۴۸:۔

قوله: وَ عَلىٰ الْعَبْدِ اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ سَبَقَ عِلْمُهٗ فِيْ كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهٖ فَقَدَّرَ ذَالِكَ تَقْدِيْراً مُحْكَماً مُبْرَماً لَيْسَ فِيْهِ نَاقِضٌ وَلاَ مُعَقِّبٌ وَلاَ مُزِيْلٌ وَلاَ مُغَيِّرٌ وَلاَ مُحَوِّلٌ وَلاَ نَاقِصٌ وَلاَ زَائِدٌ مِنْ خَلْقِهٖ فِيْ سَمٰوٰتِهٖ وَاَرْضِهٖ وَذَالِكَ مِنْ عَقْدِ الْاِيْمَانِ وَاُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ وَالْاِعْتِرَافِ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَرُبُوْبِيَّتِهٖ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ فِيْ كِتَابِهٖ "وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْراً "وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ "وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَراً مَقْدُوْراً "فَوَيْلٌ لِمَنْ صَارَ لِلّٰهِ فِي الْقَدَرِ خَصِيْماً وَاَحْضَرَ لِلنَّظَرِ فِيْهِ قَلْباً سَقِيْماً لَقَدْ اِلْتَمَسَ بِوَهْمِهٖ فِيْ فَحْصِ الْغَيْبِ سِرّاً كَتِيْماً وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيْهِ "اَفَّاكاً اَثِيْماً۔

ترجمہ:۔اور بندہ پر اس بات کا جاننا لازم ہے کہ اللہ کا علم مخلوق میں ہر ہونے والی چیز پر سبقت کر گیا ہے اور اس نے اس کو اپنی مشیت سے مبرم تقدیر کے ساتھ متعین کر دیا ہے۔ جس کو اس کی زمینوں اور آسمانوں میں نہ کوئی توڑ سکتا ہے اور نہ کوئی ملتوی کر سکتا ہے اور نہ کوئی زائل کرنے والا ہے اور نہ کوئی بدلنے والا ہے اور نہ کوئی پھیرنے والا ہے اور نہ کوئی اضافہ کرنے والا ہے اور نہ کوئی گھٹانے والا ہے۔ اور یہ ایمان کے عقائد میں سے ہے اور معرفت کے اصول میں سے ہے اور اس کی توحید ور بوبیت کے اعتراف میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے ''اور پیدا کیا اس نے ہر چیز کو پھر اس کو ناپ کر ٹھیک کیا'' اور اللہ کا فرمان ہے ''اور ہے اللہ کا حکم مقرر اٹل''۔ پس ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو تقدیر میں اللہ کے ساتھ جھگڑا کرنے والا ہو گیا۔ اور جس نے تقدیر میں غور و فکر کے لئے بیمار دل کو حاضر کیا۔ تحقیق اس نے غیب کی تلاش میں اپنے وہم کے ذریعہ مخفی راز کو تلاش کیا اور تقدیر میں ایسی بات کہنے کے ساتھ جھوٹی بات گھڑنے والا گنہگار ہو گیا۔

شرح:۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل ہر چیز کی مبرم اور اٹل تقدیر بنائی جس کا علم صرف اسی کو ہے کہ ہر چیز اسی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت میں اس کی حکمت بالغہ کے مطابق وجود پذیر ہوگی۔ جس طرح ہم دنیا میں عجیب و غریب مصنوعات اور ایجادات کی طرف دیکھ کر فوراً اس کے نقشہ کو بنانے والے کی طرف اپنا ذہن متوجہ کر دیتے ہیں کہ واقعی اس انسان نے کمال

کر دیا۔ مثلاً آگرہ کا تاج محل، لاہور کی بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ، اسلام آباد کی فیصل مسجد، مسجد نبوی اور مسجد الحرام۔ ان عجیب وغریب تعمیرات کے بارے میں کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بغیر کسی سابقہ ڈیزائن اور نقشہ کے بنی ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ کی اس کائنات اور عجیب وغریب مخلوقات کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ خود بخود یا بغیر کسی سابقہ تقدیر اور نقشہ کے بن گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملك / ۱۴)

ترجمہ:۔ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار۔

غالی معتزلہ اللہ کا ازلی علم مانتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال کا علم اس کو اس وقت ہوتا ہے جب بندہ کسی فعل کا ارتکاب کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قدریہ کے ساتھ اللہ کے علم کے بارے میں مناظرہ کرو اگر اللہ کے لئے ماکان اور مایکون کے علم کا اقرار کرلیں تو مناظرہ ہار جائیں گے اگر انکار کریں گے تو کافر بن جائیں گے۔ لہٰذا ایمان بالقدر اور اس کا علم بالکائنات کائنات کی تخلیق سے قبل ماننا عقیدہ توحید ہے اور اعتراف بالربوبیت ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''القدر نظام التوحید'' جو اللہ کو ایک مانے اور قدر کی تکذیب کرے تو یہ توحید کی تکذیب ہے کیونکہ ایمان بالقدر مستلزم ہے اللہ کے علم قدیم کے تسلیم کرنے کو۔ ایمان بالقدر کی وجہ سے بڑے بڑے اصول تسلیم کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً

(۱) یہ کہ اللہ کو امور مقدورہ کا علم پہلے سے ہے تو اس کے لئے علم قدیم ثابت ہو جائے گا۔

(۲) ہر چیز کی ازلی تقدیر تسلیم کرنے سے پتہ چلا کہ اللہ کو ہر ہر جزئی کا علم ہے ان لوگوں پر رد ہو جائے گا جو کہتے ہیں کہ اللہ کو کلیات کا علم ہے اور جزئیات کا نہیں۔ الحاصل اس کا علم کلیات اور جزئیات کے ساتھ ازل سے لگا ہوا ہے۔

(۳) اللہ نے تمام مخلوقات کی تقدیر کے بارے بندوں کو اطلاع دے دی ہے جب بندوں کو اس کا علم حاصل ہو گیا ہے تو اللہ کو کیسے یہ علم پہلے سے نہ ہوگا۔

(۴) اللہ اپنے فعل، ارادہ اور مشیت میں بااختیار ہے جس کو فاعل بالارادہ اور فاعل مختار کہتے ہیں اور فاعل مختار کا معلول حادث بالزمان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاعل موجب، فاعل بالایجاب نہیں جس کو علت موجبہ کہتے ہیں۔ علت موجبہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ علت موجبہ موجود ہو اور معلول نہ ہو بلکہ جب سے علت ہوگی اسی وقت سے معلول کا وجود ہوگا۔ جیسے آگ احراق اور حرارت کے لئے علت موجبہ ہے۔ الحاصل اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا مقدور حادث ہوگا اس کے مقدور کی پہلے تقدیر بنتی ہے پھر اس کی تخلیق ہوتی ہے۔

پس اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کو نہ تو کوئی توڑ سکتا ہے جس طرح دنیا میں لوگ ایک دوسرے کے منصوبے کو توڑ دیتے ہیں۔ بنا بنایا منصوبہ دھرے کا دھرارہ جاتا ہے۔ نہ کوئی اس کو ملتوی کر سکتا ہے۔ نہ اس کی بنائی ہوئی تقدیر کا کوئی ازالہ کر سکتا ہے، نہ اس میں تبدیلی لاسکتا ہے، نہ اس کو دوسری جگہ لے جا سکتا ہے۔ مثلاً دنیا میں کسی نے منصوبہ بنایا کہ سٹیل مل پشاور میں بنے گی پھر دوسری حکومت اس منصوبہ کو کراچی منتقل کر دے کہ وہاں بنے گا۔ نہ اس کی تقدیر میں کوئی کمی کر سکتا ہے اور نہ زیادتی

کرسکتا ہے۔ یہ سب کچھ مخلوقات کے منصوبہ بندیوں اور نقشوں میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان نقائص سے پاک ہیں اس تقدیر کا ماننا ضروری ہے۔ اس مین جھگڑا، اعتراض اور بیمار دل کے ساتھ غور وخوض ہلاکت ہے۔ دل کی بیماری مرض شبہ اور مرض شہوت ہے بیمار دل کی علامت یہ ہے کہ دل موافق اور منافع غذا سے ضرر دہ غذا کی طرف عدول کرے۔ اسی طرح نافع دوا سے ضرر دہ دوا کی طرف میلان کرے۔ چار چیزیں ہوئیں (۱) غذا نافع (۲) دواء شافی (۳) غذا مضر (۴) دواء مضر

نافع غذا ایمان ہے اور نافع دوا قرآن ہے۔ قلبی امراض کی شفاء قرآن وسنت کے علاوہ تلاش کرنے والے سب سے بڑے جاہل اور گمراہ ہیں۔ قرآن میں قلبی اور بدنی بیماریوں کی شفاء ہے۔ شرط یہ ہے کہ صحیح علاج کرے تو قرآنی علاج اور شفاء کے سامنے کوئی بیماری ٹھہر نہیں سکتی۔

عقیدہ نمبر ۴۹:۔

قولہ : وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ ۔

ترجمہ:۔ اور عرش و کرسی حق ہے۔

شرح:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ (البروج/۱۵)

ترجمہ:۔ مالک عرش کا بڑی شان والا۔

رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ (المؤمن /۱۵)

ترجمہ:۔ وہی ہے اونچے درجوں والا مالک عرش کا۔

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰهٰ/۵)

ترجمہ:۔وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المؤمنون /۱۱٦)

ترجمہ:۔کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے مالک اس عزت کے تخت کا۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ (غافر/۷)

ترجمہ:۔جو لوگ اُٹھا رہے ہیں عرش کو۔

وَتَرَى الْمَلٰئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ (الزمر/۷۵)

ترجمہ:۔اور تو دیکھے فرشتوں کو گھِر رہے ہیں عرش کے گرد۔

حدیث میں دعائے کرب ہے۔

لَا اِلٰه اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ربُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

حدیث میں ہے اللہ سے جب جنت کا سوال کرو تو فردوس کا کرو کیونکہ یہ اعلیٰ اور بیچ کی جنت ہے۔ ''وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ''اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔

اہل کلام کے ایک طائفہ کا خیال ہے کہ عرش ایک مستدیر فلک ہے جو پورے عالم کو ہر جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔اور کبھی اس کو فلک اطلس اور کبھی فلک تاسع کہتے ہیں۔لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ شریعت میں یہ ثابت ہے کہ عرش کے پایوں کو فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے۔عرش لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ارشاد ہے۔

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْم (النمل/۲۳) ترجمہ:۔اوراس کاایک تخت ہے بڑا۔
یہ فلک نہیں اور نہ عرب عرش سے فلک مراد لیتے ہیں حالانکہ قرآن عرب کی لغت کے مطابق اتارا گیا ہے۔پس عرش پایوں والا ہے جس کو فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے پوری عالم پر ایک قُبہ کی طرح ہے اور مخلوقات کی چھت ہے۔ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے۔ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال ہے اور ہر آسمان کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔

کرسی:۔

ارشاد ہے۔وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرة/۲۵۵)
ترجمہ:۔گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو۔
بعض کے نزدیک کرسی سے مراد عرش ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ دونوں میں غیریت ہے۔کرسی سے مراد پاؤں کی جگہ ہے۔کرسی کی تاویل علم کے ساتھ صحیح نہیں زمین وآسمان کرسی کے جوف میں آتے ہیں لیکن کرسی کی حیثیت عرش کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کہ ایک کھلے میدان میں انگوٹھی کا حلقہ۔

عقیدہ نمبر ۵۰:۔

قوله: وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهٗ۔
ترجمہ:۔اور وہ عرش اور غیر عرش سے مستغنی ہے۔

شرح:۔چونکہ عرش سلطنت کے پایہ تخت کو کہتے ہیں اور استویٰ اس پر براجمان

ہونے کو کہتے ہیں تو بظاہر گزشتہ عقیدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید بادشاہوں کی طرح اللہ بھی اپنے پایہ تخت یا کسی اور چیز کا محتاج ہوگا۔ لیکن اس عقیدہ میں یہ بتلا دیا کہ اللہ نہ تو عرش کا محتاج ہے نہ کسی اور چیز کا۔ اس لئے کہ عرش بھی مخلوق ہے اور وہ چونکہ خالق بھی ہے وہ اپنی مخلوق کا محتاج نہیں۔ ارشاد ہے

اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (العنکبوت/٦)

ترجمہ:۔ اللہ کو پرواہ نہیں جہان والوں کی۔

وَاللّٰہُ ھُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (الفاطر/١٥)

ترجمہ:۔ اور اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا۔

عرش اور کرسی کو اپنے کسی احتیاج کی وجہ سے نہیں پیدا کیا بلکہ کوئی حکمت ہوگی عرش چونکہ تمام آسمانوں کے اوپر ہے اور پورا عالم مع آسمان کے اس کے نیچے ہے عالی کا سافل کے اوپر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سافل عالی کے لئے حاوی ہے، یا عالی کا احاطہ کئے ہوئے ہے یا عالی کے لئے حامل ہے۔ اس طرح عالی واعلیٰ عرش عالم کا محتاج ہے۔ آسمان زمین کے اوپر ہے لیکن آسمان زمین کا محتاج نہیں۔ بلکہ عرش اس کا محتاج ہے اور وہ جس طرح عالم پر محیط ہے اسی طرح عرش پر بھی محیط ہے۔

عقیدہ نمبر ۵۱:۔

قولہ: مُحِیْطٌ بِکُلِّ شَیْءٍ وَفَوْقَہٗ وَقَدْ اَعْجَزَ عَنِ الْاِحَاطَۃِ خَلْقَہٗ۔

ترجمہ:۔ ہر چیز کو محیط ہے اور ہر چیز کے اوپر ہے اور اس کی مخلوق اس کا

احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

شرح:۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وَاللّٰهُ مِنْ وَرَآئِهِمْ مُحِيطٌ (البروج/۲۰)

ترجمہ:۔اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔

اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ (فصلت/۵۴)

ترجمہ:۔سنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطاً (النساء/ ۱۲)

ترجمہ:۔اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں۔

اللہ تمام آسمانوں اور عرش و کرسی سے بلند و اعلیٰ ہے اور تمام مخلوقات پر محیط ہے۔ یہ احاطہ فلک کی طرح نہیں کہ تمام مخلوقات اس کی ذات مقدسہ میں داخل ہو جائیں۔ مراد اس احاطہ سے اس کی عظمت، وسعت، علم اور قدرت کا احاطہ ہے۔تمام مخلوقات کی مثال اس کی عظمت اور قدرت کے سامنے رائی کے دانہ کی طرح ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے یہ رحمٰن کے ہاتھ میں ایسے ہیں جیسے تم میں سے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (النحل/۶۰) ترجمہ:۔اور اللہ کی مثال سب سے اوپر۔

یہ بات بھی معلوم ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو اس کو اپنے قبضہ میں لے اس کا قبضہ اس پر محیط ہوگا۔ چاہے تو اس کو نیچے کر لے۔ ہر حال میں رائی کا دانہ آدمی کے ہاتھ سے مبائن بھی ہے اور محاط بھی۔ پھر اللہ جیسے عظیم بادشاہ کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی عظمت کوئی بیان نہیں کر سکتا۔اس کے سامنے پورے عالم کی کیا

حیثیت ہے چاہے توفی الحال تمام آسمانوں اور زمینوں کو مُٹھی میں لے لے۔

فوقیت:۔

ارشاد ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (الانعام/۱۸)

ترجمہ:۔ اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (النحل/۵۰)

ترجمہ:۔ ڈرر کھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے۔

حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں

لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِيْ كِتَابٍ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ۔

جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو عرش کے اوپر اس کے پاس ایک کتاب ہے اس میں لکھ دیا میری رحمت میرے غضب پر سبقت کی ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے ﴿وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ﴾ تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی شی نہیں۔ یہاں ظہور سے مراد علو ہے۔ حضرت عمرؓ کا گزر ایک بڑھیا پر ہوا۔ بڑھیا نے حضرت عمرؓ کو روک دیا۔ رک کر اس کے ساتھ بات چیت شروع کی۔ کسی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ! ایک بڑھیا کی وجہ سے آپ نے سب لوگوں کو روک دیا ہے حضرت عمرؓ نے کہا تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے یہ وہ عورت ہے جس کا شکوہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا ہے یہ خولہؓ ہے۔

فوقیت اور علو کے مزید دلائل:۔

(۱) تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (المعارج/۴)

ترجمہ:۔ چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح۔

(۲) اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (الفاطر/۱۰)

ترجمہ:۔ اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا۔

(۳) بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء/۱۵۸)

ترجمہ:۔ بلکہ اس کو اُٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف۔

(۴) وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرۃ/۲۵۵)

ترجمہ:۔ اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

اس آیت میں ذاتاً، قدراً اور شرفاً علو کے تمام مراتب اللہ کے لئے ثابت ہیں۔

(۵) وہ آیات جن میں قرآن کے نزول کا ذکر ہے۔ مثلاً

تَنْزِيْلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (حٰمٓ سجدہ/۲)

ترجمہ:۔ اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ (الدخان/۳)

ترجمہ:۔ ہم نے اس کو اُتارا ایک برکت کی رات میں۔

(۶) شَهَادَةٌ لِّمَنْ قَالَ اِنَّ رَبَّهٗ فِي السَّمَاءِ بِالْاِيْمَان ۔ جس نے کہا اللہ آسمان میں ہے اس کے ایمان کی گواہی۔

(۷) فوقیت کے انکار کے ساتھ رؤیت کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جنتی

اپنے اوپر سے دیکھیں گے۔

فوقیت کی قسمیں:۔

(۱) فوقية القهر (ہرایک پر غالب) (۲) فوقية القدر (ہرایک سے بلند مرتبہ)(۳)فوقية الذات (سب سے بالاذات(۴)فوقية الصفات (جملہ اوصاف میں بالا)

علو کا ثبوت فطری:۔

فطرت سلیم والے طبعاً دعا میں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتے ہیں اور عاجزی کے وقت دل سے اللہ کی علو کا قصد کرتے ہیں۔محمد بن طاہر المقدسیؒ کہتے ہیں کہ شیخ ابو جعفر الہمدانیؒ امام الحرمین الجوینیؒ کی مجلس میں حاضر ہوا۔تو امام الحرمین صفت علو کی نفی پر کلام کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ كَانَ اللّٰهُ وَلَا عَرْشَ وَهُوَالْاٰن كَمَا كَانَ ۔اللہ تھا اور عرش نہیں تھا اور وہ اب بھی اسی طرح ہے۔شیخ ابو جعفر نے کہا اے استاذ صاحب ہمارے دلوں میں اللہ کی جو فطری علو ہے اس کے بارے میں بتائیں۔جب بھی کسی عارف کے دل سے نکلتا ہے''یا اللہ'' تو اس کے دل میں ضرور اللہ کے لئے علو پایا جاتا ہے۔دائیں بائیں التفات نہیں کرتا۔ہم اللہ تعالیٰ کی اس فطری علو کو کیسے اپنے دلوں سے نکالیں۔امام الحرمینؒ نے اس کے سر پر تھپڑ مارا اور نیچے اترا اور روتے ہوئے کہا حیّرنی الھمدانی ،حیّرنی الھمدانی الہمدانی نے مجھے حیران کیا الہمدانی نے مجھے حیران کیا۔یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت علو لوگوں کے دل ودماغ

میں ایک ایسی فطری علو ہے جو بغیر تعلیم کے ہر فطرت وطبیعت میں موجود ہے۔

عقیدہ نمبر ۵۲:۔

قولہ: وَنَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ اِتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً وَكَلَّمَ مُوْسیٰ تَكْلِيْماً اِيْمَاناً وَتَصْدِيْقاً وَتَسْلِيْماً۔

ترجمہ:۔ اور ہم ایمان، تصدیق اور تسلیم کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا ہے اور موسیٰؑ کے ساتھ کلام کیا ہے۔

شرح:۔ خُلة کمال محبت کو کہتے ہیں۔ معتزلہ اور جہمیہ کا خیال ہے کہ محبت، دوستی اور کلام کے لئے جانبین میں مناسبت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ حادث ہیں۔ قدیم اور حادث میں کوئی جوڑ اور مناسبت نہیں۔ اس لئے انہوں نے خُلة اور حقیقت تکلیم کا انکار کر دیا کہ ابراہیمؑ خلیل اللہ نہیں اور موسیٰؑ کلیم اللہ نہیں۔ سب سے پہلے اس کا انکار دوسری صدی میں جعد بن درہم نے کیا۔ اس زمانے کے تابعین علماء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ لہٰذا عراق کے امیر خالد بن عبداللہ القشیری نے عیدالاضحیٰ کے دن خطبہ دیا اور کہا اے لوگو! قربانیاں دو اللہ تمہاری قربانیاں قبول فرمائے اور میں جعد بن درہم کی قربانی دیتا ہوں اس لئے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ ابراہیمؑ خلیل اللہ نہیں اور موسیٰؑ کلیم اللہ نہیں۔ منبر سے اترے اور جعد بن درہم کو ذبح کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً (النساء/۱۲۵) ترجمہ:۔ اور اللہ نے بنالیا

ابراہیم کو خالص دوست۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسىٰ تَكْلِيْمًا (النساء/۱۶۴)

ترجمہ:۔اور باتیں کی اللہ نے موسیٰؑ سے بول کر۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے میں اگر روئے زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابوبکرؓ ہوتے لیکن تمہارے صاحب (محمد ﷺ) خلیل اللہ ہیں اس حدیث سے حضور ﷺ کی اللہ کے ساتھ خُلت ثابت ہوئی۔ایک ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیمؑ کو خلیل بنایا ہے۔

(نوٹ) اللہ تعالیٰ کی محبت اور خُلت اس کی شان کے مناسب ہے جس طرح اللہ کی تمام صفات کا حال ہے۔

خُلت میں چونکہ کمال محبت ہوتی ہے جس میں غیر کی شرکت اور مزاحمت آڑے نہیں آتی۔جب ابراہیمؑ کو اللہ نے خلیل بنایا تو ابراہیمؑ نے اللہ سے ولد صالح طلب کیا۔اللہ نے اسماعیلؑ عطا کیا۔جس کی محبت اس کے دل میں جگہ پکڑ گئی۔تو اللہ نے اس کا اس ولد کے ذبح کے ساتھ امتحان لیا تا کہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ خُلت ولد کی محبت سے بڑھ کر ہے۔چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔جس طرح آپ ﷺ خلیل ہیں اسی طرح کلیم اللہ بھی ہیں۔اور حدیث اسراء سے ثابت ہے۔

عقیدہ نمبر ۵۴:۔

قولہ: وَنُؤْمِنُ بِالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلىٰ

الْمُرْسَلِيْنَ وَنَشْهَدُ أَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ۔

ترجمہ:۔ اور ہم ایمان رکھتے ہیں فرشتوں پر اور نبیوں پر اور کتابوں پر جو رسولوں پر نازل ہوئی ہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام واضح حق پر تھے۔

شرح:۔ اس عقیدہ میں ایمان کے ارکان کا ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِا للّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرہ/۲۸۵)

ترجمہ:۔ مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔

ارشاد ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِا للّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرۃ/۱۷۷)

ترجمہ:۔ نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ملائکہ، انبیاء اور کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے اگر

ان کا کوئی انکار کرے تو کافر ہے۔ارشاد باری ہے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا(النساء/١٣٦)

ترجمہ:۔اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا۔

حدیث جبرئیل میں ان بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔مؤمن ان امور کی تصدیق کرتا ہے۔انبیاء کرام کے دشمن اور فلاسفہ اور اھل بدعت کی راہ پر چلنے والے ان بنیادی عقائد کا انکار کرتے ہیں۔یہ لوگ انکار میں متفاوت ہیں۔فلاسفہ جو خود کو حکماء کہتے ہیں وہ ان عقائد کا انکار کرتے ہیں۔ان کا مذہب ہے کہ اللہ موجود ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت و ماہیت نہیں۔اللہ جزئیات کو بعینہ نہیں جانتا اور ہر موجود خارج میں جزئی ہے۔اللہ اپنی مشیت اور قدرت سے کچھ بھی نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ سے سمع، بصر اور تمام صفات کی نفی کرتے ہیں۔یہ ہے ان کا ایمان باللہ۔

فلاسفہ کا ایمان بالکتب:۔

اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کلام نہیں مانتے وہ کسی کے ساتھ کلام نہیں کرتا۔وہ قال یقول سے پاک ہے۔قرآن ان کے نزدیک پاک وصاف نفس پر عقل فعال کا فیضان ہے۔وہ پاک انسان نوع انسانی میں تین امتیازی اوصاف رکھتا ہے۔

(۱) بنسبت اور لوگوں کے اس کی ادراک کی قوت بڑی تیز ہے۔

(۲) اس کی قوت نفس ھیولیٰ عالم میں بڑی مؤثر ہے

(۳) مضبوط قوت متخیلہ کا مالک ہوتا ہے تا کہ قوائے عقلیہ کا مختلف شکلوں میں ادراک کر سکے۔

فلاسفہ کا ایمان بالملائکہ:۔

ملائکہ ان کے نزدیک عقلی قوتیں ہیں۔خارج میں کوئی الگ ذات اور وجود نہیں جو کبھی آسمانوں پر چڑھے کبھی نزول کرے، کبھی جائے کبھی آئے، کبھی نظر آئے اور کبھی رسول کے ساتھ خطاب کرے۔فرشتے صرف ذھنی امور ہیں خارج میں ان کا اعیان کی صورت میں کوئی وجود نہیں۔سر سید احمد خان کے نزدیک ملائکہ اور شیطان کوئی الگ مخلوق نہیں یہ انسان میں خیر وشر کی قوتوں کا نام ہے۔کہتا ہے جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہوسکتا بلکہ خدا کی بے انتہاء قوتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا گیا ہے

فلاسفہ کا ایمان بالآخرۃ:۔

سب سے زیادہ آخرت کی تکذیب فلاسفہ کرتے ہیں۔ان کے نزدیک اس عالم کی توڑ پھوڑ نہیں ہوگی، نہ آسمان ٹوٹے گا، نہ ستارے گریں گے، نہ چاند وسورج بے نور ہوں گے اور نہ لوگ قبور سے اُٹھیں گے۔نہ جنت میں جائیں گے نہ دوزخ میں یہ صرف عوامی تفہیم کے لئے مثالیں ہیں خارج میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

براھمہ کا انکارِ بعثتِ انبیاء:۔

براہمہ اہل ہند کے بیوقوفوں اور گدھوں کا ایک ٹولہ ہے جو دو وجوہ کی بناء پر انبیاء

کرام کی بعثت کا انکار کرتے ہیں۔

(۱) نبی کی بات عقل کے موافق ہوگی یا مخالف۔اگر عقل کے موافق ہے تو نبی کی حاجت نہیں۔اگر مخالف ہے تو اس کی معرفت ممکن نہیں تو نبی کی کیا حاجت ہوئی۔

(۲) انبیاء کرام بہائم کے ذبح کا حکم دیتے ہیں حالانکہ ان کا کوئی جرم نہیں۔اس طرح بلا جرم ذبح کرنا قبیح ہے لہٰذا انبیاء کرام کی بعثت جائز نہیں۔

روافض کے اصول اربعہ:۔

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت

ابو طاہر مکی فرماتے ہیں ایمان کے ارکان سات ہیں (۱) اللہ (۲) ملائکہ (۳) رسل (۴) فرشتے (۵) یوم آخرت (۶) قدر (۷) جنت اور دوزخ پر ایمان جو ادلہ قطعیہ سے ثابت ہیں۔

ایمان باللہ:۔

ایمان باللہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا خالق اور مالک ہے۔اس کی ذات وصفات وافعال کا جاننا اور ماننا ضروری ہے تاکہ اس کے احکامات کو ماننا آسان ہو جائے۔کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے احسان کے نیچے دبا ہوا ہے اس عظیم ذات کا سب سے پہلے تسلیم کرنا بنیادی عقیدہ ہے اور اللہ کا سب سے بڑا شکریہ ہے۔شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے ساتھ بندہ کے اندر صفت اخبات یعنی بارگاہ خداوندی میں نیاز مندی اور انکساری پیدا ہوتی ہے جو سعادت حاصل

کرنے والے اخلاق میں سب سے بڑی صفت ہے۔توحید کی وجہ سے انسان کو اس کی طرف توجہ تام حاصل ہوتی ہے۔اور عمدہ طریقے سے اللہ کے ساتھ وصل کی نفس کے اندر استعداد پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح تمام نیکیوں میں توحید بمنزلہ دل کے ہے پورے جسم کی اصلاح وفساد کا دارومدار دل پر ہے۔

ایمان بالملائکہ:۔

ملائکہ پر ایمان اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری خدمت کے ان کے ذمہ مختلف ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں۔کائنات کی ہر حرکت ان کی وجہ سے صادر ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْراً (النازعات/۵) ترجمہ:۔پھر کام بنانے والے کی حکم سے

فَالْمُقَسِّمَاتِ اَمْراً (الذاریات/۴) ترجمہ:۔پھر بانٹنے والیاں حکم سے

ملائکہ کی مختلف قسمیں ہیں۔حضرت جبرئیلؑ انبیاء کرام کی طرف وحی لاتے ہیں جس کی وجہ سے ارواح اور قلوب کو زندگی ملتی ہے۔میکائیلؑ بارش پر مقرر ہے جس کی وجہ سے زمین،نباتات اور حیوانات کو زندگی ملتی ہے۔حضرت اسرافیلؑ صور پھونکیں گے جس کی وجہ سے لوگوں کو بعدالوفات ازسرنو حیات ملے گی۔کوئی پہاڑوں پر مقرر ہے۔کوئی رحم کے اندر نطفے سے مکمل انسان بنانے پر مامور ہے۔بعض انسانوں کی حفاظت پر مامور ہیں۔بعض اعمال لکھتے ہیں۔کوئی ارواح قبض کرتے ہیں۔بعض قبر کے اندر سوال وجواب پر مامور ہیں۔کوئی دوزخ کی آگ سلگانے اور عذاب پر مقرر ہیں۔بعض جنت کی تعمیر میں مصروف ہیں۔الحاصل اللہ کا ایک عظیم اور مکرم لشکر

ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (النحل/٥٠)

ترجمہ:۔ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

مختلف آیات اور بہت سی احادیث سے ان کے مختلف کام معلوم ہوتے ہیں۔اور عبادت میں بھی مصروف ہیں۔کثیر تعداد میں آیات اور احادیث سے ان کا وجود اور ذمہ داریاں معلوم ہوتی ہیں اب ان کے وجود کا انکار کرنا یا ان کو خیر کی قوت کہنا ان قطعی نصوص کا انکار ہے جو کفر ہے۔

انبیاء کرام پر ایمان:۔

انبیاء کرام خالق اور مخلوق کے مابین ایک مقدس اور صحیح واسطہ ہیں جن کی وجہ سے مخلوق کا تعلق خالق کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس بات سے خوش ہوتے ہیں اور کس بات سے ناراض ہوتے ہیں۔یہ ایسی باتیں ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کرسکتی۔بندے تو اپنی عقل کی وجہ سے ایک دوسرے کی خوشی اور ناراضگی معلوم نہیں کرسکتے کہ کون کس بات سے خوش ہوتا ہے کس بات سے ناراض ہوتا ہے۔اللہ کے بارے میں تو بالکل ناممکن ہے۔یورپ اور امریکہ اس وقت دنیاوی اسباب کے لحاظ سے عروج پر ہے۔راحت،ترقی،چین اور عیاشی کا پورا سامان موجود ہے لیکن یہ چیزیں خود مفقود ہیں۔جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نبی کو اور اس کی تعلیمات کو نہیں مانتے۔ورنہ عقل اور ٹیکنالوجی ان کی عروج پر ہے۔اس کے مقابلے میں جو لوگ انبیاء کو مانتے ہیں،ان کی تعلیمات کو مانتے ہیں ان کی زندگی چین،سکون،عزت

اور راحت والی ہے۔محبت ،لذت ، برکت ،عزت ،اطمینان کا دور دورہ ہوتا ہے۔اللہ نے لوگوں کو جس خیر کے پہنچانے کا ارادہ کیا ہے وہ نبی کے ماننے میں ہے۔

بعثت رسول کی مثال:۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: اللہ کی شان نبوت کے معاملے میں اس آقا جیسی ہے جس کے غلام بیمار پڑے ہوں۔آقا اپنے کسی مخصوص بندے (حکیم) کو حکم دے کہ ان غلاموں کو دوا پلاؤ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔اگر حکیم ان کو دوائی پلانے میں سختی کرے تو حق بجانب ہے۔مگر لطف کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے دوا کے بارے میں ان کا ذہن بنائے۔ان کو ان کی بیماری کے بارے میں سمجھائے۔اور بتلائے کہ یہ دوا بڑی مفید ہے۔نیز حکیم ان کے سامنے کوئی خارق عادت کام کرے جس کی وجہ سے غلام مطمئن ہو جائیں کہ وہ سچا ہے۔اور پھر وہ کڑوی دوا میٹھی کر کے پلائے تو تمام غلام اس دوا کو علیٰ وجہ البصیرت اور پوری رغبت کے ساتھ استعمال کریں گے۔یورپ ،امریکہ اور کفری ممالک مکمل بیمار ہیں اس لئے کہ وہ اس حکیم (نبی ﷺ) کی دوا کو استعمال نہیں کرتے۔

انبیاء پر ایمان کا طریقہ:۔

ان تمام انبیاء ورسل پر ہمارا ایمان ہے جن کا ذکر اللہ نے قرآن مجید میں کیا ہے یا جن کا ذکر نہیں کیا۔ان کے اسماء اور عدد صرف اللہ کو معلوم ہے۔ہمارا ایمان تمام انبیاء ورسل پر ہے کیونکہ ان کی تعداد کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے۔ارشاد باری ہے

وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (النساء/۱۶۴)

ترجمہ:۔اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کے احوال ہم نے سنائے تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول جن کے احوال نہیں سنائے تجھ کو۔

ہمارا ایمان ہے کہ انہوں نے تبلیغ میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی۔اور خوب کھول کھول کر تبلیغی امور کا بیان کیا ہے۔حضور ﷺ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اجمالی اور تفصیلی باتوں کی ہم تصدیق کرتے ہیں۔

کتابوں پر ایمان:۔

اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی کتب کے اندر دین واسلام یعنی عقائد و اعمال کا ذکر ہوتا ہے۔اللہ کی رضا اور ناراضگی کی تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔جن کی تشریح نبی ﷺ کرتا ہے۔اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کو حق، ہدایت، نور، بیان اور شفاء سمجھنا ضروری ہے۔اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی نجات دہندہ ہدایات اس کتاب میں یقینی طور پر موجود ہوتی ہیں۔ان کو کوئی نہ مانے تو نجات کا راستہ بند ہو جائے گا۔

تقدیر پر ایمان:۔

اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کو اپنی تدبیر یعنی تقدیر کا پابند کر دیا ہے ورنہ پوری دنیا کب کی ایک دوسرے کو زیر وزبر کر چکی ہوتی۔انسان کو لگام دیدی کہیں خدائی کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں"عَرَفْتُ اللّٰهَ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ" میں نے اللہ کو

اپنے ارادوں کی ناکامی کی وجہ سے پہچانا ہے۔تقدیر کا فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں رونما ہونے والے ناخوشگوار حالات وواقعات، اور حادثات سے آدمی مطمئن رہتا ہے۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ (الحدید/۲۳)

ترجمہ:۔تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا۔

آخرت پر ایمان:۔

آخرت پر ایمان اسلیے ضروری ہے کہ آدمی جزا کی خاطر نیک عمل کرتا ہے اور سزا کی وجہ سے بُرے عمل سے بچتا ہے۔بُرے اور نیک عمل کی جزا کے لئے آخرت ہے۔آدمی اپنے نیک اعمال پر مطمئن رہتا ہے کہ سعی رائیگاں نہیں۔جزائے عمل اس لئے ضروری ہے کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔اگر اچھے اور بُرے عمل کا ردعمل، اثر اور نتیجہ سامنے نہ آئے تو آخر عمل کہاں چلا گیا عقل کو جواب نہیں ملتا۔

سوال:۔دنیا میں ثواب وعذاب کیوں نہیں ملتا؟

جواب:۔دنیا دار العمل ہے دار الجزاء نہیں۔اگر دنیا میں جزا وسزا کا سلسلہ شروع ہوجائے تو امتحان ختم ہوجائے گا۔دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو جزا وسزا دینا چاہتے ہیں اس کے لئے یہ دنیا ناکافی ہے۔بلکہ ایک جنتی کے اجر کے لئے ناکافی ہے اللہ کے کئے گئے وعدوں کو دیکھا جائے تو صرف ایک انسان کے ذکر کے جزا کے لئے دنیا ناکافی ہے۔ایک سبحان اللہ کی وجہ سے ایک ایسا سایہ دار درخت جنت میں لگتا ہے کہ پانچ سو سال تک تیز رفتار گھوڑے اس کے سائے کے نیچے دوڑے تو ختم نہ ہو۔

عقیدہ نمبر ۵۴:۔

قولہ: وَنُسَمِّیْ اَھْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِیْنَ مُؤْمِنِیْنَ مَادَامُوْا بِمَا جَاءَ بِہٖ النَّبِیُّ ﷺ مُعْتَرِفِیْنَ وَلَہٗ بِکُلِّ مَا قَالَہٗ وَاَخْبَرَ مُصَدِّقِیْنَ۔

ترجمہ:۔اور ہم اپنے اہل قبلہ کا نام مسلمان اور مؤمن رکھتے ہیں جب تک وہ حضور ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کا اعتراف کرتے رہیں گے ۔اور آپ ﷺ کی کہی ہوئی اور خبر دی ہوئی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

شرح:۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے ۔اس کو وہ چیز فائدہ دے گی جو ہمارے لئے مفید ہے اور وہی چیز ضرر دے گی جو ہمیں ضرر دیتی ہے۔اس عقیدہ میں اشارہ ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے اور جب تک مسلمان کسی گناہ کو حلال نہ سمجھے اسلام سے گناہ کے ارتکاب کے ساتھ نہیں نکلتا۔

اھل قبلتنا سے مراد مدعی اسلام اور وہ شخص ہے جو قبلہ کی طرف منہ کرتا ہو (یعنی نمازی ہو) اگرچہ گنہگار اور اہل ھوئ سے ہو۔ ہاں اگر حضور ﷺ کی لائی ہوئی کسی بات کی تکذیب کرے تو کافر ہوگا۔شریعت کی جو بات جس حیثیت سے ثابت ہے اس حیثیت کا انکار کفر ہوگا۔مثلاً کوئی بات فرض، کوئی واجب، کوئی سنت، مثلاً ایک آدمی ظہر کی نماز کی فرضیت کا انکار کرتا ہے تو کافر ہے۔دوسرا مسواک کے سنت ہونے

کا انکار کرے تو کافر ہے۔ یا شریعت کی کسی چھوٹی یا بڑی بات کا مذاق اڑاتا ہے تو کافر ہے۔ مثلاً ڈاڑھی یا مسواک کا مذاق اڑائے یا زبان سے کوئی کلمہ کفر نکالے یا کوئی ایسی بات کہے جس سے حضور ﷺ کی تکذیب لازم ہوتی ہو یا کوئی ایسا فعل کرے جو حضور ﷺ کی تکذیب کی علامت ہو۔ مثلاً بت کے سامنے سجدہ کرے، یا قرآن مجید کی قصداً بے حرمتی کرے۔

عقیدہ نمبر ۵۵:۔

قولہ: وَلَا نَخُوضُ فِی اللّٰہِ وَلَا نُمَارِیْ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ ۔

ترجمہ:۔ اور ہم اللہ کی ذات میں غور و خوض نہیں کرتے اور اللہ کے دین میں جھگڑا نہیں کرتے۔

شرح:۔ اس عقیدہ میں متکلمین کے باطل کلام کا رد ہے۔ اللہ کی ذات میں غور وخوض منع ہے کیونکہ وہ ایسا غیب ہے جس کا پانا مخلوق کے بس سے باہر ہے۔ ہمارا غور وفکر ایک تخمینہ اور اندازہ ہوگا۔ بغیر دلیل کے گفتگو منع ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِّنْ رَّبِّھِمُ الْھُدٰی (النجم/۲۳)

ترجمہ:۔ محض اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیون کی امنگ ہے اور پہنچی ہے ان کو ان کے رب سے راہ کی سوجھ۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کسی کو مناسب نہیں کہ اللہ کی ذات کے بارے میں کوئی

کلام کرے۔ بلکہ اس کے بارے میں وہی بات کہے جو اس نے خود اپنے بارے میں کہی ہے۔ شرعی نصوص میں اس کی ذات وصفات کے بارے میں جو حدود ہیں اس سے تجاوز نہ کرے۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ فرماتے ہیں میں جس پر اپنی صفات اور اسماء کی پابندی لازم کر دیتا ہے تو اس پر ادب کو لازم قرار دیتا ہوں۔ اور جس کے سامنے اپنی ذات کی حقیقت کھول دیتا ہوں تو اس کو ہلاک کر دیتا ہوں۔ اب آپ کی مرضی کہ ہلاک ہونا چاہتے ہو یا با ادب بننا چاہتے ہو۔ اللہ نے جب پہاڑ کو اپنی ذات کا نظارہ دکھایا تو ریزہ ریزہ ہو گیا اس کی ذات کی عظمت کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے بارے میں زیادہ لب کشائی ترک ادب ہے۔ وہ کیونکر خدا ہے جو سمجھ میں آوے۔ شاعر کہتا ہے ؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوقات کا ابھی تک کسی نے صحیح ادراک نہیں کیا تو مخلوق کے خالق کا کیا ادراک کریں گے۔ ہر انسان کی عقل بہت محدود اور ناقص ہے۔ بلاتشبیہ مثال دی جا سکتی ہے کہ دو من کی بوری سنار کے کانٹے میں نہیں تُلتی اس کا تُلنا کمزور ترازو اور سکیل کو سرے سے ختم کر دے گا۔ بوری تُلنا تو دور کی بات ہے۔

ولا تُماری: ۔ اہل حق کے ساتھ دین کے بارے میں اُلجھنا، شکوک وشبہات پیش کرنا، ان کو دین کے بارے میں مشوش کرنا تلبیس، فساد اور جھگڑا ہے۔ شکوک ڈالنا آسان ہے مشکل نہیں۔ پاگل، بے وقوف اور بچہ بھی یہ کام کر سکتا ہے۔ یہ تخریب ہے

تخریب کے لئے علمی قابلیت کی ضرورت نہیں۔ شکوک کا جواب اور تعمیری کام مشکل ہے۔ اس لئے اہل حق کو شکوک وشبہات کے ذریعے مشکل میں ڈالنا فساد ہے۔ شکوک ڈالنے کا مقصد باطل کی دعوت ہوتی ہے۔ دین کے بارے میں اس طرح کا جھگڑے مسلمان کو زیب نہیں دیتے۔ مسلمان کا معنیٰ ہے منقاد اور تابعدار۔ فوج میں بھرتی ہونے کے بعد تمام فوجی قوانین کو دل وجان سے مانتے ہیں۔ فوجی قوانین میں کیڑے نہیں نکالتا۔ ان کی قوانین کی کوئی بات عقل میں آئے یا نہ آئے بس سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ اور کہتا ہے (orderisorder) حکم تو بس حکم ہے۔ لیکن جب بات اسلام کی آتی ہے تو پھر فلسفے تلاش کرتا ہے کہ مجھے سمجھاؤ تب مانوں گا۔ فوج کے قوانین غلط بھی ہوسکتے ہیں خالی از حکمت بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی بلاچون وچرا تسلیم کرتا ہے لیکن مذہب اسلام جو علاّم اور خبیر کی طرف سے حکمت بالغہ کے تحت وجود میں آیا ہے جہاں تک اس کی ناقص عقل کی رسائی نہیں اس میں کیڑے نکالتا ہے۔ باطل مذاہب والے بڑے بڑے فلاسفر، سائنسدان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اپنے اپنے مذاہب کو من وعن قبول کرتے ہیں۔ لیکن آج کا مادہ پرست اور اغیار وکفار سے متاثر مسلمان اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شکوک کا شکار ہوکر دوسروں کو بھی شک کی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسلام سچ اور حق مذہب ہے۔ کوئی بات نہ سمجھے تو یوں کہہ دے کہ اسلام حق اور سچ ہے میری عقل کی رسائی اس کی تہہ تک نہیں ہوسکتی۔ باطل مذاہب کے پیروکاروں کی طرف دیکھیں کس طرح اپنے اپنے مذاہب پر کاربند ہیں۔

عقیدہ نمبر ۵۶:۔

قولہ: وَلاَ نُجاَ دِلُ فِی الْقُرْاٰنِ وَنَشْهَدُ اَنَّهٗ كَلاَمُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ فَعَلَّمَهٗ سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّداً ﷺ وَهُوَ كَلاَمُ اللّٰهِ تَعَالٰی لَا یُساوِیْهِ شَیْءٌ مِنْ كَلاَمِ الْمَخْلُوْقِیْنَ وَلاَ نَقُوْلُ بِخَلْقِهٖ وَلاَ نُخَالِفُ جَماَعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ:۔ اور ہم قرآن میں جدال نہیں کرتے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ رب العلمین کا کلام ہے روح الامین (جبرئیلؑ) اس کو لے کر اترے ہیں پھر یہ کلام سید المرسلین کو سکھایا۔ اور وہ اللہ کا کلام ہے مخلوق کا کلام اللہ کے کلام کے مساوی نہیں ہوسکتا۔ اور ہم اس قرآن کو مخلوق نہیں کہتے اور ہم مسلمانوں کی جماعت کا خلاف نہیں کرتے۔

شرح:۔ ہم اہل باطل کی طرح قرآن مجید میں اختلاف برائے اختلاف نہیں کرتے۔ باطل والے اپنی کج روی اور اختلاف کی وجہ سے اہل حق کو حق سے پھسلاتے ہیں۔ ہم اس کو رب العلمین کا کلام سمجھتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ اس کو لے کر اترے۔ یا اس عقیدہ میں اشارہ ہے کہ ہم ان ثابت شدہ قراٗتوں میں اختلاف نہیں کرتے بلکہ اس کو پڑھتے ہیں۔ الحمدللہ جامعہ عثمانیہ پشاور کی مسجد میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبدالغفور صاحب جہری نماز میں ثابت شدہ دس قراٗتوں میں تلاوت فرماتے

ہیں ۔مثلاً (۱) نافع مدنی (۲) ابن کثیر مکی (۳) ابوعمر بصریؒ (۴) ابن عامر شامیؒ (۵)
عاصم کوفیؒ (۶) حمزہ کوفیؒ (۷) کسائی کوفیؒ (۸) ابوجعفر مدنیؒ (۹) یعقوب بصریؒ (۱۰)
خلف کوفیؒ ۔دس کے بعد چار امام جن کی قرأتیں شاذ ہیں وہ یہ ہیں (۱) ابن محیصؒ کی
قرأت (۲) یزیدیؒ کی قرأت (۳) حسن بصریؒ کی قرأت (۴) اعمشؒ کی قرأت
ان کا نماز ہونے میں اور قرآن ہونے میں اعتقاداً پڑھنا جائز نہیں ۔ابن مسعودؓ
فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ میں نے حضور ﷺ کو
اس قرأت کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا تھا ۔میں نے اس شخص کو ہاتھ سے پکڑا اور
سیدھا حضور ﷺ کے پاس لے گیا اور آپ ﷺ کو پورا قصہ سنایا ۔تو میں نے حضور
ﷺ کے چہرہ انور پر ناگواری دیکھی اور فرمایا تم دونوں کی قرأت صحیح ہے آپس میں
اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے اگلے لوگ آپس کے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوگئے ۔
حضرت عثمانؓ نے اختلاف سے بچانے کے لئے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا
ویسے ساتھ قرأتوں میں تلاوت جائز ہے ۔

قرآن مجید اللہ کی ذات سے نکلا ہوا بے کیف کلام ہے جس کو حضرت جبرئیلؑ لے
کر اترے ۔آپ کو روح الامین اس لئے کہتے ہیں کہ آپ وحی کے حامل ہیں اور آپ
کی لائی ہوئی وحی سے مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے ۔ارشاد ہے ۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (الشعراء/۱۹۳)

ترجمہ:۔ لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر ۔

ارشاد ہے ۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ (تکویر/۱۹ تا ۲۱)

ترجمہ:۔ مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا۔قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا سب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر ہے۔

فَعَلَّمَهُ سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ:۔ تصریح ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کو قرآن کی تعلیم دی ہے۔اس میں قرامطہ کے وہم کا بطلان ہے کہ قرآن حضور ﷺ کے دل ودماغ کا الہامی تصور ہے۔

وَلَا نَقُوْلُ بِخَلْقِهٖ : اشارہ ہے کہ ہم جماعت المسلمین کی اس بات میں مخالفت نہیں کرتے کہ قرآن غیر مخلوق ہے کیونکہ پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ کلام اللہ حقیقت میں غیر مخلوق ہے۔ جماعت المسلمین کی مخالفت بدعت اور گمراہی ہے۔قرآن مجید مخلوق کے کلام کے نہ مشابہ ہے نہ قریب بہ مشابہ ہے ہم گمراہ جہمیہ کی طرح قرآن کو مخلوق نہیں کہتے۔

عقیدہ نمبر ۵۷:۔

قوله: وَلَا نُكَفِّرُ أَحَداً مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ

ترجمہ:۔اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے جب تک وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔

شرح:۔ اہل قبلہ ایک اصطلاح ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات

دین کا انکار نہیں کرتے۔ضروریات دین سے مراد وہ دینی اور شرعی امور ہیں جن کا ثبوت قطعی اور یقینی ہو۔اور اس کے ساتھ ساتھ ہر خاص وعام کو اس کا یقینی ہونا بھی معلوم ہو۔مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت اور قطعیت کا ہر خاص وعام کو علم ہے۔ایسے ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔تو جو لوگ ان ضروریات دین کا انکار نہیں کرتے وہ اہل قبلہ کہلاتے ہیں۔انکار کی دو صورتیں ہیں (۱) ان کی حیثیت یعنی فرضیت کا انکار (۲) فرضیت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن کسی فرض کے اجماعی مفہوم کا انکار کردے۔مثلاً کوئی کہے کہ نماز کا انکار نہیں کرتا لیکن صلوٰۃ کا معنیٰ ہے دعا۔دعا مانگ لو بس نماز ادا ہوگئی۔

ہر اہل قبلہ کسی گناہ کی وجہ سے جب تک حضور ﷺ کی تکذیب لازم نہ ہوتی ہو کافر نہیں بنتا۔اس عقیدہ میں خوارج کے عقیدہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب سے آدمی کافر بن جاتا ہے۔اہل السنۃ والجماعۃ کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہتے جب تک قلباً اور اعتقاداً کسی گناہ کو حلال نہ جانے۔مثلاً کسی گناہ کے بارے میں اعتقاد رکھے کہ حرام نہیں۔کسی گناہ کو عملاً حلال جاننے سے کافر نہیں بنتا۔

معتزلہ کی بھی اس عقیدہ میں تردید ہے ان کے نزدیک گناہ گار نہ مؤمن ہے نہ کافر۔اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک گناہ کے ارتکاب سے تصدیق قلبی ختم نہیں ہوتی کبھی آدمی غلبہ شہوت سے گناہ یعنی زنا کرتا ہے، کبھی طیش اور غصہ میں آکر گناہ کرتا ہے یا کسی عار کی وجہ سے گناہ کرتا ہے مثلاً بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا۔کبھی سستی کی وجہ سے گناہ کرتا ہے مثلاً نماز نہ پڑھے۔ایسے گناہگاروں کو بھی خوف ہوتا ہے اور اللہ سے معافی

کی امید بھی رکھتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۵۸:۔

قولہ: وَلَا نَقُوْلُ لَا يَضُرُّ مَعَ الْاِيْمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهٗ۔

ترجمہ:۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں اس شخص کے لئے جو گناہ کرتا ہے۔

شرح:۔ گزشتہ عقیدہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ گناہ کے ارتکاب کے ساتھ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہوں پر گناہ کرتا چلا جائے کہ ایمان سے تو نکلتا نہیں لیکن ہر گناہ ایمان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ایمان کی دو قسمیں ہیں نفس ایمان اور کامل ایمان۔ کامل ایمان مرکب ہے تصدیق اور اعمال صالحہ سے۔ جبکہ نفس ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔ گناہ کرنے سے کامل ایمان جو مرکب ہے اس کے ایک جز اعمال صالحہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر انسان مسلسل گناہ کرتا چلا جائے تو ممکن ہے کہ ایک وقت آئے اور نفس ایمان اس کا متاثر ہو جائے۔ گناہ مکمل طور پر اس کے دل پر اس طرح چھا جائیں کہ تصدیق کو ختم کر دیں۔ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ سے ایمان و تصدیق کو نقصان پہنچتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ/۸۱)

ترجمہ:۔ جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں

دوزخ کے رہنے والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

گناہ جب ہر جانب سے ایسے غلبہ کر لیں کہ نیکی کا اثر بالکل باقی نہ رہے۔ یہ صورت صرف کافر پر صادق آتی ہے کیونکہ مؤمن کی کوئی نیکی بھی نہ ہو تو ایمان خود ایک نیکی ہے۔ اور اس کا اثر دخول جنت ہے۔ لیکن آیت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ برائیاں ایمان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ایمان کا نقصان یہ ہے کہ ایمان کی وجہ سے جنت کا داخلہ طے ہو چکا تھا لیکن گناہوں کی وجہ سے جنت میں ابتداءً داخل ہونے کی بجائے اب ثانیاً داخل ہوگا۔ یعنی گناہ کا بدلہ دوزخ میں چکھ کر جنت میں جائے گا۔ اس عقیدہ میں دراصل مرجئہ پر رد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گناہ ایمان کے ساتھ مضر نہیں جیسے کفر کی حالت میں کوئی طاعت مفید نہیں۔

عقیدہ نمبر ۵۹:۔

قولہ: وَنَرْجُوْا لِلْمُحْسِنِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَيُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ وَلَا نَأْمَنُ عَلَيْهِمْ وَلَا نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَنَسْتَغْفِرُ لِمُسِيْئِهِمْ وَنَخَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا نُقَنِّطُهُمْ۔

ترجمہ:۔ اور نیکی کرنے والوں کے لئے امید رکھتے ہیں کہ اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ اور ان کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے گا اور ہم ان کے بارے میں بے خوف نہیں ہیں اور نہ ہم ان کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں اور ہم مسلمانوں میں سے گناہگاروں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں اور ان کے بارے میں ڈرتے ہیں اور ان کو مایوس نہیں کرتے

شرح:۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ خود بھی یہ عقیدہ رکھیں اور دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھیں ۔خود بھی اللہ سے ڈریں اور لوگوں کو بھی اللہ سے ڈرائیں۔خود بھی معافی کی امید رکھیں اور دوسروں کے لئے بھی معافی کی امید رکھیں اور ایک دوسرے کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔ارشاد ہے۔

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْراً(الاسراء/۵۷)

ترجمہ:۔وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون سا بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے

فَلاَ تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ (البقرة/۱۵۰)

ترجمہ:۔(یعنی ان کے اعتراضات سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

اہل خوف کی اللہ نے مدح کی ہے ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ (المؤمنون/۵۷)

ترجمہ:۔البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ (المؤمنون/۶۰)

ترجمہ:۔اور جولوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اوران کے دل ڈر رہے ہیں اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی ! یہ وہ آدمی ہے جو روزہ رکھتا ہے،نماز پڑھتا ہے اور صدقہ دیتا ہے پھر ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اعمال شرف قبولیت حاصل نہ کرسکیں ۔حضرت حسن فرماتے ہیں عبادات اور طاعات میں خوب کوشش کرو اور ڈرو کہ کہیں یہ اعمال تمہارے لئے وبال نہ بن جائیں۔مؤمن احسان اور خشیت کو جمع کرتا ہے اور منافق برائی اور امن کو۔معنیٰ یہ ہے کہ مؤمن نیکی کر کے بھی ڈرتا ہے اور منافق گناہ کر کے بھی بے خوف رہتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ثواب وجزا کی امید رکھنے کے لئے وہ نیک اعمال کرنے ہوں گے جو اللہ کی امید ورحمت کو کھینچ کر لائیں ۔بغیر نیک اعمال کے اللہ کی رحمت کا امیدوار بالکل ایسا ہے جو بغیر شادی کے اولاد کی امید رکھتا ہے،بغیر بیج اُگائے فصل کی امید رکھے۔ایسے آدمی کو لوگ بے وقوف کہتے ہیں۔کسی چیز کے امیدوار کے لئے مندرجہ ذیل امور کا التزام ضروری ہے

(۱) جس چیز کی امید ہے اس سے محبت ہو(۲) اس کے فوت ہونے کا خوف ہو(۳) حتیٰ الامکان اس کے حصول کی کوشش ہو۔ورنہ پھر صرف ایک آرزو اور تمنا ہوگی۔امید نہ ہوگی۔

ہاں مشرک کے لئے نہ دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور نہ اس کی مغفرت کی امید رکھنی چاہیے۔اس لئے کہ مشرک سے مغفرت کی نفی ہوئی ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُاَنْ یُشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ یَشَاءُ (النساء/۱۱۶)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے۔

سقوط عذاب کے اسباب:۔

(۱) توبہ کی وجہ سے عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے

اِلَّا مَنْ تَابَ (مریم/۱۶۰) ترجمہ:۔ مگر جس نے توبہ کی۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا (البقرۃ/۶۰) ترجمہ:۔ مگر جنہوں نے توبہ کی۔

(۲) الاستغفار: ارشاد ہے

وَمَا كَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال/۳۳)

ترجمہ:۔ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرے گا اُن پر جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے۔

استغفار کا ذکر کبھی انفرادی ہوتا ہے کبھی توبہ کے ساتھ مقرون ہوتا ہے۔ جب صرف استغفار کا ذکر ہو تو توبہ اس میں داخل ہوتی ہے۔ اسی طرح جب صرف توبہ کا ذکر ہو تو استغفار بھی اس میں داخل ہوتا ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں ۔ جب دونوں ایک ساتھ ذکر ہوتے ہیں تو استغفار کا معنیٰ گزشتہ شر سے بچنے کی طلب ہوتی ہے اور توبہ کا معنیٰ ہے رجوع اور آئندہ شر سے بچنے کی طلب ہوتی ہے۔ یعنی مستقبل میں برے اعمال سے کیسے بچا جائے یہ خوف اس کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔

(۳) حسنات:۔ ایک نیکی کا اجر دس نیکیاں ہے اور برائی کا صرف ایک بدلہ ہے

ارشاد ہے

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (هود/۱۱٦)

ترجمہ:۔ البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ برائی کے پیچھے نیکی لگاؤ تاکہ برائی کو مٹادے۔

(۴) دنیاوی مصائب:۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤمن کو دنیا میں جب کوئی تکلیف، غم، ھم، حزن پہنچے یا کانٹا چبھ جائے تو اس کے ساتھ گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ مصائب فی نفسھا گناہوں کا کفارہ ہیں ان پر صبر کیا جائے تو بندہ کو اجر ملتا ہے اور بے صبری سے گناہ ملتا ہے۔ مصیبت اللہ کا فعل ہے کسی بندے کا فعل نہیں۔ مصیبت کا آنا اللہ کی طرف سے بندہ کے گناہ کی جزا ہے اور گناہ اس کے ساتھ معاف ہو جاتا ہے۔ بندہ کو گناہ اپنے فعل کی وجہ سے ملتا ہے کسی مصیبت پر صبر اور بے صبری بندہ کا فعل ہے،

(۵) عذاب قبر:۔ اس سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں مؤمن کا عذاب تطہیر کا ہوتا ہے۔ تو عذاب سے آہستہ آہستہ گناہوں سے پاک ہوتا چلا جاتا ہے۔ یا اس کے لئے عذاب قبر کفارہ ہے کہ حساب کتاب سے پہلے ایک تکلیف اور مصیبت ہے ۔ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔ جنت اور دوزخ کے داخلے سے قبل تمام ہولناکیاں گناہوں کے لیے کفارہ بنتی ہیں۔

(٦) زندہ مؤمنین کا مردوں کے لئے دعا و استغفار۔

(۷) ایصال ثواب اور بعد الموت ہدیہ یعنی صدقہ جاریہ وغیرہ۔

(٨) قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور سختیاں۔

(٩) مؤمنین جب پل صراط عبور کریں گے تو جنت اور دوزخ کے مابین ایک پُل پر روک دیئے جائیں گے۔ ایک دوسرے کے لئے قصاص لیا جائیگا۔ پاک صاف ہونے کے بعد جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائیگی۔

(١٠) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے بہت سارے مسلمان گناہگاروں کو معافی ملے گی۔

(١١) بغیر توبہ اور بغیر سفارش کے اللہ محض اپنے فضل سے جن گناہگاروں کو چاہیں معاف کردیں گے۔ یہ ارحم الراحمین کا عفوودرگزر ہے۔ ارشاد ہے۔

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَآءُ (النساء/٤٨)

ترجمہ:۔ اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے۔

ارشاد ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر/٥٣)

ترجمہ:۔ آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے۔

اس طرح اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کرگئی ہے۔

عقیدہ نمبر ٦٠:۔

قوله: وَالْاَمْنُ وَالْاِيَاسُ يَنْقُلَانِ عَنْ مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَسَبِيْلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِاَهْلِ الْقِبْلَةِ۔

ترجمہ:۔ اور امن (بے خوفی) اور ایاس (ناامیدی) دونوں ملت اسلام سے خارج کرنے والے ہیں۔ اور اہل قبلہ کا حق راستہ دونوں کے مابین ہے۔

شرح:۔ بے خوفی اور نا امیدی دونوں اسلامی طریقے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے نا امیدی کفر ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اِنَّهٗ لَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف/۸۷)

بے شک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں

انبیاء کرام مامون ہیں لیکن امنین (بے خوف) وہ بھی نہیں ہیں بلکہ سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء کرام خائف رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور ان کا مامون اور پُر امن ہونا ان کی انتہائی بلند شان اور اللہ تعالیٰ کے انتہائی کرم کی وجہ سے ہے۔ حضرت حسن بصریؒ انتہائی خوف کی وجہ سے بہت روتے تھے دیکھنے والے سمجھتے کہ شاید جہنم کے لئے صرف حسن بصریؒ ہی پیدا ہوئے ہیں۔ جب آپ سے اس انتہائی خوف کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ ایسی ذات کے ساتھ واسطہ ہے جو کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ اسی طرح اللہ کی رحمت سے نا امیدی کفر ہے۔ جب آدمی نیک عمل کرے تو ثواب کی امید رکھے اور جب گناہ کے بعد توبہ کرے تو مغفرت کی امید رکھے۔ گناہوں میں غرق اور بے عمل انسان کی امید غرور، دھوکہ اور جھوٹی تمنا ہے۔ ابوعلی الروزباریؒ فرماتے ہیں خوف اور امید پرندہ کے دو پروں کی طرح ہیں جب دونوں پر صحیح اور برابر ہوں تو اُڑان صحیح اور آسان ہوگی اگر ایک پر کے اندر نقصان ہو تو اُڑان کے اندر نقصان ہوگا اور اگر دونوں پر نہ ہوں تو پرندہ موت کے گھاٹ اُتر جائے گا۔ اللہ نے خوف اور امید رکھنے والوں کی تعریف کی ہے

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَقَائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ (الزمر/۹)

ترجمہ:۔ بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتا ہوا اور کھڑا ہوا خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً (السجدہ/۱۶)

ترجمہ:۔ جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے۔

امید خوف کو مستلزم ہے اگر خوف نہ ہو تو بے خوف بن جائے گا۔ اور خوف امید کو مستلزم ہے اگر امید نہ ہو تو ناامید بن جائے گا۔ آپ جس کو بھی ڈرائیں وہ آپ سے بھاگے گا لیکن اگر اللہ آپ کو ڈرائیں تو آپ اس کی طرف بھاگیں گے۔ اللہ جتنا بندوں کو ڈراتا ہے اتنے ہی بندے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں صوبہ سرحد پاکستان میں رات کے وقت زلزلہ آنے کی افواہ پھیل گئی۔ لوگ بہت زیادہ گھبرائے ہوئے تھے۔ انتہائی سردی اور بارش کے باوجود گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ اللہ کی طرف بہت زیادہ دعا اور نماز کے ساتھ متوجہ تھے سب رو رو کر اللہ سے مانگ رہے تھے۔ انتہائی ڈر کے ساتھ اللہ سے انتہائی امید بھی تھی کہ اے اللہ تو ہی ہمیں بچائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بھی دو قسم کی ہیں، رحمت والی اور غضب والی۔ رحمت والی صفات کا تقاضا ہے کہ اس سے امید رکھی جائے اور غضب والی صفات کا تقاضا ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مرض کی حالت میں امید خوف پر غالب ہونی چاہیے اور صحت کی حالت میں خوف امید پر غالب ہونی چاہیے۔ بعض فرماتے ہیں کہ صرف محبت کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرنے والا زندیق ہے اور صرف خوف کی وجہ سے عبادت کرنے والا حروری ہے۔ صرف امید کی وجہ سے عبادت کرنے والا مرجہ سے ہے جو خوف، امید اور محبت کی وجہ سے عبادت کرتا ہے وہ موحد مؤمن ہے عبادت کی حقیقت بھی یہی ہے وہ انتہائی تعظیم جس میں امید، خوف اور محبت شامل ہو ورنہ عام طور پر غیر اللہ کی بھی تعظیم کی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اگر قیامت کے دن اعلان ہو جائے کہ سب لوگ جنت میں جائیں گے صرف ایک شخص جہنم میں جائے گا تو مجھے اللہ کا اتنا ڈر ہے کہ شاید وہ جہنمی عمرؓ ہو۔ اور اگر اعلان ہو جائے کہ سب لوگ جہنم میں جائیں گے صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو مجھے اللہ کی ذات اور رحمت سے اتنی امید ہے کہ وہ جنتی عمرؓ ہو۔ اسی لئے کہتے ہیں اَلاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ "ایمان تو خوف اور امید کے درمیان ہے۔ جیسا کہ اس عقیدہ میں ذکر ہوا کہ حق راستہ خوف اور امید کے درمیان ہے۔

عقیدہ نمبر ۶۱:۔

قولہ: وَلَا یَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْاِیْمَانِ اِلَّا بِجُحُوْدِ مَا اَدْخَلَهٗ فِیْهِ۔

ترجمہ: اور بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر اس چیز کے انکار کے ساتھ جس نے بندہ کو ایمان میں داخل کیا تھا۔

شرح:۔ اس عقیدہ میں خوارج اور معتزلہ کا رد ہے۔ خوارج کے نزدیک گناہ کے ساتھ آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے اور معتزلہ کے نزدیک ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ ایمان اور کفر کے مابین واسطہ ثابت کرتے ہیں حالانکہ ایمان اور کفر میں واسطہ نہیں۔ آدمی یا کافر ہوگا یا مسلمان۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ نہ کافر ہوا اور نہ مسلمان۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلاً (النساء/ ۱۵۰)

ترجمہ:۔ جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لئے نکالیں ایسے ہی لوگ اصل اور ٹھیٹ کافر ہیں'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام اور کفر کے مابین کوئی واسطہ اور منزلہ نہیں ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے خوارج اور معتزلہ کا مسلک ایک ہے کیونکہ دونوں کے نزدیک گناہ

گار جہنم میں جائے گا۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ بالاتفاق فاسق ہے نہ مؤمن ہے نہ کافر اور نہ منافق۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واسطہ ہے ایمان اور کفر کے درمیاں واسطہ کا بطلان آیت سے ظاہر ہوگیا۔معتزلہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ جب بالاتفاق فاسق ہے، فاسق کا مؤمن کے ساتھ تقابل ہے ارشاد ہے۔

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِناً کَمَنْ کَانَ فَاسِقاً (السجدہ/۱۸)

ترجمہ:۔بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر ہے اس کے جو نا فرمان ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں فاسق سے مراد کافر ہے کیونکہ کفر بڑا فسق ہے آیت میں فاسق سے فرد کامل یعنی کافر مراد ہے۔معتزلہ احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔(۱) لَایَزْنِی الزَّانِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (۲)لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ۔ جواب یہ ہے کہ ایسی احادیث میں اصل معنیٰ مراد نہیں ہوتا بلکہ سخت دھمکی ہوتی ہے۔ عرف عام ہے کہ لوگ سخت قسم کی دھمکیاں دیتے ہیں اور پھر اس کی حقیقت پر عمل نہیں کرتے۔اس طرح معاصی سے روکنے میں مبالغہ بھی ہوتا ہے۔اگر ایسی آیات اور احادیث سے ظاہری کفر والا معنیٰ مراد لیا جائے تو دیگر ان قطعی نصوص کے ساتھ ٹکراؤ آئے گا جن سے کفر معلوم نہیں ہوتا۔آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے جبکہ انہوں نے سوال میں زیادتی اور مبالغہ کیا تو فرمایا اگر چہ زنا کرے اگر چہ چوری کرے۔حضور ﷺ نے فرمایا جو کلمہ لا اِلٰہ اِلّا اللہ پڑھے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا تو ابوذرؓ نے فرمایا وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ۔تو اس وقت آپ ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا ہاں۔ارشاد

باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (الحجرات/۹)

ترجمہ:۔اوراگر دوفریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں۔

اس آیت میں قتل وقتال والوں پر مؤمن کا اطلاق ہوا ہے حالانکہ قتل گناہ کبیرہ ہے۔

عقیدہ نمبر۶۲:۔

قولہ:وَالْاِيْمَانُ هُوَالْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِيْقُ بِالْجَنَانِ۔

ترجمہ:۔اورایمان زبان سے اقراراوردل سے تصدیق کا نام ہے۔

شرح:۔ایمان کی تعریف کے بارے میں پانچ مذاہب ہیں

(۱) فخر الاسلام البزدوی، شمس الاسلام سرخسی اور اکثر احناف:۔

ایمان شرعی کے دورکن ہیں (۱) تصدیق قلبی: حضور ﷺ سے جو باتیں قطعی طور پر ثابت ہیں اجمالی طور پر ان کو دل وجان سے سچ جاننا اور ماننا۔دوسرا رکن یہ ہے کہ زبان سے ان کا اقرار کرنا۔یہ زبانی رکن اصلی رکن نہیں بلکہ کبھی حالت اکراہ میں ساقط ہوجاتا ہے۔

(۲) جمہور محققین:۔

ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔لیکن تصدیق قلبی ایک باطنی امر ہے۔ایسے شخص پر اسلامی احکام کے اجراء کے لئے کوئی ظاہری علامت ضروری ہے جس سے

پتہ چلے کہ واقعی دل کے اندر تصدیق موجود ہے یہ علامت زبانی اقرار ہے۔تصدیق قلبی کے ساتھ اگر زبانی اقرار نہ کرے تو عنداللہ مؤمن ہے اور لوگوں کے نزدیک مؤمن نہیں۔

(۳) کرامیہ:۔

ایمان صرف اقرار باللسان ہے۔دلیل ان کی یہ ہے کہ اہل لغت تصدیق باللسان کو ایمان سمجھتے ہیں۔ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عہد رسالت میں جب کوئی کلمہ شہادت پڑھ لیتا تو نبی ﷺ اور صحابہ کرام اس سے دلی تصدیق کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے صرف اس کے زبانی اقرار پر اس کو مؤمن سمجھتے تھے۔ان کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے یعنی قلبی فعل ہے زبانی اقرار کا نام نہیں اس لئے زبانی اقرار کرنے والوں سے ایمان کی نفی ثابت ہے۔ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (البقرہ /۸)

ترجمہ:۔اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مؤمن نہیں۔

وَقَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا (الحجرات/۱۴)

ترجمہ:۔کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے۔

ایمان کا محل قلب ہے ارشاد باری ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (الحشر /۲۲)

ترجمہ:۔ان کے دلوں میں اللہ نے لکھدیا ہے ایمان۔

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (النحل/۱۰۶)

ترجمہ:۔اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر۔

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات/۱۴)

ترجمہ:۔اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں۔

کرامیہ کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضورﷺ نے زبانی اقرار والوں پر صرف ان کے ظاہری ایمان کا حکم لگایا ہے جس سے دنیا میں سلامتی حاصل ہوتی ہے حقیقی ایمان کا حکم نہیں لگایا۔

(۴) جمہور محدثین اور معتزلہ وخوارج:۔

ان کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی، زبانی اقرار اور عمل بالارکان کے مجموعہ کا نام ہے۔فرق یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج اعمال کو ایمان کا جز حقیقی سمجھتے ہیں جس کے ترک سے بندہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔باقی حضرات کے نزدیک اعمال کامل ایمان کا جز ہیں جس کے ترک سے کامل مؤمن نہ رہے گا نفس ایمان پر اثر نہیں پڑتا جیسے ناقص انسان ہوتا ہے۔

(۵) قدریہ:۔

ان کے نزدیک ایمان صرف معرفت کا نام ہے اس مذہب کے غلط ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔اہل کتاب حضورﷺ کی نبوت کو اپنے بیٹوں کی طرح جانتے تھے لیکن

پھر بھی کافر تھے کیونکہ ان میں تصدیق نہیں تھی۔

عقیدہ نمبر ۶۳:۔

قولہ: وَجَمِيْعُ مَا صَحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ كُلُّهٗ حَقٌّ۔

ترجمہ:۔ اور جو کچھ شرع اور بیان میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے وہ سب حق ہے۔

شرح:۔ اس عقیدہ میں جہمیہ، معطلہ، معتزلہ اور رافضیہ کا رد ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خبر کی دو قسمیں ہیں (۱) خبر متواتر (۲) خبر واحد۔ متواتر خبر اگر چہ سند اور ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہے لیکن دلالت کے اعتبار سے غیر قطعی ہے۔ کیونکہ لفظی دلالت یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ جو آیات اللہ کی صفات پر دال ہیں اُن میں عیوب نکالتے ہیں۔ اور خبر واحد ان کے نزدیک مفید علم نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خبر واحد کی سند اور متن سے استدلال اور حجت پکڑنا صحیح نہیں۔ اس طرح ان لوگوں نے اللہ کی معرفت کے راستے اپنے دلوں پر بند کر دئے۔ اس کے اسماء اور افعال سے بے خبر رہے اس لئے کہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کے واسطے سے ملا تھا۔ اور لوگوں کو وہمی اور خیالی قضایا کے حوالہ کر دیا۔ اور اپنے ان وہمی اور خیالی قضایا اور مقدمات کو عقلی لحاظ سے یقینی براہین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ ایک دھوکہ ہے۔ عجیب بات ہے کہ ان لوگوں نے وحی کی نصوص کی طرف پیش قدمی کی اور پھر نصوص کو نصوص کی وجہ سے

چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے ان کے دل ہدایت سے خالی ہو گئے۔ان کو فطرت سلیمہ والے مؤید صحیح عقلی قضایا اور نصوص نبویہ میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اگر یہ لوگ وحی کے نصوص کو اصل حاکم بناتے تو فطرت سلیمہ کے ساتھ موافق صحیح عقلی قضایا میں بھی ان کو کامیابی ہوتی۔

اس طرح ہر گمراہ فرقہ نے نصوص کو اپنی بدعات اور اختراعات پر پیش کیا ہے جس نص کو اپنے تئیں اپنی اختراعی باتوں کے موافق سمجھا اس کو محکم سمجھ کر قبول کیا اور جس کو مخالف پایا اس کو متشابہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اپنے اس ترک کا نام تفویض رکھ دیا۔ان کے مقابلے میں اہل السنۃ والجماعۃ صریح نص سے اعراض نہیں کرتے اور نہ کسی معقول کے ذریعہ نص کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ کسی کے قول کے ذریعہ نص کے ساتھ معارضہ کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں میں نے حُمیدیؒ سے سنا ہے کہ ہم امام شافعیؒ کے پاس تھے ایک آدمی آیا اور امام شافعیؒ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں حضورﷺ کا یہ فیصلہ ہے اس آدمی نے کہا کہ آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا آپ مجھے کسی گرجا میں دیکھ رہے ہو یا یہودیوں کے کسی عبادت خانے میں، یا میرے گلے میں تمہیں زنار نظر آتا ہے۔ میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ حضورﷺ کا یہ فیصلہ ہے اور آپ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (الاحزاب/۳۶)

ترجمہ:۔ اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جبکہ مقرر کردے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا۔

جمہور کے نزدیک خبر واحد کو جب امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ مفید علم یقینی بن جاتی ہے۔ اور یہ متواتر کی ایک قسم ہے اسلاف کا اس میں کوئی نزاع نہیں۔ حضور ﷺ اپنی طرف سے ایک ایک پیغام بر بھیجا کرتے تھے۔ اسی طرح اپنے خطوط ایک ایک فرد کے ہاتھ بھجواتے تھے۔ کسی مرسل الیہ نے یہ نہیں کہا کہ ان کو خبر واحد ہونے کی بنا پر قبول نہیں کرتا۔ ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (التوبہ ۳۳)

ترجمہ:۔ اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر۔

اللہ تعالیٰ نے تمام حجتوں اور بیانات کو امت کے لئے محفوظ کر دیا ہے اس لئے رسول پر جھوٹ بولنے والوں کو اللہ نے زندگی میں اور بعد الموت رسوا کیا ہے۔ اور اس کی حالت لوگوں کے سامنے آشکارا کر دی۔ سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جھوٹ بولنے والوں میں سے کسی کی اللہ نے پردہ پوشی نہیں کی۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حدیث کے بارے میں سحری کے وقت جھوٹ باندھا تو صبح ہوتے ہی لوگوں نے کہہ دیا کہ فلاں جھوٹا ہے۔ خبر واحد میں اگرچہ صدق اور کذب کا احتمال ہوتا ہے لیکن وہ لوگ جن کا اوڑھنا بچھونا صرف حدیث کا شغل ہے وہ معلوم

کر لیتے ہیں کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی حدیث سقیم ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ حضور ﷺ کے صحیح اور مستند اقوال، افعال اور تقریرات کو محفوظ کرنے کے لئے لوگوں نے پانچ لاکھ افراد کے احوال اسماء الرجال کی کتب میں محفوظ کر لئے ہیں۔

مِن الشرع والبیان:۔ سنت کی دو قسمیں ہیں: شرع ابتدائی۔ ابتداءً ایک ایک مشروع ہو۔ دوسری قسم شرع بیانی ہے کتاب اللہ کے اندر جو باتیں اللہ نے شروع کردی ہیں ان کا بیان۔ حضور ﷺ نے قرآن مجید کی بہت سی باتیں امت کے سامنے بیان کی ہیں ارشاد ہے۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل/۴۴)

ترجمہ:۔ اور اُتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے

لہٰذا دونوں قسم کی سنتیں حق اور واجب الاتباع ہیں۔

عقیدہ نمبر ۶۴:۔

قولہ: وَالْاِيْمَانُ وَاحِدٌ وَاَهْلُهٗ فِيْ اَصْلِهٖ سَوَآءٌ وَالتَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْخَشْيَةِ وَالتُّقٰى وَمُخَالِفَةِ الْهَوٰى وَمُلَازَمَةِ الْاَوْلٰى

ترجمہ:۔ اور ایمان واحد ہے اور اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں۔ اور خشیت، تقویٰ، خواہشات کی مخالفت اور اولیٰ کو لازم پکڑنے کی وجہ سے ان کے مابین تفاوت ہے۔

شرح:۔ مؤمن بہ کی تصدیق یعنی اس کو دل و جان سے ماننا، اس میں سب اہل ایمان برابر ہیں جسے نفس ایمان بھی کہتے ہیں۔ اس میں سب مسلمان برابر ہیں ۔جیسے ہر انسان کی حقیقت حیوان ناطق ہے جس میں سب انسان برابر ہیں۔ ایک دوسرے پر فضیلت دیگر عوارض کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح نفس ایمان میں سب مؤمن شریک ہیں لیکن تقویٰ، اخلاص اور عمل کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔ یہ باعث فضیلت چیزیں اصل ایمان کے اندر داخل نہیں ہیں۔ محققین کے نزدیک ایمان قوت اور ضعف کو قبول کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام مسلمانوں کا ایمان اور تصدیق انبیاء کرام کے تصدیق اور ایمان جیسا نہیں۔ جو خشیت، تقویٰ، خواہشات نفسانی کی خلاف ورزی اور عزیمت پر جیسے اہم امور جس درجہ میں انبیاء کرام میں موجود ہیں وہ کسی غیر نبی میں نہیں۔ نفس تصدیق میں سب شریک ہیں لیکن بعض کی تصدیق قوی اور اثبت ہے۔ کیونکہ تصدیق بھی ایک قلبی فعل ہے۔ نبی کے قلب کی تصدیق غیر نبی کے قلب کی تصدیق سے بہت افضل ہے۔ مثلاً قوت بینائی اور ضعف بینائی، نفس بینائی میں تو سب شریک ہیں لیکن بعض کی بینائی تیز اور قوی ہوتی ہے اور بعض کی کمزور ہوتی ہے۔ اس کی ایک اور مثال بھی ہے مختلف وولٹ کے بلب جب جل رہے ہوں جن میں زیرو وولٹ کا بلب بھی ہو۔ سب بلب نفس روشنی میں شریک ہیں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب بلب روشنی دے رہے ہیں لیکن دیگر وولٹ کے بلب کی روشنی زیرو وولٹ کے بلب کی روشنی سے زیادہ ہوگی۔ جن نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کی وجہ سے

ایمان کے ثمرات اور اثرات کی روشنی بڑھتی ہے۔ نفس ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ بے عملی کی وجہ سے ایمان کی قوت کمزور ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے کمزور ایمان گناہوں سے نہیں بچا سکتا۔ گناہوں سے بچنے کے لئے مضبوط اور قوی ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔

عقیدہ نمبر ۶۵:۔

قولہ: وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ اَوْلِيَاءُ الرَّحْمٰنِ وَاَكْرَمُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَطْوَعُهُمْ وَاَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ۔

ترجمہ:۔ اور مؤمنین سب اللہ کے ولی ہیں ۔ اور اللہ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ مکرم، قرآن کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا اور سب سے زیادہ پیروی کرنے والا ہے۔

شرح:۔ ولی وَلایت بفتح الباء عداوت کی ضد ہے۔ مؤمنین سب اللہ کے ولی ہیں لیکن ولایت کے درجات ہیں (۱) ولایت عامہ (۲) ولایت خاصہ۔ ایمان لانے کے ساتھ مؤمن اللہ کا دوست اور ولی بن جاتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ/۲۵۷) ترجمہ:۔ اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا۔

خاص ولایت بعض مؤمنین کو حاصل ہے ارشاد ہے

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس/۶۲)

ترجمہ:۔ یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت میں اس ولایت خاصہ کا ذکر ہے۔ وہ حضرات جن کا ظاہر و باطن ہر وقت اللہ کی طاعت میں مشغول رہتا ہے ان لوگوں کو عرف میں اولیاء اللہ کہتے ہیں ان کا درجہ و مرتبہ عام لوگوں سے بڑا ہوتا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ جب ان کی طرف دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جاتا ہے۔ یہ حضرات اولاً خواص کے حلقہ میں شہرت اور مقبولیت حاصل کرتے ہیں پھر عوام کی طرف ان کی عنداللہ والی مقبولیت سرایت کر جاتی ہے۔ ولایت عداوت کی ضد ہے جبکہ ایمان کی نظیر ہے۔ ایمان کی وجہ سے آدمی اللہ کا دوست بن جاتا ہے اور ایمان کی ضد عداوت اور کفر کی وجہ سے اللہ کا دشمن بن جاتا ہے۔ ولایت عامہ میں تمام مسلمان شریک ہیں لیکن یہ بھی کبھی کامل اور کبھی ناقص ہوتی ہے۔ کامل ولایت متقین کے لئے ہوتی ہے اور ناقص ولایت غیر متقین کے لئے ہوتی ہے۔ ناقص ولایت کے ساتھ عداوت جمع ہو سکتی ہے کیونکہ گناہ بھی کرتا ہے۔ خاص ولی کے بارے میں حدیث ہے ''مَن عادَ لِیْ وَلیاً فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْمُحارَبَۃِ'' جو میرے ولی کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے میری طرف سے اس کے لئے اعلان جنگ ہے۔

خاص اولیاء کی دو قسمیں ہیں (۱) مقتصدون (۲) مقربون۔

مقتصدون وہ لوگ ہیں جو اللہ کا تقرب فرائض اور دیگر قلب و جوارح کے اعمال کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ سابقین وہ ہیں جو فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کے

ذریعہ بھی اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔حدیث ہے کہ بندہ مسلسل نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔جس کے بعد میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے،اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے،اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے،اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے،اگر مجھ سے سوال کرے تو اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں۔

وَاَكْرَمُهُمْ عِنْدَاللهِ اَطْوَعُهُمْ وَاَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ۔ اکرم اتقیٰ ہے اور اتقیٰ اکرم ہے۔ارشاد ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (الحجرات/۱۳)

ترجمہ:۔تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جس کی ادب بڑا۔

مؤمنین میں زیادہ اطاعت کرنے والا اور قرآن کا زیادہ پیروی کرنے والا اکرم ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے۔سب بنی آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا ہے۔جب اصل معیار اور مدار تقویٰ ہوا تو یہ جھگڑا اب فضول ہے کہ فقیر صابر (صابر فقیر) اور غنی شاکر (مالدار شکر گزار) میں کس کو فضیلت حاصل ہے۔فضیلت کا تعلق نہ فقر کے ساتھ ہے اور نہ غِنیٰ کے ساتھ بلکہ فضیلت کا تعلق اعمال،احوال اور حقائق کے ساتھ ہے۔فضیلت تقویٰ اور ایمان کے حقائق کے ساتھ ہے نہ کہ فقر اور

غنیٰ کے ساتھ۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے فقر اور غنیٰ دو سواریاں ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں جس پر بھی سوار ہو جاؤں۔ فقر اور غنیٰ دونوں بندے کے لئے اللہ کی طرف سے آزمائش ہیں۔ ارشاد ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ (الفجر/۱۵)

ترجمہ:۔ سو آدمی جو ہے جب جانچے اس کو رب اس کا پھر اس کو عزت دے اور اس کو نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی۔

اگر فقیر اور مالدار تقویٰ میں برابر ہیں تو درجہ میں بھی برابر ہوں گے۔ دونوں میں جس کا تقویٰ زیادہ ہوگا وہ عنداللہ افضل ہوگا کیونکہ فقر اور غنیٰ نہیں تولے جائیں گے بلکہ صبر اور شکر کا وزن کیا جائے گا۔ فقیر کا امتحان صبر میں ہوتا ہے اور غنی کا شکر میں۔ فقیر کو چاہیے کہ صبر کرے اور غنی کو چاہیے کہ شکر کرے ہاں شکر کا امتحان صبر کے امتحان کے مقابلے میں مشکل ہے اس لئے کہ مال اور مالداری میں ایک خاص قسم کا نشہ ہے جس میں آدمی مدہوش ہو کر شکر بھول جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے مالداری غفلت کا سبب بنتی ہے اور غفلت بذات خود ایک خطرناک بیماری ہے اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْغَفْلَةِ وَالْقَسْوَةِ اے اللہ میں غفلت اور دل کی سختی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اکثر گناہوں کا سبب مال ہے فقر میں آدمی بیدار ہوتا ہے اسلیے کہ فقر آدمی کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان نصف صبر ہے اور نصف شکر پس صبر اور شکر دونوں ضروری ہیں۔

عقیدہ نمبر ٦٦:۔

قولہ: وَالْاِیْمَانُ هُوَ الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ حُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ۔

ترجمہ:۔اور ایمان وہ ہے جو اللہ پر لایا جائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور اللہ کی طرف سے اچھی اور بُری، میٹھی اور کڑوی تقدیر پر۔

شرح:۔ مذکورہ عقائد اور خصلتیں اصول دین ہیں۔حدیث جبرئیلؑ میں ان کا ذکر ہے جب آپ ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ آپ ایمان لائیں اللہ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر اور یہ کہ تو ایمان لائے ہر اچھی اور بُری تقدیر پر۔ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔اس قلبی ایمان کے ساتھ زبانی اقرار، بدنی اعمال، طاعت کا لزوم ضروری ہے۔اور ساتھ جحود اور انکار بھی نہ ہو۔اور نہ کوئی ایسا عمل ہو جو تکذیب کی علامت سمجھا جاتا ہو مثلاً زنار باندھنا، بت کے سامنے سجدہ کرنا۔تقدیر کا ذکر بھی حدیث جبرئیلؑ میں مذکور ہے۔ ’’وَتُؤْمِنُ بِالْقدرِ خیرہٖ وشرہٖ‘‘ ارشاد ہے۔

قُلْ لَنْ یُصِیْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (التوبۃ / ۵۱)

ترجمہ:۔تو کہہ دے ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا ہے اللہ نے ہمارے لئے۔

ارشاد ہے۔ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء/۷۸)

ترجمہ:۔ اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو پہنچے کچھ بُرائی تو کہیں یہ تیری طرف سے ہے کہہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

خیر اور شر اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "خیر سب تیرے ہاتھ میں ہیں اور شر تیری طرف نہیں۔ یعنی اے اللہ تو نے محض شر پیدا نہیں کیا بلکہ ہر مخلوق میں حکمت ہے۔ اس حکمت کے اعتبار سے وہ خیر ہے۔ بعض لوگوں کے اعتبار سے کسی چیز میں کبھی شر ہوتا ہے۔ وہ جزئی اور اضافی شر ہوتا ہے، کلی اور حقیقی اور شر مطلق سے اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے۔ انفرادی طور پر صرف شر کی نسبت اللہ کی طرف منع ہے۔ شر کبھی عموم کے ضمن میں مراد لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً "الله خالق كُل شئ" شر بھی ایک شی ہے "كُلّ مِن عندِ الله" "ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے عموم میں شر بھی داخل ہے۔ کبھی شر کے اپنے سبب کی طرف اضافت ہوتی ہے مثلاً "مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" "ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی۔ ما خلق عام ہے کوئی بھی چیز شر کا سبب بن سکتی ہے۔ کبھی شر کا فاعل محذوف ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاَنَّا لَا نَدْرِيْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ (الجن/۱۰)

ترجمہ:۔ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ بُرا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں

ہے۔
حالانکہ اس کے بعد رشد وہدایت کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَداً (الجن / ۱۰)

ترجمہ:۔ یا چاہا ہے ان کے حق میں ان کے رب نے راہ پر لانا۔

جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی رحمت اور حکمت ہے۔ کلی اور عمومی طور پر ہر بات میں خیر ہے کسی کے لئے اس کا شر بن جانا اس عمومی خیر کے منافی نہیں۔ مثلاً بارش عمومی طور پر رحمت ہے لیکن کسی کے لئے باعث شر بن جاتی ہے جیسے کوئی پھسل گیا ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لیکن اس ٹانگ ٹوٹنے پر اللہ جو اجر عطا فرماتے ہیں وہ پھر رحمت ہے۔ جو چیز اللہ تعالٰی نے جس مقصد اور حکمت کے تحت بنائی ہے اگر وہ معلوم ہو جائے تو جواہر واعراض میں کوئی شر نہیں۔

شر کی حقیقت:۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں، شر یہ نہیں کہ سبب جو چاہے وہ صادر نہ ہو۔ مثلاً پانی نہ ڈبوئے، چھری نہ کاٹے۔ یا سبب جو چاہے اس کی ضد پیدا ہو مثلاً صحت وشفاء کے لئے دوا کھائی لیکن بیماری بڑھ گئی، یہ بظاہر شر اور شر کا اثر ہے۔ شر یہ ہے کہ ایسی چیز پیدا ہو کہ اس کا غیر آثار کے اعتبار سے اس سے زیادہ مصلحت والا ہو یا کوئی ایسی چیز پیدا نہ ہو جس کے آثار ونتائج اچھے ہوں۔ شر کی مذکورہ وضاحت پر غور کیا جائے تو میرے خیال میں دنیا کے اندر شر سرے سے ہے ہی نہیں بلکہ صرف خیر ہے۔ شاہ صاحبؒ کی تشریح کے مطابق جب شر کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں تو اللہ اپنی قدرت، رحمت اور

لطف کی بناء پر قبض، بسط، احالہ اور الہام کے ذریعہ ان کو امر مطلوب تک پہنچا دیتے ہیں

قبض:۔

اسباب کی تاثیر اور صلاحیت کو سکیڑ دینا۔ مثلاً ارادہ، اختیار، قدرت اور آلات قتل کے باوجود کسی کو قتل نہ کر سکنا۔

بسط:۔

چیزوں کی قوت، صلاحیت اور تاثیرات میں خوب اضافہ کرنا۔ مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام کی ٹھوکر کے ساتھ زمین سے چشمہ کا پھوٹنا۔ اولیاء اللہ کی کرامات بسط کی مثال بن سکتی ہیں۔

احالہ:۔

چیزوں کی صلاحیتوں اور خواص میں تبدیلی پیدا کرنا۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اولیاء اللہ کی کرامات میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔

الہام:۔

دل میں خیر کی بات کا القاء ہونا۔ مثلاً خضر علیہ السلام کا کشتی میں سوراخ کرنا، دیوار کو سیدھا کرنا اور لڑکے کو قتل کرنا اور انبیاء کرام پر کتابوں کا نزول۔

عقیدہ نمبر ۶۷:۔

قولہ: وَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِذَالِكَ كُلِّهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِهٖ وَنُصَدِّقُهُمْ كُلُّهُمْ عَلٰى مَا جَآؤُوْا بِهٖ۔

ترجمہ:۔اور ہم ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔اور ہم تمام نبیوں کی ان کے لائے ہوئے احکام میں تصدیق کرتے ہیں۔

شرح:۔ ذالک سے گزشتہ ان باتوں کی طرف اشارہ ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔لانُفرّق کا معنی یہ ہے کہ ہم ایسا نہیں کرتے کہ بعض انبیاء کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں بلکہ سب کو مانتے ہیں۔سب کی تصدیق کرتے ہیں۔بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا تمام انبیاء کرام کا انکار ہے۔ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے لیکن ایک کی تصدیق سب کی تصدیق نہیں۔ارشاد ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَتَّخِذُوْا بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيْلاً اُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقّاً (النساء/۱۵۰)

ترجمہ:۔اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالے اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر۔

ہر نبی دوسرے نبی کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔ارشاد ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ(آل عمران/ ۸۱)

ترجمہ:۔اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔

جب انبیاء کرام ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کرتے ہیں تو ہم کیسے ان میں تفریق کریں گے۔تمام انبیاء کرام ایک سنہری زنجیر کی سنہری کڑیاں ہیں ایک کڑی نکل گئی یا ٹوٹ گئی تو پوری زنجیر بے فائدہ ہوجائے گی۔ہر نبی اپنے وقت میں رشد وہدایت کا بلند وبالا روشن مینار تھا۔کسی دور میں بھی ہدایت کی روشنی کا انکار صحیح نہیں سب کا کام اللہ کی طرف بلانا تھا۔گویا سب کا ایک ہی کام تھا اس لیے ایک نبی کے انکار سے ان کی اہم ذمہ داری دعوت وتبلیغ کا انکار ہے۔کسی ایک نبی کے انکار سے اس کی دعوت الی اللہ کا انکار لازم آتا ہے اور نبی کی دعوت الی اللہ کا انکار کفر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهٖ(البقرہ/۲۸۵)

ترجمہ:۔ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں سے۔

عقیدہ نمبر ۶۸:۔

قولہ: وَأَهْلُ الْكَبَآئِرِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فِي النَّارِ لَا يُخَلَّدُوْنَ إِذَا مَاتُوْا وَهُمْ مُوَحِّدُوْنَ وَإِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا تَائِبِيْنَ بَعْدَ أَنْ لَقُوا اللّٰهَ عَارِفِيْنَ وَهُمْ فِيْ مَشِيْئَتِهٖ وَحُكْمِهٖ إِنْ شَآءَ

غَفَرَلَهُمْ وَعَفاَ عَنهُمْ بِفَضْلِهِ كَماَ ذَكَرَ عَزَّوَجَلَّ فِيْ كِتاَبِهِ وَيَغْفِرُ ماَدُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَآءُ وَاِنْ شاَءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِعَدْلِهِ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْها بِرَحْمَتِهِ وَشَفاَعَةِ الشَّافِعِيْنَ مِنْ اَهْلِ طاَعَتِهِ ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ اِلَى جَنَّتِهِ وَذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ تَعاَلىٰ مَوْلىٰ اَهْلِ مَعْرِفَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي الدَّارَيْنِ كَاَهْلِ ؟ الَّذِيْنَ خاَبُوْا مِنْ هِداَيَتِهِ وَلَمْ يَناَلُوْا مِنْ وِلاَيَتِهِ اَللّٰهُمَّ ياَوَلِيَّ الْاِسْلاَمِ وَاَهْلِهِ مَسِّكْناَ بِالْاِسْلاَمِ حَتّىٰ نَلْقاَكَ بِهِ۔

ترجمہ:۔اور محمد ﷺ کی امت میں سے اہل کبائر ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے جبکہ ان کی موت توحید کی حالت میں آئی ہو۔اگر چہ انہوں نے توبہ نہ کی ہو بعد اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریں کہ عارف باللہ ہوں ۔اور اہل کبائر اللہ کی مشیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہیں اگر اللہ چاہے اپنے فضل سے ان کی مغفرت کردے اور معاف کردے جیسے کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔وَيَغْفِرُ ماَدُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَآءُ اور اگر اللہ چاہے تو اپنے عدل سے بقدر جنایت ان کو عذاب دے پھر اپنی رحمت سے اور اہل طاعت کی شفاعت سے ان کو جہنم سے نکال دے پھر ان کو جنت میں بھیج دے ۔ یہ اس لئے کہ اللہ اپنی معرفت والوں کا مولیٰ اور رفیق ہے اور ان اہل معرفت کو اللہ تعالیٰ دارین میں اہل نکرت (غیر عارفین) کی طرح نہ کرے گا جو اس کی ہدایت سے

محروم ہیں اوراس کی دوستی اور ولایت حاصل نہیں کی ۔اے اللہ اسلام اور اہل اسلام کے ولی (دوست) ہمیں اسلام پر برقرار رکھ یہاں تک کہ ہم اسلام کے ساتھ آپ سے ملاقات کریں۔

شرح:۔اس عقیدہ میں معتزلہ اور خوارج کا رد ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ اگر چہ موحد ہو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں بلکہ اللہ کا قانون ہے کہ مشرک اور کافر کے علاوہ جس کو چاہے معاف کردے ارشاد ہے

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَآءُ (النساء/۱۱٦)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نہیں بخشا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو، اور بخشا ہے اس کے سوا جس کو چاہے۔

اسی طرح ارشاد ہے۔فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهٗ (الزلزال/۷)

ترجمہ:۔سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے۔

اگر معتزلہ کا عقیدہ مان لیا جائے تو اس آیت کا کیا مطلب ہے۔کیونکہ ایک طرف اگر گناہ کبیرہ کیا ہے تو دوسری طرف ایمان جیسی عظیم الشان نیکی اس کے ساتھ موجود ہے۔ جب آدمی ذرہ برابر نیکی کا انجام اور صلہ پاسکتا ہے تو ایمان جیسی بڑی نیکی کا انجام کیوں نہ پائے گا۔ یہ تو ہمارا استدلال ہے جس سے خوارج یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مرتکب کبیرہ خارج از ایمان ہے اور کافر ہے۔اور معتزلہ جواب

میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ خارج از ایمان ہے لیکن کفر میں داخل نہیں اسلیے مرتکب کبیرہ دونوں کے نزدیک مخلد فی النار ہے۔اس لئے معتزلہ اور خوارج کو پھر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج از ایمان نہیں بلکہ گنہگار مؤمن ہے،ایمان گناہوں کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔

من امة محمد ﷺ کی قید سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ کی مغفرت جواللہ کی مشیت کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور مخلد فی النار نہیں ہے یہ صرف امت محمدیہ کا خاصہ ہے۔لیکن بعض فرماتے ہیں کہ گزشتہ امتوں کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ حضورﷺ نے فرمایا ہے "یخرُجُ من النّار مَن کان فی قلبہ مثقالَ ذرۃٍ مِن ایمان" اس میں صرف ایمان کا ذکر ہے امت محمدیہ کے ساتھ تخصیص کا ذکر نہیں۔بلکہ بعض نسخوں میں لفظ امت مذکور نہیں۔

کبیرہ گناہ میں اقوال:۔

(۱) جس کی حرمت پر تمام شرائع کا اتفاق ہو۔

(۲) جس کی وجہ سے اللہ کی معرفت کا دروازہ بند ہوجائے۔

(۳) جس سے جانی و مالی نقصان ہو۔

(۴) ہر وہ گناہ جس سے دوسرا چھوٹا گناہ ہو کبیرہ گناہ ہے۔

(۵) کبیرہ گناہ لیلۃ القدر کی طرح مخفی ہے۔

(۶) ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔

(۷) جس پر حد (سزا) مقرر ہو، یا آگ کی وعید ہو، یا لعنت اور غضب کا مستحق بنتا ہو۔ یہ زیادہ مناسب قول ہے۔

صغیرہ گناہ میں اقوال:۔

(۱) جس پر نہ دنیا میں مقرر سزا ہو نہ آخرت میں۔

(۲) جس گناہ کے ساتھ لعنت، غضب اور آگ کا ذکر نہ ہو۔

(۳) جس پر دنیا میں حد نہ ہو آخرت میں وعید نہ ہو۔ وعید سے مراد آگ، لعنت اور عذاب ہے کیونکہ وعید آخرت کے ساتھ خاص ہے جس طرح حد دنیا کے ساتھ خاص ہے یعنی دنیا کے اندر مقرر سزا۔ رہی دنیا کے اندر تعزیری سزا تو اس کی مثال آخرت کی وہ وعید ہے جس میں آگ، لعنت اور غضب کا ذکر نہ ہو۔

تنبیہ:۔

جو لوگ گناہ کی کبیرہ اور صغیرہ کی طرف تقسیم نہیں مانتے یہ نصوص کے خلاف ہے کیونکہ نصوص سے کبیرہ اور صغیرہ کی تقسیم ثابت ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کبیرہ کا سرے سے پتہ ہی نہیں یہ بھی صحیح نہیں تو یہ صرف اپنے علم کے مطابق کہہ رہا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کو بھی کبیرہ کا علم نہ ہو۔

بعض کبیرہ گناہ:۔

شرک، قتل، زنا، جادو، پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام، جنگ سے بھاگنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی گواہی۔

وَ اِن لَم یَکُونُوا تائِبِینَ :۔ اس میں کوئی خلاف نہیں کہ توبہ گناہ کو مٹا دیتا ہے۔ اختلاف غیر تائب میں ہے ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے شرک وکفر کے علاوہ جسے چاہیں معاف فرمادیں گے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ شرک غیر مغفور ہے شرک کے علاوہ اور گناہ تحت المشیت ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

قُل یٰعِبَادِیَ الَّذِینَ اَسرَفُوا عَلیٰ اَنفُسِهِم لَا تَقنَطُوا مِن رَحمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعاً(الزمر/۵۳)

ترجمہ:۔ اے بندو میرے جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جان پر آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہ۔

ارشاد ہے۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُو مَغفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلیٰ ظُلمِهِم (الرعد/۶)

ترجمہ:۔ اور تیرا رب معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے۔

بَعدَ اَن لَقُو اللهَ تعالیٰ عارِفِینَ :۔ مصنف اگر عارفین کی جگہ مؤمنین ذکر کرتا تو بہتر ہوتا کیونکہ جو اللہ کو جانتا ہے اور مانتا نہیں وہ کافر ہے۔ شیطان اللہ کو جانتا ہے لیکن مانتا نہیں کفار کے بارے میں بھی مذکور ہے۔

یَعرِفُونَهٗ کَمَا یَعرِفُونَ اَبنَآءَ هُم (البقرہ/۱۴۶)

ترجمہ:۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔

لیکن پھر بھی کافر تھے۔ اگر اس عقیدہ میں معرفت سے مراد اہل طریقت کی اور تصوف کی معرفتِ کاملہ مراد لی جائے جو ہدایت کو مستلزم ہے اور ہدایت کا ایک اونچا درجہ ہے بلکہ بعض اولیاء اللہ کا عارف باللہ لقب پڑ جاتا ہے۔ تو یہ مراد لینا صحیح نہیں اس لیے کہ اولیاء اللہ کو پھر اہل کبائر سے گننا پڑے گا حالانکہ وہ تو خاصان خدا ہوتے ہیں لوگوں میں ان کا بڑا مقام ہوتا ہے۔

وَهُمْ فِي مَشِيَّةِ اللهِ وَحُكْمِهٖ :۔ شرک اور دیگر گناہوں میں فرق ہے اس لئے شرک غیر مغفور ہے اور دیگر گناہ مشیت کے ساتھ معلق ہیں۔

شرک کی مثال:۔ غیرت مند خاوند اپنی بیوی کے ساتھ کسی کا معمولی تعلق بھی برداشت نہیں کرتا۔ اگر خاوند کو پتہ چل جائے کہ اس کی بیوی اس کا حق کسی اور کو دینا چاہتی ہے یا دے رہی ہے تو یہ اس کو ہرگز نہ برداشت کرتا ہے اور نہ معاف کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر بیوی غلطی سے پورے گھر کو جلا کر رکھ دے یا قصداً ایسا کرے تو خاوند برداشت بھی کرتا ہے اور معاف بھی کرتا ہے۔

گناہ کبیرہ توبہ کے ساتھ یقینی مغفور بن جاتا ہے۔ بات ان کبیرہ کی ہے جس کے ساتھ بغیر توبہ کے مر جائے۔ دنیا میں بھی کتنے محکموں کے اندر بعض جرائم ناقابل معافی ہوتے ہیں اور بعض خلاف ورزیوں سے بغیر عذر و معذرت کے درگزر کر دیا جاتا ہے

اللهم يا ولي الاسلام واهله مسّكنا بالاسلام

الخ:۔ بعض نسخوں میں مسکنا کی جگہ ثبّتنا علی الاسلام ہے۔ اسلام پر ثابت قدم رہنے

کی دعا ہے۔ جس طرح اسلام پر قلباً و عملاً ثابت قدمی ضروری ہے اسی طرح اس ثابت قدمی کی دعا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر دُعا کے ممکن ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ اسلام پر ثابت قدمی میرا کمال ہے۔ پھر گمراہی کا قوی امکان رہتا ہے۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل الانصاریؒ نے اپنی کتاب الفاروق میں اپنی سند سے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ جو حضورﷺ کو پکارے تو یوں کہے "یا ولی الاسلام واھلہ مسکنی بالاسلام حتیٰ القاک علیہ"۔

عقیدہ نمبر ۶۹:۔

وَنَرَى الصَّلٰوةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ وَعَلٰى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ۔

ترجمہ:۔ اور ہم اہل قبلہ میں سے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں اور اس شخص پر نماز جنازہ کو جائز سمجھتے ہیں جو اہل قبلہ میں سے مر جائے۔

شرح:۔ حضورﷺ کا ارشاد ہے "صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ" ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ ایک اور حدیث ہے تم پر نماز ہر مسلمان کے ساتھ واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بُرا اگر چہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ صحیح بخاری میں ہے عبداللہ بن عمرؓ حجاج بن یوسف ثقفی کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت انسؓ بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ حجاج بن یوسف ظالم اور فاسق تھا۔ اسی طرح ارشاد ہے جو لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھو۔ جب امام کا فسق یا بدعت معلوم نہ ہو تو ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے اقتداء کے لئے یہ شرط نہیں

کہ امام کا عقیدہ معلوم کیا جائے یا اس کے عقیدہ کا امتحان لیا جائے بلکہ مستورالحال کے پیچھے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اگر امام کا فسق ظاہر ہو یا ایسا بدعتی ہو کہ اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو بھی بلاتا ہے اور امام راتب ہو مثلاً عیدین اور جمعہ یہی امام پڑھاتا ہے تو اس امام کے پیچھے سلف وخلف سب کے نزدیک نماز صحیح ہے۔ جو آدمی فاسق امام کے پیچھے جمعہ اور عیدین پڑھنا چھوڑ دے تو اکثر علماء کے نزدیک مبتدع ہے صحیح یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھے اور پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ نہ کرے۔ صحابہ کرام نے فاجر امام کے پیچھے نماز پڑھی ہیں اور پھر اعادہ نہیں کیا۔ یہ ساری گفتگو نفس جواز میں ہے کراہت کا مسئلہ الگ ہے فی نفسہ نماز صحیح ہے۔ بدعتی کا امام بنانا صحیح نہیں بلکہ قابل تعزیر ہے۔ اگر ممکن ہو تو فاسق اور فاجر کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اگر فساد وغیرہ کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ و جماعت ترک نہ کرے۔

وَعَلیٰ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ:۔ ہر نیک و بد کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اگرچہ اس عموم سے باغی اور قطاع الطریق مستثنیٰ ہیں۔ کتاب الآثار میں ہے ابن عمرؓ نے ایک زانیہ اور اس کے بیٹے پر نماز پڑھی ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مر جائے تو ان پر جنازہ ترک نہ کیا جائے گا۔ البتہ زجراً زانیہ اور خودکشی کرنے والوں کی خواص نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ پڑھائیں۔ اگر کسی کا اعتقادی نفاق معلوم ہو جائے تو ان پر نماز جنازہ اور ان کے لئے استغفار جائز نہیں جس کا جنازہ حضرت حذیفہؓ نہ پڑھاتے تو حضرت عمرؓ بھی اس کا جنازہ نہ پڑھتے کیونکہ حضرت حذیفہؓ کو منافقین معلوم تھے۔

عقیدہ نمبر ۷۰:۔

قولہ: وَلَا نُنَزِلُ اَحَداً مِنهُم جَنَّةً وَلَا نَاراً وَلَا نَشهَدُ عَلَيهِم بِكُفرٍ وَلَا بِشِركٍ وَلَا نِفَاقٍ مَالَم يَظهَرُ مِنهُم شَيءٌ مِن ذَالِكَ وَنَذَرُ سَرَآئِرَهُم اِلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ۔

ترجمہ:۔اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی قطعی طور جنتی یا جہنمی نہیں کہتے ۔اور ہم ان پر کفر، شرک اور نفاق کی گواہی نہیں دیتے جب تک ان میں سے کوئی چیز ظاہر نہ ہو اور ہم ان کے رازوں کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔

شرح:۔اہل قبلہ میں سے کسی معین شخص کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ جنتی ہے اور یہ جہنمی ہے۔ہاں جس کے بارے میں حضور ﷺ نے جنتی ہونے کی خبر دی ہے مثلاً عشرہ مبشرہ۔تو ہم بھی گواہی دیں گے کہ عشرہ مبشرہ جنتی ہیں۔ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل کبائر میں سے جس کو چاہے دوزخ میں داخل کرے گا پھر اس کو اپنی رحمت یا اہل شفاعت کی سفارش کی وجہ سے دوزخ سے نکال دیں گے۔کسی معین شخص کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔اس لئے کہ ہر آدمی کے باطن کے بارے میں اللہ کو علم ہے اور اللہ بہتر جانتے ہیں کہ کون کس حالت میں مرتا ہے۔ہم کسی کے ظاہر و باطن کا احاطہ نہیں کر سکتے۔جو لوگ نیک ہیں ان کے لئے جنت کی امید رکھتے ہیں اور جو بُرے ہیں ان کے بارے میں ڈرتے ہیں۔کسی کے لئے جنت کی گواہی دینے کے بارے میں سلف کے تین اقوال ہیں۔

(۱) محمد بن الحنفیہؒ اور امام اوزاعیؒ سے منقول ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ کسی کے لئے جنت کی گواہی دینا صحیح نہیں۔

(۲) اکثر علماء اور اہل حدیث فرماتے ہیں کہ جس مؤمن کے بارے میں جنتی ہونے کی نص موجود ہو اس کے لئے جنت کی گواہی دینا صحیح ہے۔

(۳) جس کے لئے سب مؤمن گواہی دیں تو وہ جنتی ہے۔ایک جنازہ گزرا صحابہ کرامؓ نے اس کی اچھی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا وجبت۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا لوگوں نے اس کی بُرائی بیان کی آپ ﷺ نے فرمایا وجبت۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ وجبت کا کیا معنیٰ؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی آپ نے اچھائیاں بیان کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی آپ نے بُرائی بیان کی اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "أَنتُم شُهَدآءُ اللهِ فِي الْاَرضِ" آپ لوگ زمین میں اللہ کی طرف سے گواہ ہیں۔اور آپ ﷺ نے فرمایا آپ لوگ عنقریب اہل جنت اور اہل دوزخ کو جان لیں گے۔لوگوں نے کہا وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "بِالثَناءِ الْحسنِ وَالثناءِ السّيّءِ" اچھی اور بُری تعریف کے ذریعے۔

وَلَا نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرٍ وَلَا بِشِرْكٍ وَلَا نِفَاقٍ:۔ ہم ظاہر کے مکلف ہیں ظاہری کفر، شرک اور نفاق کی طرف دیکھنا ہوگا۔بدگمانیوں سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔اور ایسی بات کی اتباع سے منع کیا گیا ہے جس کا ہمارے پاس علم نہ ہو۔ارشاد ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات/۱۲)

ترجمہ:۔اے ایمان والو! بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعض تہمت گناہ ہے۔

ارشاد ہے:۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً (الاسراء/۳۶)

ترجمہ:۔نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اسی طرح کسی کے اندر کے رازوں کی کھوج صحیح نہیں بس اس کے ظاہر کے مطابق فیصلہ صحیح ہے ارشاد باری ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً (النساء/۹۴)

ترجمہ:۔اے ایمان والو! جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرلیا کرو اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں۔

حضور ﷺ نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال واسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا۔اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کو مار ڈالا

اور اس کے مویشی اور سارا مال لے لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی کہ جو اپنا اسلام ظاہر کرے اس کے اسلام کا انکار نہ کرو۔ یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تحقیق نہ کرو بلکہ تحقیق کا حکم ہے۔ اس لئے فرمایا "فَتَبَيَّنُوا" تحقیق کر لیا کرو۔

عقیدہ نمبر ۷۱:۔

قولہ: وَلَا نَرَى السَّيْفَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِلَّا مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ۔

ترجمہ:۔ اور ہم محمد ﷺ کی امت میں سے کسی پر تلوار کو جائز نہیں سمجھتے ہیں مگر جس پر تلوار واجب ہو گئی ہو۔

شرح:۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کلمہ گو مسلمان کا خون حلال نہیں۔ کیونکہ ہر کلمہ گو مسلمان معصوم الدم بن جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام/۱۵۱)

ترجمہ:۔ اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر۔

تین بندے ایسے ہیں جن کا خون بہانا جائز ہے (۱) شادی شدہ زنا کار (۲) کسی کو ناحق قصداً قتل کرنے والا (۳) مرتد۔ یعنی دین اسلام کو سلام کر بیٹھے پھر خواہ کسی دوسرے دین میں داخل ہو یا نہ ہو۔

عقیدہ نمبر۲۷:۔

قولہ: وَلاَ نَرَى الْخُرُوْجَ عَلٰى اَئِمَّتِناَ وَوُلاَةِ اُمُوْرِناَ وَاِنْ جَارُوْا وَلاَ نَدْعُوْعَلَيْهِمْ وَلاَ نَنْزِعُ يَداً مِنْ طَاعَتِهِمْ وَنَرٰى طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَرِيْضَةً مَالَمْ يَأْمُرُوْا بِمَعْصِيَةٍ وَنَدْعُوْلَهُمْ بِالصَّلاَحِ وَالْمُعَافاَةِ۔

ترجمہ:۔ اور ہم اپنے اماموں اور امور کے والیوں پر خروج (بغاوت) کو جائز نہیں سمجھتے اگر چہ وہ ظلم کریں اور نہ ہم ان کے لئے بددعا کرتے ہیں اور نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔ اور ہم اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ان کی طاعت کو فرض سمجھتے ہیں جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ کریں اور ہم ان کے لئے اصلاح اور معافی کی دعا مانگتے ہیں۔

شرح:۔ ارشاد باری ہے۔ يَاۤ اَيُّهاَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوااللّٰهَ وَاَطِيْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء/۵۹)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں مجھے میرے دوست نے وصیت کی کہ میں اطاعت کروں

اگر چہ وہ کوئی ایسا حبشی غلام کیوں نہ ہو جس کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے ہوں ۔ایک روایت میں ہے اگر چہ کسی ایسی حبشی کی اطاعت کیوں نہ ہو جس کا سر بہت چھوٹا ہو۔ ہاں کسی گناہ کے کام میں امیر کی اطاعت لازم نہیں ۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی کسی امیر میں کوئی ناگوار بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت جدا ہوا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے گلے سے اسلام کا پٹہ نکال دیا۔قرآن وحدیث سے اولی الامر کی اطاعت کا وجوب معلوم ہوتا ہے جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ کریں۔اولی الامر کی اطاعت کا حکم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد مذکور ہے اس میں اشارہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مطلقاً جائز نہیں بلکہ ان امور میں ان کی اطاعت ہوگی جن میں وہ اللہ اور اس کے رسول کے مطیع ہوں ۔کیونکہ اولی الامر کبھی اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر کوئی حکم جاری کرتے ہیں ۔کہ معلوم ہوا کہ فوجی قانون (order is order) حکم تو بس حکم ہوتا ہے یعنی ہر حال میں ماتحت فوجی افسر بالا کا حکم بلاچون وچرا تسلیم کرے گا حالانکہ افسران بالا اور فوجی افسر اکثر ایسا حکم دیتے ہیں جو بالکل قرآن وحدیث کے خلاف ہوتا ہے اور پوری فوج اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتی ہے۔ماضی قریب میں جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تو پاک افواج کے جرنل نے پوری فوج کو امریکیوں کے تعاون کا حکم دیا۔خواہی نہ خواہی پوری آرمی امریکہ کے ساتھ ہوگئی۔جس کی وجہ سے ایک مسلم ریاست (طالبان گورنمنٹ) صفحہ ہستی سے مٹ گئی اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔ جہاں تک ظالم امراء کی

اطاعت ہے تو خروج کے مفاسد ان کے مظالم سے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے صبر ضروری ہے جو گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور باعث اجر بھی ہے۔ کبھی اللہ ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے ظالم حکمرانوں کی مسلط کر دیتا ہے لہٰذا ایسے وقت میں خوب توبہ اور اصلاح عمل کی کوشش ضروری ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَذَالِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظَّالِمِيْنَ بَعْضاً بِماَ كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

(الانعام /۱۲۹)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب۔

اگر ظالم امیر کے ظلم سے چھٹکارا چاہیے تو رعایا خود ظلم چھوڑ دے۔ اس وقت پوری امت مسلمہ مجموعی حیثیت کے لحاظ سے اللہ سے باغی اور ظالم ہے۔ اس لئے ہر جگہ اپنے اور پرائے ظالم حکمران مسلط ہیں۔ اگر امت مسلمہ واقعی مظلوم بن جائے اللہ تعالیٰ ان اپنے اور پرائے ظالم حکمرانوں کا صفایا کر دیں گے۔ مالک بن دینار فرماتے ہیں میں نے آسمانی کتب میں پڑھا ہے (اللہ فرماتے ہیں) میں اللہ ہوں مالک الملک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ جو میری اطاعت کرتا ہے تو بادشاہوں کو ان کے لئے رحمت بنا دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے تو حکمرانوں کو ان کے لئے زحمت اور مصیبت بنا دیتا ہوں۔ ان ظالم حکمرانوں کی وجہ سے خود کو نہ بھولو یعنی میری طرف متوجہ رہو، توبہ کرو ان بادشاہوں کو میں تم پر مہربان بنا دوں گا۔

عقیدہ نمبر ۷۳:۔

قولہ: وَنَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَنَجْتَنِبُ الشُّذُوْذَ وَالْخِلَافَ وَالفُرْقَةَ۔

ترجمہ:۔ اور ہم سنت اور جماعت کی اتباع کرتے ہیں اور شذوذ، خلاف اور علیٰحدگی سے بچتے ہیں۔

شرح:۔ سنت سے مراد حضور ﷺ کا طریقہ اور جماعت سے مراد جماعت المسلمین ہے اور یہ صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔ان ہی لوگوں کو اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں۔صرف سنت پر چلنے والے صحیح نہیں اور نہ صرف جماعت کے ساتھ رہنے والے بلکہ سنت اور جماعت دونوں کی پیروی ضروری ہے۔بعض لوگ خود کو اہل قرآن کہتے ہیں یہ لوگ غلط ہیں۔اسی طرح بعض لوگ خود کو اہل حدیث کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں جماعت المسلمین سے کٹنے والے ہیں۔حالانکہ قانون اور طریقہ کے ساتھ اس قانون اور راستے پر چلنے والے افراد کا ساتھ بہت ضروری ہے۔ہم سورہ فاتحہ میں دعا کرتے ہیں ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' (الفاتحہ/۶) ترجمہ:۔ بتلا ہم کو راہ سیدھی۔

صراط مستقیم سنت والا راستہ ہوا۔پھر اس سنت والے راستے کی تشریح اس راہ پر چلنے والے بہترین اور کامیاب افراد کے تذکرے کے ساتھ ہوئی۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ /۷)

ترجمہ:۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا۔

اب راستے کی وضاحت کے لئے افراد کا ذکر ہوا یعنی جماعت المسلمین۔ معلوم ہوا کہ سنت راستے پر بغیر انعام یافتہ افراد کے چلنا دشوار ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ گمراہ ہو جائے۔ اللہ نے ایک صحیح اور سیدھے راستے پر چلنے کے لئے کتاب بھیجی ہے تو ساتھ صاحبِ کتاب کو بھی بھیجا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحیح سنت والے راستے پر چلانے والے افراد ہی ہیں اس لیے اسلام میں تصوف کے اندر بیعت کا سلسلہ شروع سے چلا آرہا ہے۔ راہ شریعت کے شہسوار اور شناور اپنے مریدوں کو اسلام کے راستے پر چلنا سکھاتے ہیں جس کو طریقت کہتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء حق میں سے شاید کوئی ایسا ہو جس نے کسی باشرع مُرشد سے بیعت نہ کی ہو۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے جبال العلم نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو اپنا پیر و مرشد بنایا تھا۔ لہذا افراد، رجال اور جماعتی زندگی سے کٹنا خطرناک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآئَتْ مَصِيْراً (النساء/ ۱۱۵)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بُری جگہ پہنچا۔

ارشاد ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (ال عمران/۱۰۵)

ترجمہ:۔اور مت ہوان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (اعراف/۱۵۹)

ترجمہ:۔جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے، تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔

عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل نرم ہو گئے۔کسی نے کہا شاید یہ الوداعی وعظ ہے ہمیں کوئی وصیت فرمائیں۔فرمایا تم اپنے اوپر اطاعت کو لازم کرو۔زندہ رہے تو میرے بعد بہت اختلافات دیکھو گے۔پس تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔یہاں پر بھی اہل رجال کے ساتھ رہنے کا حکم ہے۔فرمایا اہل کتاب کے ۷۲ بہتر فرقے ہو گئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔سب آگ میں ہوں گے صرف ایک فرقہ نجات یافتہ ہوگا اور وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔معلوم ہوا نجات والے وہ ہیں جو سنت کی پیروی جماعت والوں کے ساتھ کرتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن

مسعودؓ نے کیا خوب فرمایا ہے جس کو کسی راستے پر چلنا ہے اس کو چاہیے کہ مُردوں کے راستہ پر چلے کیونکہ زندہ فتنوں سے محفوظ نہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہل افراد ورجال کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اور یہ مُردے حضور ﷺ کے صحابہ ہیں جو اس امت کے افضل افراد ہیں۔ ان کے دل انتہائی نیک تھے۔ اور علم انتہائی گہرا تھا اور بہت کم تکلف والے تھے۔ یہ ایسی قوم تھی جن کو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کیلئے اور اپنے دین کے قیام وبقا کے لئے منتخب کیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو۔ ان کے آثار کی اتباع کرو۔ حتی الوسع ان کے اخلاق اور ان کے دین کی پیروی کرو کیونکہ وہ سب صراط مستقیم پر قائم رہنے والے تھے۔ الحاصل جماعت کے ساتھ رہنا حق اور صحیح ہے اور جدائی کجی اور عذاب ہے۔

عقیدہ نمبر ۷۴:۔

قولہ: وَنُحِبُّ اَهْلَ الْعَدْلِ وَالْاَمَانَةِ وَنُبْغِضُ اَهْلَ الْجَوْرِ وَالْخِيَانَةِ۔

ترجمہ:۔ اور ہم اہل عدل اور اہل امانت کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور اہل ظلم اور اہل خیانت کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔

شرح:۔ صوفیاء کرام کہتے ہیں انبیاء کرام کو اللہ نے ازالہ کیلئے نہیں بلکہ امالہ کے لئے بھیجا ہے۔ حسد، کینہ، بغض، محبت، نفرت، غصہ وغیرہ فی نفسہ بُری چیزیں نہیں انبیاء کرام ان کا ازالہ نہیں فرماتے۔ بلکہ ان کے صحیح استعمال کیلئے صحیح جگہ بتاتے ہیں

کہ غصہ کہاں اور کس پر کرنا ہوگا۔ بغض کس کے ساتھ جائز ہے اگر ان کا صحیح استعمال ہو تو یہ ایمان کی علامات بن جاتی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے لیے بغض اور محبت افضل عمل ہے۔ اہل عدل اور اہل امانت کے ساتھ محبت اور اہل ظلم اور اہل خیانت کے ساتھ بغض کمال ایمان اور کمال عبدیت ہے ایسے شخص کا ایمان کامل ہے کیونکہ عبادت کمال محبت اور کمال ذلت کا نام ہے۔ انبیاء کرام اور مؤمنین کے ساتھ محبت اللہ کے ساتھ محبت ہے اگر چہ اللہ والی محبت کا غیر اللہ مستحق نہیں۔ پس غیر اللہ کے ساتھ اللہ کے لیے محبت کی جاتی ہے نہ کہ اللہ والی محبت اس کے ساتھ کی جاتی ہے۔ محبّ محبوب کی چاہت کا خیال رکھتا ہے۔ محبوب جس سے بغض رکھتا ہے محبّ بھی اس کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ محبوب جس کے ساتھ دوستی رکھتا ہے محبّ بھی اس کے ساتھ دوستی رکھتا ہے ۔ محبّ محبوب کی رضامندی پر چلتا ہے۔ محبوب جو حکم کرتا ہے محبّ بھی وہ حکم کرتا ہے محبوب جس سے روکتا ہے محبّ بھی اس سے روکتا ہے۔ ہر حال میں محبّ محبوب کی موافقت کو اختیار کرتا ہے۔

مثال:۔ جب کوئی شخص کسی کے محبوب بیٹے کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس کے ساتھ پیار کرتا ہے تو باپ کی نظر میں وہ شخص محبوب بن جاتا ہے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل شہیدؒ کے چھوٹے بیٹے کا ان کے سامنے ایک حاجی صاحب نے بوسہ لیا، پیار کیا تو شاہ فیصلؒ نے اس کو ریالوں کے انعام کے ساتھ نوازا۔

اللہ تعالیٰ محسنین، متقین، توابین اور متطہرین کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ ہم بھی ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ محبت کرتا ہے اللہ خائنین، مفسدین

اور متکبرین کے ساتھ محبت نہیں کرتے ہم بھی ان کیساتھ محبت نہیں رکھتے بلکہ ہم ان کے ساتھ اللہ کی موافقت کرتے ہوئے بغض رکھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے ''اوثق ؟؟؟ الایمان الحبُّ فی اللّٰہِ والبُغض فی اللّٰہِ'' ایمان کی مضبوط کڑی اللہ کے لئے کسی کے ساتھ محبت اور بغض ہے۔

عقیدہ نمبر ۷۵:۔

قوله: اَللّٰهُ اَعْلَمُ فِيمَا اشْتَبَهَ عَلَيْنَا عِلْمُهٗ۔

ترجمہ:۔ جن باتوں کا علم ہم پر مشتبہ ہو جائے اس کے بارے میں ہم اللہ اعلم کہتے ہیں۔

شرح:۔ پہلے گزر چکا ہے کہ اس شخص کا دین سالم نہیں جو خود کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد نہ کرے۔ اور مشتبہ بات کو اس کے جاننے والے کی طرف نہ لوٹائے اور بغیر علم کے گفتگو کرنے والا حقیقت میں خواہش کی اتباع کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (القصص)

ترجمہ:۔ اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بدون راہ بتلائے اللہ کے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيْدٍ (الحج/۳)

ترجمہ:۔اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے خبری سے اور پیروی کرتا ہے ہر شیطان سرکش کی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کو میرے علم کی طرف لوٹا دو۔ارشاد ہے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الکہف/۲۶)

ترجمہ:۔تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت ان پر گزری اسی کے پاس ہے چھپے بھید آسمان اور زمین کی۔

قُلْ رَّبِّىْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ (الکہف/۲۲)

ترجمہ:۔تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے ان کی گنتی۔

جب حضور ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ'' حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کون سی زمین مجھے اُٹھائے گی ،کونسا آسمان مجھے اپنے سائے تلے جگہ دے گا اگر میں کسی آیت کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہوں یا وہ بات کہوں جو نہیں جانتا۔حضرت ابوبکرؓ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوا جس کا حل ان کو قرآن وحدیث میں نہیں ملا تو اپنی طرف سے اجتہادی رائے پیش کی اور فرمایا یہ میری رائے ہے،اگر صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے اور پھر استغفار پڑھا۔بڑے بڑے ائمہ نے بہت سے مسائل کے بارے میں لا اَدْرِیْ کہا ہے۔علماء فرماتے ہیں ''اِنَّ مِـ ـن

العلم لاأدری ''لاادری کہنا بھی ایک علم ہے۔ائمہ مجتہدین جب رائے پیش کرتے ہیں تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ محققین کا طریقہ ہے تحقیق کے آخر میں واللہ اعلم بالصواب کہہ کر اپنا ذمہ فارغ کر دیتے ہیں کیونکہ ہر انسان خواہ کتنا بڑا عالم بن جائے اس کا جہل اس پر حاوی ہوتا ہے۔ ہر آدمی کے مجہولات اس کی معلومات سے زیادہ ہوتی ہیں۔

عقیدہ نمبر۷۶:۔

قولہ: وَنَرَی الْمَسْحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ فِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ کَمَاجَآءَ فِی الْاَثَرِ۔

ترجمہ:۔اور ہم سفر وحضر میں موزوں پر مسح کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

شرح:۔موزوں پر مسح اور پاؤں دھونا دونوں حضور ﷺ سے تواتر سے ثابت ہیں۔روافض اس سنت متواترہ کو نہیں مانتے۔موزوں پر مسح مقیم اور مسافر کے لئے قرآن سے بھی ثابت ہے جب ''اَرْجُلِکُمْ'' کی قرأت بالکسر ہو۔حضور ﷺ نے اپنے فعل سے واضح کر دیا کہ موزوں کی حالت میں مسح ہے اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو غسل ہے۔موزوں پر مسح اگرچہ کتاب اللہ پر زیادۃ ہے لیکن یہ زیادتی خبر مشہور کی وجہ سے ہے۔حضرت علیؓ بن ابی طالب سے مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھا

گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات مسح کی مدت بتائی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مسافر کے لیے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات موزوں پر مسح کی اجازت دی ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے ستر صحابہ کرام کو پایا ہے جو مسح علی الخفین کو جائز سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ میں مسح علی الخفین کا قائل نہیں ہوا یہاں تک کہ مجھ کو اس کے بارے میں دن کی روشنی کے مانند واضح دلائل پہنچ گئے۔ اور کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کے کفر کا اندیشہ رکھتا ہوں جو مسح علی الخفین کو جائز نہیں سمجھتا۔ اسلیے کہ اس کے بارے میں آثار تواتر تک پہنچ گئے ہیں۔ اور جو شخص مسح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے تو وہ اہل بدعت سے ہے۔ یہاں تک کہ حضرت انس بن مالکؓ سے اہل السنۃ والجماعۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ان کی علامت شیخین سے محبت، دونوں داماد حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کو مطعون نہ کرنا اور مسح علی الخفین کرنا۔

مسح علی الخفین اگرچہ فقہی جزئیات میں سے ہے لیکن شیعوں نے اس کا انکار کیا ہے لہذا اس کا اقرار اہل السنۃ والجماعۃ کی علامت بن کر عقائد میں مذکور ہوا۔

عقیدہ نمبر ۷۷:۔

قولہ: وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ مَاضِيَانِ مَعَ أُولِي الْأَمْرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ إِلَىٰ قِيَامِ الْقِيَامَةِ لَا يُبْطِلُهُمَا شَيْءٌ وَلَا يَنْقُضُهُمَا۔

ترجمہ: اور حج اور جہاد دونوں قیامت تک مسلمانوں کے ائمہ کیساتھ جاری رہیں گے خواہ وہ ائمہ نیک یا فاجر ہوں۔ان دونوں فریضوں کو کوئی شی باطل نہیں کرسکتی اور نہ ان دونوں کو توڑ سکتی ہے۔

شرح:۔ فرائض تو بہت ہیں لیکن حج اور جہاد دونوں ایسے فریضے ہیں جن میں اہل انتظام کی بہت زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔اس لئے دونوں فریضے امیر کے ماتحت ادا کیے جائیں گے، خواہ امیر نیک ہو یا بُرا۔ شیعوں کے نزدیک امام معصوم ہونا ضروری ہے حالانکہ امام اور امیر معصوم نہیں ہوتا۔ ہاں گناہوں سے محفوظ ہوسکتا ہے۔ لیکن انبیاء کرام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ اس عقیدہ میں روافض کا رد ہے کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں جہاد اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ال محمد ﷺ سے امام رضی تشریف نہ لائیں۔ پھر آسمان سے ایک منادی آواز لگائے گا کہ امام رضی کی اتباع کرو ان کا یہ عقیدہ غلط ہے اور نہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ صحیح مسلم میں ہے عوف بن مالک الاشجعیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تمہارے بہترین امراء وہ ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تم کو پسند کرتے ہیں وہ تم پر نمازیں پڑھتے ہیں اور تم ان پر نمازیں پڑھتے ہو اور تمہارے بدترین امراء وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہم ان کو ایسے حالات میں چھوڑ دیں۔ فرمایا نہیں جب تک وہ تمہارے مابین نمازیں قائم کرتے ہیں۔ فرمایا خبردار اگر تم میں سے کسی پر کوئی ایسا والی اور امیر مقرر ہو جائے جس میں تم اللہ کی نافرمانی دیکھ لو تو اس کی نافرمانی کو بُرا

جانو لیکن اس کی اطاعت سے اپنے ہاتھ نہ کھینچو۔

شیعوں کا امام معصوم دراصل امام معدوم ہے اس لئے کہ وہ فی الحال بھی موجود نہیں اور نہ آئندہ کبھی ظہور پذیر ہوگا۔ اس لئے ان کے امام کا نہ دنیا میں فائدہ ہے نہ آخرت میں ۔ ان کا یہ امام غائب ہے جس کا ان کو انتظار ہے کہ تشریف لائے گا۔ وہ امام محمد بن حسن العسکری ہیں وہ ۲٦٠ھ سے ان کے گمان کے مطابق ایک تہہ خانہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے ان کے لئے ایک خچر یا گھوڑے کا انتظام کر رکھا ہے وہاں سے جب نکلیں گے تو اس پر سوار ہو کر تشریف لائیں گے۔ اور انہوں نے ایک منادی بھی وہاں مقرر کر رکھا ہے جو اس غار کے باہر آواز لگاتا ہے اے مولانا! باہر تشریف لاؤ ۔ اور وہ لوگ اس کے ساتھ اسلحہ کے ساتھ لیس ہوں گے کوئی ان کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ یہ شیعوں کی عجیب خرافات ہیں جن پر عقلاء ہنستے ہیں۔

لطیفہ:۔ شیعوں کی طرف سے کبھی اتحاد کے لئے کہا جاتا ہے۔ مناظر اسلام مولانا محمد امین اوکاڑویؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے کہا جب تک آپ کا امام غائب ہے آپ سنی بن جائیں اور جب آپ کا امام تشریف لائے تو ہم شیعہ بن جائیں گے۔

الحاصل حج اور جہاد میں سفر کی ضرورت پڑتی ہے ساتھ ایک مدبر کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ تمام انتظامی امور کی دیکھ بھال کر سکے۔ دشمن کا مقابلہ بھی ہوگا۔ اور یہ ایسے کام ہیں جو نیک اور فاجر دونوں قسم کے امام سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس میں عصمت کی ضرورت نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر ۷۸:۔

قولہ:وَنُؤمِنُ بِالْکِرَامِ الْکَاتِبِیْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْجَعَلَ عَلَیْنَا حَافِظِیْنَ -

ترجمہ:۔اور ہم کراماً کاتبین پر ایمان رکھتے ہیں بے شک اللہ نے ان کو ہم پر محافظ مقرر کررکھا ہے۔

شرح:۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِیْنَ کِرَاماً کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ (الانفطار/۱۰..۱۲)

ترجمہ:۔اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عزت والے عمل لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

ارشاد ہے

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیَانِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (قٓ/۱۷،۱۸)

ترجمہ:۔جب لیے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا اور بائیں بیٹھا نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس ایک نگہبان تیار۔

لَہٗ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِاللّٰہِ (الرعد/۱۱)

ترجمہ:۔اس کے پہرے والے ہیں بندہ کے آگے سے اور پیچھے سے اس

کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔

اِنَّ رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَاتَمْکُرُوْنَ(یونس/ ۲۱)

ترجمہ:۔ تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حیلہ بازی تمہاری۔

صحیح حدیث ہے کہ دن رات میں تمہارے پاس فرشتے بدل بدل کرآتے ہیں صبح کی اور عصر کی نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ جب اوپر چڑھتے ہیں تو ان سے پوچھا جاتا ہے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑ کرآئے ہو۔ کہتے ہیں جب ان کے پاس گئے تو نماز پڑھ رہے تھے جب ان کو چھوڑ کرآئے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے پاس ایسے فرشتے ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے۔ صرف بیت الخلاء اور جماع کے وقت دور ہو جاتے ہیں۔ ان سے حیا کرو، ان کا اکرام کرو۔

دو فرشتے دائیں طرف ہوتے ہیں دو بائیں طرف۔ دائیں طرف والے نیکیاں لکھتے ہیں اور بائیں طرف والے بُرائیاں لکھتے ہیں۔ دو اور فرشتے ہیں جو حفاظت اور چوکیداری کرتے ہیں ایک آگے ہوتا ہے ایک پیچھے۔ چار فرشتے دن کو ہوتے ہیں اور چار رات کو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ فرشتے آگے پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں جب وقت مقرر آتا ہے تو فرشتے ہٹ جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ۔ فرمایا میرا شیطان میرا تابعدار ہے مجھے صرف بھلی بات کا حکم کرتا ہے۔ نصوص مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے قول اور فعل لکھتے ہیں نیت بھی لکھتے ہیں کیونکہ نیت دل کا فعل ہے، یَعْلَمُوْنَ مَا

تَفۡعَلُوۡنَ کے عموم میں یہ سب داخل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ کسی برائی کا قصد کرے تو اس کو نہ لکھو اگر گناہ کرلے تو صرف ایک گناہ لکھو اور جب ایک بندہ نیکی کا ارادہ کرلے اور نیکی نہ کرے تو بھی ایک نیکی لکھو اگر نیکی کرلے تو دس نیکیاں لکھ لو۔

عقیدہ نمبر ۷۹:۔

قولہ: وَنُؤۡمِنُ بِمَلَكِ الۡمَوۡتِ الۡمُوَكَّلِ بِقَبۡضِ اَرۡوَاحِ الۡعَالَمِيۡنَ۔

ترجمہ:۔ اور ہم موت کے اس فرشتہ پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام عالم کی روحیں قبض کرتا ہے۔

شرح:۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

قُلۡ يَتَوَفّٰكُمۡ مَلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِيۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ (السجدہ/۱۱)

ترجمہ:۔ تو کہہ قبض کرلیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے۔

ارشاد ہے۔ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ (الانعام/۶۱)

ترجمہ:۔ قبضہ میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

ارشاد ہے۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا (الزمر/۴۲)

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا۔

پہلی آیت میں قبض ارواح کی نسبت ملک الموت کی طرف ہے دوسری آیت میں قبض ارواح کی نسبت فرشتوں کی جماعت کی طرف ہے، تیسری آیت میں قبض ارواح کی نسبت اللہ کی طرف ہے تینوں نسبتیں الگ الگ ہیں تینوں میں تعارض ہے۔

جواب:۔ تینوں کی طرف قبض ارواح کی نسبت صحیح ہے۔ اللہ قبض ارواح کا حقیقی فاعل ہے ملک الموت اس کی طرف سے قبض ارواح پر مقرر ہے اور فرشتوں کی جماعت ملک الموت کے اعوان اور مددگار ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے احقر کی کتاب تطبیق الآیات ص/ ۱۳۷) اس تطبیق کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ملک الموت تو ارواح کے قبض اور نکالنے پر مامور ہیں پھر وہ ارواح اس سے عذاب کے فرشتے یا رحمت کے فرشتے حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر یہ فرشتے اس روح میں اللہ کے حکم اور اس کی قضاء وقدر سے تصرف کرتے ہیں۔ اس طرح توفی کی نسبت اور اضافت تینوں کی طرف صحیح ہے۔

عقیدہ نمبر ۸۰:۔

قولہ: وَنُؤْمِنُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ لِمَنْ کَانَ لَہٗ اَھْلاً وَسُوَالِ مُنْکَرٍ وَنَکِیْرٍ فِیْ قَبْرِہٖ عَنْ رَبِّہٖ وَدِیْنِہٖ وَنَبِیِّہٖ عَلٰی مَاجَاءَ تْ بِہٖ الْاَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَعَنِ الصَّحَابَۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ:۔اور ہم قبر کے عذاب پر یقین رکھتے ہیں اس شخص کے لئے جو اس کا اہل ہے اور منکر نکیر کے سوال پر یقین رکھتے ہیں۔میت سے اس کی قبر میں اس کے رب اور اس کے نبی اور اس کے دین کے بارے میں اس تفصیل کے مطابق سوال کیا جائے گا جس کے ساتھ حضور ﷺ اور صحابہ کرام سے اخبار وارد ہیں۔

شرح:۔ارشاد باری ہے۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا(المؤمن/۴۵،۴۶)

ترجمہ:۔اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح اور شام۔

ارشاد ہے۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

(الطور /۴۵تا ۴۷)

ترجمہ:۔سو چھوڑ دے ان کو یہاں تک کہ دیکھ لیں اپنے اس دن کو جس میں ان پر پڑے گی بجلی کی کڑک جس دن کام نہ آئے گا ان کو ان کا داؤ کچھ بھی ، اور نہ ان کو مدد پہنچے گی اور ان گنہگاروں کیلئے ایک عذاب ہے اس سے

ورے، پر بہت ان میں کے نہیں جانتے۔

اس آیت میں احتمال ہے کہ عذاب سے مراد دنیا میں قتل کا عذاب ہو اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ برزخ کا عذاب مراد ہو۔ اور یہ احتمال ظاہر ہے کیونکہ ان میں بہت سے بغیر قتل کے مر گئے ہیں۔ حالانکہ عذاب تو سب کے لئے عام ہے تو اگر عذاب قبر مراد لیا جائے تو سب کو ضرور ملے گا۔ اس لئے یہ احتمال اظہر اور راجح ہے۔ یا اس عذاب سے دنیا و برزخ دونوں کا عذاب مراد ہوسکتا ہے۔ براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم بقیع غرقد کے مقام پر ایک جنازہ میں شریک تھے۔ ہمارے پاس حضور ﷺ تشریف لائے وہ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے، گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ اور آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا "اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ" اور فرمایا کہ مؤمن کی جان کنی کا وقت جب آتا ہے تو اس کے پاس روشن چہرے والے فرشتے آتے ہیں جن کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو ہوتی ہے قریب الموت آدمی سے دور بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے جو اس کے سر کے قریب بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نفس طیبہ! اللہ کی مغفرت کی طرف نکل آ، تو فرشتے اس کی روح کو اس جنت والے خوشبودار کفن میں لے کر اوپر چڑھتے ہیں جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ فرشتے کہتے ہیں کیا عمدہ روح ہے۔ اس طرح اوپر کے آسمانوں کے فرشتے ان کے ساتھ ملتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کا اندراج اعلیٰ علیین میں ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی روح اس کے جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں من ربک

تیرا رب کون ہے مؤمن مردہ کہتا ہے ربی اللہ، میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھتے ہیں مادینک، تیرا دین کیا ہے؟ یہ کہتا ہے دینی الاسلام میرا دین اسلام ہے پھر پوچھتے ہیں ہمارے مابین اس بھیجے ہوئے آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ مردہ کہتا ہے ھو رسول اللہ۔ پھر اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھایا جاتا ہے اور جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہاں کی خوشبوئیں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کافر کے پاس قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھا کر اس سے سوالات کرتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ھاھا لا ادری ہائے افسوس مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ہر سوال کے جواب میں یہی کہتے ہیں آسمان سے ایک منادی آواز لگاتا ہے کہ جھوٹ بولتا ہے اس کیلئے آگ کا بستر بچھا دو اور دوزخ کی طرف سے دروازہ کھول دو، دوزخ کی طرف سے زہریلی گرمی اس کی طرف آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ صحیحین کی حدیث ہے حضرت ابن عباس حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے اور اس کی وجہ کوئی کبیرہ گناہ نہیں ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر ایک ہری شاخ منگوائی اور ہر ایک کے قبر پر آدھی آدھی گاڑھ دی۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جب مردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو دو کیری آنکھوں والے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ عذاب قبر اور نعیم قبر کی روایات معنی تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ قبر میں روح جسد کی طرف لوٹ آتی ہے لیکن دنیاوی حیات کی طرح نہیں۔ روح کے بدن

کے ساتھ پانچ طرح کا تعلق ہے۔

(۱) ماں کے پیٹ میں جنین کے ساتھ روح کا تعلق۔

(۲) ماں کے پیٹ سے جب دنیا کی طرف نکل آئے تو اس وقت کا تعلق۔

(۳) نیند کی حالت میں بدن کے ساتھ تعلق، من وجہ بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے من وجہ روح بدن سے جدا ہوتی ہے۔

(۴) برزخ میں بدن کے ساتھ تعلق، اگرچہ روح بدن سے جدا ہوتی ہے لیکن کلی جدائی نہیں ہوتی کہ بالکل بدن کے ساتھ تعلق باقی نہ رہے۔ روایات میں آتا ہے جب مردہ کے قبر پر کوئی سلام کرتا ہے تو روح واپس لوٹ آتی ہے۔ اسی طرح جب لوگ مردہ کو دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ لیکن روح کا یہ لوٹنا خاص قسم کا ہے اس کے ساتھ بدن میں قیامت سے پہلے حیات پیدا نہیں ہوتی۔

(۵) جب مردے قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو اس وقت روح کا بدن کے ساتھ کامل تعلق ہوتا ہے جو گزشتہ تعلقات سے بالکل جدا ہے۔ اس تعلق کے بعد بدن کو نہ موت آتی ہے نہ نیند اور نہ بدن میں فساد برپا ہوتا ہے۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے۔ قبر میں سوال صرف روح سے نہیں اس لیے عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا۔

مثال:۔ ایک لنگڑا کسی اندھے کے کندھوں پر سوار ہو کر کسی باغ سے پھل توڑے تو سزا دونوں کو ملے گی کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر پھل نہیں توڑ سکتے تھے۔ اس طرح روح اور بدن ایک دوسرے کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

عذاب قبر سے مراد برزخ کا عذاب ہے مرتے ہی عذاب قبر کا مستحق ہو جاتا ہے خواہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو۔ اس کو درندے کھا جائیں یا جل کر اس کی راکھ ہوا میں بکھر جائے یا پانی میں غرق ہو جائے۔ جس طرح قبر میں مدفون مردہ کی روح اور بدن کو سزا ملتی ہے اسی طرح ان مذکورہ مردوں کو بھی سزا ملتی ہے۔ عذاب قبر تو اس لئے کہتے ہیں کہ عام طور پر مردے قبر میں دفن ہوتے ہیں ورنہ اصل عنوان عذاب برزخ ہے قبر میں مدفون ہو یا نہ ہو برزخ میں پہنچ گیا ہے۔

دار کی قسمیں:۔

(۱) دار دنیا (۲) دار برزخ (۳) دار قرار۔ ہر ایک کے احکام جدا جدا ہیں۔ انسان روح اور بدن سے مرکب ہے۔ دنیا میں احکام بدن کے لئے ہوتے ہیں اور روح اس کے تابع ہوتی ہے، برزخ میں احکام روح کے لئے ہیں اور بدن اس کے تابع ہے۔ اور حشر کے دن جب قبروں سے نکل آئیں تو عذاب اور نعیم بدن اور روح دونوں کے لئے اصالۃً ثابت ہوں گے۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ عذاب قبر یا نعیم قبر اس دنیا کی جنس سے نہیں، ان مردوں کو دیکھنے اور چھونے سے ان کے عذاب اور انعام کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ ان کا تعلق اب برزخ کے ساتھ ہے۔ یہی قبر یا تو جنت کا باغیچہ ہوتا ہے یا جہنم کا گڑھا۔ لیکن مشاہدہ سے کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض بندوں کو عذاب قبر اور نعیم قبر دکھلاتے دیتے ہیں۔ اس طرح سے بہت سے واقعات کا لوگ مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اگر تمام لوگوں کو قبر کے مکمل احوال کا پتہ چل جائے، مشاہدہ کرلیں تو مکلف بنانے کی حکمت اور ایمان بالغیب ختم ہو جائے گا اور

لوگ مردوں کو دفنانا چھوڑ دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفنانا چھوڑ دو گے تو اللہ سے سوال کرتا کہ تم کو عذاب قبر سنادے جیسے میں سنتا ہوں۔ البتہ بہائم اس کا ادراک کرتے ہیں، عذاب قبر کو سنتے ہیں بلکہ سیانے لوگ سرکش گھوڑے کو کنٹرول کرنے اور اس کے اکڑ پن کو ختم کرنے کے لئے قبرستان میں باندھتے ہیں، قبرستان کے عذاب قبر کے ادراک سے گھوڑے کا اکڑ پن ختم ہو جاتی ہے۔

منکر نکیر کے سوال و جواب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں کیا یہ اس امت کا خاصہ ہے؟ ایک قول توقف کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ خاص ہے۔ زید بن ثابت حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں ''اِنّ ھٰذِہِ الأُمّۃَ تُبْتَلیٰ فِیْ قُبُوْرِھاَ'' ایک روایت میں ''تُسْأَلُ فِیْ قُبُوْرِھاَ'' ہے یعنی اس امت سے قبر میں پوچھا جائے گا۔ اس جملہ میں احتمال تخصیص ہے لیکن یہ یقینی نہیں ہے۔ اس لئے بظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس امت کے ساتھ خاص نہیں۔ بچوں سے قبر میں سوال و جواب کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

کیا قبر کا عذاب منقطع ہوتا ہے یا دائمی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب قبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم دائمی عذاب کی ہے جیسے ال فرعون کے بارے میں ہے۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوّاً وَعَشِیاً وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المؤمن/۴۶)

ترجمہ:۔وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح اور شام اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔

اس طرح کافر کے بارے میں براء بن عازب ؓ کی حدیث ہے پھر کافر کے لئے آگ کی طرف سے دروازہ کھول دیا جائے گا اور اپنے ٹھکانے کو قیامت تک دیکھتا رہے گا۔ دوسری قسم محدود عذاب کی ہے۔کچھ مدت کے بعد عذاب قبر منقطع ہوجاتا ہے۔یہ وہ گنہگار مسلمان ہیں جن کے جرائم ہلکے ہوتے ہیں تو ان کو ان کے جرائم کے مطابق سزا ملنے کے بعد تخفیف ملتی ہے۔میت کو صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب کا فائدہ بھی ملتا ہے جس کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔اسی طرح قبر کے نفس عذاب سے بھی تطہیر ہوتی رہتی ہے۔آہستہ آہستہ یہ سلسلہ عذاب منقطع ہوجاتا ہے۔

سوال:۔جو کافر بہت پہلے مر چکا ہے اور وہ عذاب قبر میں اس وقت سے مبتلا ہے ایک کافر آج مرتا ہے تو عذاب قبر میں گرفتار ہوجاتا ہے ایک کافر مستقبل میں مرکر گرفتار سزا ہوگا۔بظاہر ان کی سزا میں مساوات نہیں کیونکہ کوئی زیادہ مدت سے مبتلا ہے اور کوئی کم۔مثلاً قرب قیامت والے کی سزا کم ہوگی مدت کے لحاظ سے۔

جواب:۔قبر میں ماضی، حال اور مستقبل کا تصور نہیں بس مرتے ہی گرفتار عذاب ہوجاتے ہیں۔قبر کی زندگی کافر کے لئے بہت لمبی محسوس ہوتی ہے اور مسلمان کے لئے بہت مختصر۔

مثال:۔فوج کا قانون بن جائے کہ فوج سے باغی کی سزا سزائے عمر ہے۔تو

جس فوجی کی بغاوت جس وقت ثابت ہوا اس وقت سے سزائے عمر شروع ہو جاتی ہے جو جرم میں پہل کرے گا اس کی سزا شروع ہو جائے گی۔ جو بعد میں باغی بنے گا اس کی سزا بعد میں شروع ہوگی۔ بعد میں باغی بننے والے کو پہلے باغی کے ساتھ سزا میں شریک نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کا جرم بعد میں ثابت ہوا۔ تو سزا کا اجراء جرم کے ثبوت کے بعد ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ دنیا کی یہ سزائے عمر موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے جبکہ عذاب قبر میں یہ تصور نہیں۔ فرض کریں فوج کے باغیوں کی عمریں بہت لمبی ہو جائے تو سزا میں لازماً طول پیدا ہوگا۔ باغیوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے کہیں کہ مثلاً تیری مدت سزا لمبی ہوگئی اور میری مدت سزا مختصر ہے۔

ارواح کا ٹھکانہ:۔

موت کے بعد قیامت تک ارواح کہاں ہوتی ہیں اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) مؤمنین کی ارواح جنت میں ہوتی ہیں اور کفار کی ارواح جہنم میں ہوتی ہیں،

(۲) مؤمنین کی ارواح جنت کے دروازے کے قریب صحن میں ہوتی ہیں جہاں سے جنت کے مزے لوٹتی ہیں۔

(۳) اپنے قبور کے قریب ہوتی ہیں مالکؒ فرماتے ہیں کہ روح آزاد ادھر اُدھر پھرتی ہیں۔

(۴) مؤمنین کی ارواح اللہ کے پاس ہوتی ہیں۔

(۵) مؤمنین کی ارواح دمشق میں جابیہ کے مقام پر ہوتی ہیں اور کفار کی ارواح

حضر موت میں برصوت نامی کنویں میں ہوتی ہیں۔

(۶) کعبؒ فرماتے ہیں کہ مؤمنین کی ارواح ساتویں آسمان میں علیین کے مقام پر ہوتی ہیں

(۷) مؤمنین کی ارواح حضرت آدمؑ کے دائیں طرف ہوتی ہیں اور کفار کی ارواح حضرت آدمؑ کے بائیں طرف ہوتی ہیں۔ابن حزمؒ فرماتے ہیں ارواح کا ٹھکانہ وہی ہے جہاں اجساد کے پیدا ہونے سے قبل تھیں۔ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ شہداء کی ارواح جنت میں ہوتی ہیں اور عام مؤمنین کی ارواح اپنے قبروں کے ارد گرد ہوتی ہیں۔ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی طرح عرش کے ساتھ معلق ہوتی ہیں صبح وشام جنت کے باغوں کی سیر کرتی ہیں روزانہ اپنے رب کے پاس آکر سلام کرتی ہیں۔ایک فرقہ کا قول ہے کہ ارواح کا ٹھکانہ عدم محض ہے یہ قول کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ایک فرقہ کہتا ہے کہ تمام ارواح کو ان کے اعمال، اخلاق اور صفات کے مناسب ایک بدن ملتا ہے تو ہر روح اپنے مناسب بدن میں چلی جاتی ہے۔یہ منکرین معاد کا عقیدہ تناسخ ہے جس کو آواگون کہتے ہیں یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔

تناسخ کی تردید کے دلائل:۔

عقیدہ تناسخ کے مطابق لوگوں کی تعداد نہیں بڑھنی چاہیے مثلاً ابتداء میں دس آدمی تھے ان کے مرنے کے بعد دس اچھے یا بُرے اور اچھے یا بُرے بدنوں والے حیوان ہونے چاہیے تھے۔لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسانوں اور حیوانوں میں روز بروز

اضافہ ہورہا ہے۔

(۲) انسان کی روح تو مرنے کے بعد کسی حیوان کی شکل میں آجاتی ہے لیکن حیوان کے مرنے کے بعد یہ روح کہاں چلی جاتی ہے۔

(۳) سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ کی روح، حضرت آدمؑ کی وجہ سے مزے کررہی ہے کیونکہ نبی عنداللہ مقرب اور مکرم ہوتا ہے۔تو پہلی انسانی روح کیوں حضرت آدم کے ساتھ مل کر مزے کررہی ہے؟ وہ کس کی روح تھی؟ اس نے کیا کارنامہ انجام دیا تھا کہ مزے کررہی ہے، حالانکہ روح کو سزایا جزا ان کے عقیدہ کے مطابق اس کے متعلقہ بدن کی وجہ سے ملنی چاہیے تھی۔

(۴) اگر روح اس طرح جزادسزا کاٹنے کیلئے دنیا میں اسطرح آتی رہے تو یہ دنیا دارالجزا بن جائے گی، معاد کا تصور ختم ہوجائے گا۔لہذا آریہ سماج کا یہ عقیدہ انکار آخرت پر مبنی ہے۔

(۵) اس عقیدہ کے مطابق انسان جانور بھی بن سکتا ہے حالانکہ انسان انسان ہے اور جانور جانور ہے۔صورتاً مسخ الگ چیز ہے جیسے یوم السبت والوں کے ساتھ ہوا تھا جو دنیا میں آخرت کے سزا کے علاوہ ایک الگ امتیازی سزا تھی۔اس امت میں اس قسم کا مسخ اب نہیں ہوتا۔

ارواح کے درجات:۔

برزخ کے اندر ارواح کے درجات میں بہت بڑا تفاوت ہے۔بعض ارواح ملأ اعلیٰ کی اعلیٰ علیین میں ہیں اور یہ انبیاء کرام کی ارواح ہیں اور وہ بھی اپنے

درجات میں متفاوت ہیں۔ بعض ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی جو جنت میں جہاں چاہیں چریں گی۔ اور یہ بعض شہداء کی ارواح ہیں نہ کہ سب شہداء کی۔ بعض شہداء کی ارواح مقروض ہونے کی وجہ سے جنت کے داخلے سے روک دی جائیں گی۔ ایک صحابیؓ نے حضورﷺ سے پوچھا اگر میں اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤں تو میرے لئے کیا اجر ہے آپﷺ نے فرمایا جنت، جب وہ صحابی واپس لوٹے تو فرمایا کہ مگر مقروض شہید۔

سوال:۔ شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھنا تو حبس اور قید ہے۔

جواب:۔ اگر کوئی ہوائی جہاز میں بیٹھ کر فضائی سفر کے مختلف خوب صورت مناظر سے لطف اندوز ہو رہا ہو تو یہ قید حبس اور سزا نہیں بلکہ یہ تو محض انعام اور اکرام ہے۔ ممکن ہے کہ شہداء کی ارواح کے لئے سبز پرندے کے پوٹے پائیلٹ کی جگہ ہو کیونکہ پوٹے کا مقام ہی پرندے کے گلے کے اگلے حصہ میں ہوتا ہے۔ یعنی روح اس پرندہ ہوائی جہاز کے پائیلٹ کی جگہ بیٹھتی ہو اور اس ہوائی جہاز کو خود چلاتی ہو اور پائیلٹ کی جگہ بیٹھ کر آدمی زیادہ لطف اندوز ہوتا ہے۔ پائیلٹ کے قریب بیٹھ کر ایک دفعہ خود احقر ہوائی سفر سے لطف اندوز ہو چکا ہے۔ بعض ارواح جنت کے دروازے کے ساتھ محبوس ہوں گی۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے صاحب کو جنت کے دروازے کے پاس محبوس دیکھا ہے۔ بعض وہ ارواح ہیں جو اپنی قبروں میں محبوس ہوں گی۔ بعض وہ ہیں جو زمین میں ہوں گی۔ اور بعض زنا کار مردوں اور عورتوں کی ارواح تنور میں ہوں گی۔ بعض وہ ارواح ہیں جو خون کے نہر میں تیرتی ہوں گی۔ اور

پتھروں کو لگیں گی۔ ارواح کے بارے میں ان تمام اقوال کے لئے احادیث سے ثبوت ملتا ہے۔

شہداء کی حیات:۔

شہداء کی حیات خاص حیات ہے اور صرف ان کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (اٰلعمران/۱۶۹)

ترجمہ:۔ اور تو نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مُردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ/۱۵۴)

ترجمہ:۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔

ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے تو ان کو اللہ نے سبز پرندوں کے پوٹوں میں جگہ عطا فرمائی، جنت کے باغوں کی سیر کرتے ہیں، وہاں کا پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سایہ میں قنادیل کے اندر رات گزارتے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جب شہداء نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ دے دیا تو اللہ نے ان کے بدنوں کے عوض برزخ میں بہتر ابدان عطا کر دیے جن میں

قیامت تک رہیں گے اوران بدنوں کے واسطہ سے جنت کی نعمتوں سے مستفید ہونے میں مجرد ارواح کی نعمتوں سے بڑھ کر ہوں گی۔اس لیے مؤمن کی روح پرندے کی صورت میں ہوتی ہے اور شہید کی جان اور روح پرندوں کے جوف میں ہوتی ہے۔

انبیاء کرام کے اجساد مبارکہ،ان کی حیات:۔

زمین پر اللہ نے حرام کردیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد کو کھا جائے۔شہید کا درجہ انبیاء کرام سے کم ہوتا ہے اس لیے انبیاء کرام کی حیات برزخی شہداء سے کئی درجہ بڑھ کر ہوگی۔ان کو بھی قوی حیات ملی ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔حیات انبیاء پر علماء کرام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

سوال:۔عذاب قبر اور نعیم قبر کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ میت بے جان ہے نہ اس میں حیات ہے نہ ادراک۔کیونکہ یہ چیزیں زندوں کے خواص سے ہیں۔

جواب:۔اللہ قادر ہے کہ میت میں عذاب کی تکلیف یا تنعیم کی لذت کے ادراک کے لئے ایک خاص قسم کی حیات پیدا کردے۔شہداء کے بارے میں آتا ہے "بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ "اب خاص حیات سے بدن کی طرف روح کا لوٹنا لازم نہیں کہ حشر سے پہلے ایک اور موت کا سامنا کرنا پڑے جس کے بعد حشر ہو۔کیونکہ اعادہ روح حیات کاملہ کے لئے ضروری ہے۔حیات خاصہ کے لئے اعادہ روح ضروری نہیں بلکہ اس کے لئے روح کا بدن کے ساتھ دور سے تعلق بھی کافی ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ روح کا تعلق بدن یا بدن کے اجزاء کے ساتھ پیدا کردیں اور پھر بدن یا اجزاء کے اندر لذت اور عذاب کا ادراک پیدا کردیں۔اللہ تعالیٰ نے تو جمادات کے

اندر ادراک اور شعور پیدا کیا ہے۔ ہر شی اس کی تسبیح کرتی ہے۔ جب بے جان چیزوں میں ادراک، شعور پیدا کر سکتا ہے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا، موسیٰؑ سے جنہوں نے کہا تھا۔

لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً (البقرہ/۵۵)

ترجمہ:۔ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے۔

اللہ نے ان کو موت دی پھر زندہ کیا۔ اصحاب کہف کو زندہ کیا تو کیا اللہ اس پر قادر نہیں کہ برزخ والوں میں ایسی حیات پیدا کر دیں جس کے ساتھ انعام اور عذاب کا ادراک کر سکیں۔ اس کا انکار صرف منکر اور ہٹ دھرم ہی کرے گا۔

سوال:۔ پانی میں ڈوب کر مرنے والے کو، آگ میں جل کر راکھ بن جانے والے کو اور جس کو درندہ کھا جائے ان کو کیسے عذاب ملتا ہے؟

جواب:۔ اللہ نے جب انسان کو بنایا تو اس کے اجزاء صرف بکھرے ہوئے نہیں تھے بلکہ محض معدوم تھے۔ نطفہ خون سے بنتا ہے، خون خوراک سے، اور خوراک زمین سے۔ اس میں پھر ہوا، موسم، گرمی، سردی، چاند، سورج، ستارے سب حصہ لیتے ہیں گویا انسان کے اجزاء نطفہ، خون، خوراک، زمین، ہوا، پانی، چاند، سورج اور ستاروں میں تھے۔ اللہ نے رحم کے اندر جمع فرما کر انسان بنا دیا، نیست سے ہست کر دیا تو پانی ہوا اور کسی پرندے کے پیٹ کے اندر بکھرے ہوئے اجزاء کو اکٹھا کر کے عذاب یا انعام دینے پر قادر ہے۔

سوال:۔ کسی کی قبر کو کھول کر دیکھیں نہ جہنم کا گڑھا ہے نہ جنت کا باغیچہ ہے۔

جواب:۔ مردہ کی قبر اس دنیا میں ہے اور برزخ ایک اور عالم ہے۔ اس عالم کی باتیں ہمارے مشاہدہ میں نہیں آسکتیں۔ ایک سویا ہوا آدمی خواب کے عالم میں مزے اُڑاتا ہے یا تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے پاس بیٹھے ہوئے بیدار آدمی کو اس کا احساس نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ سویا ہوا عالم خواب میں ہے اور بیدار آدمی عالم دنیا میں ہے۔ بہت سی چیزیں ہمیں دکھائی نہیں دیتی لیکن ہم ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ ہمیں آسیب زدہ کا جن دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت جبرئیلؑ حضور ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہمارا حضور ﷺ کی باتوں پر یقین ضروری ہے اس لیے کہ تمام اسلامی باتوں کا تعلق سماع کے ساتھ ہے یعنی سُننے کے ساتھ۔ مسلمان نبی ﷺ کی بات سن کر چلتا ہے دیکھ کر نہیں چلتا۔ دیکھ کر چلنا حیوانات کا کام ہے۔ کسی کھانے میں زہر ہو کتے کے سامنے تقریر کرو کہ یہ روٹی نہ کھاؤ زہر آلود ہے اس کو روٹی ایک بہترین نعمت نظر آئے گی پھر اس کو کھائے گا لیکن اگر کہیں بہترین تازہ اور گرم پلاؤ پڑا ہوا اور ایک بھوکا اس کے کھانے کے لئے آپہنچے اور کھانے کے لئے بالکل تیار اور ایک بچہ آکر اس سے کہے کہ ابھی ابھی ایک کتا آیا تھا اور کھانا سونگھ کر چلا گیا تو وہ آدمی فوراً کھانا یوں ہی پڑا ہوا چھوڑ دے گا۔ یہ اس بھوکے آدمی نے سننے پر عمل کیا تو حضور ﷺ سے سنی ہوئی یا پہنچی ہوئی بات پر کیسے عمل نہ ہوگا۔

عقیدہ نمبر ۸۱:۔

قولہ: وَالْقَبْرُ اِمَّا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ۔

ترجمہ:۔ اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

شرح:۔ مؤمن صالح جس کو قبر میں ثابت قدمی نصیب ہو منکر نکیر کے سوالات کا صحیح جواب دے تو اس کے لئے قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور جو کافر ہے، منافق ہے یا فاسق، فاجر اور ظالم ہے تو اس کے لئے اس کی قبر جہنم کا ایک گڑھا ہے۔

عقیدہ نمبر ۸۲:۔

قولہ: وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَآءِ الْاَعْمَالِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَائَةِ الْکِتَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالصِّرَاطِ وَالْمِیْزَانِ۔

ترجمہ:۔ اور ہم بعث پر ایمان رکھتے ہیں اور قیامت کے دن اعمال کی جزاء پر اور عرض و حساب پر اور کتاب (اعمال نامہ) کے پڑھنے پر اور ثواب اور عقاب پر اور پل صراط اور میزان پر۔

شرح:۔ معاد اور بعث بعد الموت کے مسئلہ کو قرآن مجید نے کھول کھول کر بیان کیا ہے اور عقل اور فطرت سلیمہ بھی اس کا انکار نہیں کرتی۔ قرآن مجید کی بہت سی سورتوں میں منکرین معاد کی تردید بیان ہوئی ہے۔ ایمان باللہ پر تو سب انبیاء متفق ہیں کیونکہ رب کا اقرار بنی آدمی میں عام ہے۔ معاند کے علاوہ ہر ایک اس فطری مسئلہ

کا اقرار کرتا ہے۔ ایمان بالآخرۃ کے منکرین زیادہ ہیں۔ حضورﷺ آخری نبی تھے اس لیے آپﷺ نے آخرت کی تفصیل بہت واضح انداز میں بیان کی۔ کسی اور الہامی کتاب میں ایسا تذکرہ نہیں ملتا۔ اللہ بعث بعد الموت پر قادر بھی ہیں اعادہ پر بھی قادر ہیں ارشاد ہے۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِیْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰسٓ/۷۹)

ترجمہ: تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار۔

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (الاعراف/۲۵)

ترجمہ:۔ فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا

وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتاً ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجاً (نوح/۱۷،۱۸)

ترجمہ:۔ اور اللہ نے اُگایا تم کو زمین سے جما کر، پھر مکرر ڈالے گا تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو باہر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ يَغْفِرَلِیْ خَطِيْئَتِیْ يَوْمَ الدِّيْنِ (الشعراء/۸۲)

ترجمہ:۔ اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى (طٰهٰ/۱۵)

ترجمہ:۔ قیامت بے شک آنے والی ہے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں اس کو تا کہ بدلہ ملے ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے۔

تمام انبیاء کرام نے معاد اور بعث بعد الموت کے بارے میں اپنی اپنی امتوں کو بتلایا ہے۔

سوال:۔ مرنے کے بعد آدمی مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے یا آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے یا دریا میں غرق ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے یا کوئی جانور اس کو کھا جاتا ہے تو دوبارہ کیسے زندہ انسان بن جائے گا؟

جواب:۔ جس طرح انسان کو اللہ نے اولاً عدم سے وجود بخشا ہے اسی طرح معدوم کرنے کے بعد دوبارہ اعادہ پر بھی قادر ہے۔ ہم دنیا میں ہر انسان، حیوان اور نباتات کی طرف دیکھتے ہیں ہر نیا انسان، حیوان اور نبات کہاں سے آیا۔ یہ بالکل معدوم محض تھے اللہ نے ان کو ہست کر دیا۔ مثلاً انسان خون اور نطفہ سے بنا ہے اور یہ دونوں خوراک سے اور خوراک زمین سے۔ اور خوراک میں ہوا، موسم، پانی، چاند اور سورج کی تاثیر شامل ہے۔ اندازہ لگائیں ہر انسان پورے عالم میں بکھرا ہوا تھا اللہ نے پورے عالم سے اس کو جمع کر کے وجود بخشا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اعادہ معدوم پر

قادر ہے پھر انسان کو دوبارہ اُٹھانا اعادہ معدوم بھی نہیں بلکہ اعادہ موجود ہے۔ کیونکہ ہر انسان کا جسم بے شمار چھوٹے اجزاء (خلیات) سے مرکب ہے، ہر خلیے میں مکمل ایک انسان موجود ہے۔ یہ خلیات مرتے نہیں بلکہ اگر ان پر ہزاروں سال گزر جائیں تو بھی زندہ رہتے ہیں۔ ایک مرنے والے انسان سے دوبارہ اس جیسے کروڑوں انسانوں کا اعادہ ممکن ہے۔ موجودہ طبی ترقی نے یہ بات ثابت کر دی کہ ہر انسان بے شمار خلیات سے مرکب ہے اور ہر خلیہ کے اندر مکمل انسان ہے۔ ایک انسان سے جتنے خلیے لئے جائیں تو اس انسان کے مشابہ انسان پیدا کئے جا سکتے ہیں اس عمل کو کلوننگ کہتے ہیں۔ مرنے والے انسان کے یہ بے شمار خلیات ضرور کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں اور مرتے نہیں۔ انسان ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے انتہائی باریک ذرات کی وجہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مکمل صفایا ہو گیا ہے۔ جب ایک چیز موجود ہے تو وہ کہاں چلی گئی یہ بھی ایک سوال ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انتہائی باریک ہونے کی وجہ سے ہم عادۃً کہتے ہیں کہ مکمل مٹ گئی۔ دنیا میں کتنے باریک جراثیم موجود ہیں جن کو نہ کوئی دیکھتا ہے نہ تسلیم کرتا ہے لیکن خوردبین کے ذریعے ان کا دیکھنا ممکن ہوتا ہے۔ ہر جرثومہ اپنا اثر بھی ظاہر کرتا ہے۔ عقلاً موجود چیز ختم نہیں ہو سکتی جب ایک چیز موجود ہے تو وہ کہاں چلی گئی۔ باریک سے باریک تر تو ہو سکتی ہے لیکن معدوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن اللہ نے نظام ایسا بنایا ہے کہ ایک چیز پیدا ہوتی ہے اپنی طبعی عمر پوری کر کے صفحہ ہستی سے غائب ہو جاتی ہے۔ جب ایک چیز کا وجود اور اعادہ عقلاً ممکن ہے اور پھر شریعت اس کے اعادہ کی خبر بھی دے دے تو انکار محض عناد ہے۔

بعث کی حقیقت:۔

دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ دنیا میں مکمل جزا وسزا کا ملنا مشکل ہے مثلاً ایک جنتی کو اللہ تعالیٰ اس دنیا سے دس گنا بڑی جنت دیں گے تو اس دنیا میں یہ کیوں کر ممکن ہے۔ ایک ایک دوزخی کی ڈاڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ ایک سبحان اللہ کا اجر بڑا سایہ دار درخت ہے جس کے سایہ کے نیچے تیز رفتار گھوڑا سینکڑوں سال دوڑتا رہے تو پھر بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہوتا۔ بے شمار جنتی اور دوزخی ہیں ان سب کے جزا وسزا کے لئے ایک وسیع جگہ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فی الحال بھی اس پر قادر ہے لیکن پھر ایمان بالغیب کا عقیدہ اور فلسفہ عمل ختم ہو جائے گا۔ اگر اچھے اور بُرے عمل کی جزا وسزا کے لئے جگہ مقرر نہ کی جائے یا کسی کو اس کے عمل کا بدلہ نہ دیا جائے تو پھر یوں کہنا پڑے گا کہ اعمال ہیں اور ان کے اثرات مرتب نہیں ہو رہے ہیں۔ تو یہ خلاف قانون بھی ہے کیونکہ ہر عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ نیک اعمال اور بُرے اعمال کا ردعمل آخرت میں ظاہر ہوگا۔ جس کے ظہور کے لئے اعادہ اور حشر ہوگا۔ جہاں ہر انسان اپنے عمل کا اثر دیکھے گا اور اعمال کا تفاوت بھی دیکھے گا۔ جب دنیا میں اعمال متفاوت ہیں کوئی اچھا عمل ہے کوئی بُرا، تو اس کا متفاوت اثر بھی ضرور ظاہر ہونا چاہیے، ورنہ ہر عمل فضول ہوگا۔ عاملین کا تفاوت ختم ہو جائے گا۔ اچھے بُرے کی تمیز فضول ہو جائے گی۔ لوگ کیوں خود کو اعمال کے ذریعے تھکا رہے ہیں۔ کفار دنیا میں کیوں عیش کر رہے ہیں اور مسلمان دنیا میں کیوں قیدی کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ طیب اور خبیث کی جدائی ضروری ہے۔ ان تمام اعمال کے اثرات کو ظاہر کرنے کے

لئے اور بُرے اور نیک کو جدا کرنے کے لئے آخرت ہے تاکہ ہر ایک اپنے اپنے عمل کا عمل نتیجہ دیکھ لے اور سب پر فرق ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ قدر دان بھی ہیں اور منتقم بھی۔ نیک لوگوں کی قدر دانی آخرت میں اچھی جزا کے ساتھ کریں گے اور بُرے لوگوں سے انتقام لیں گے۔ اسی عمل اور اسکے ردعمل کے قانون کے مطابق لوگ نیک اعمال کرتے ہیں اور بُرے اعمال سے بچتے ہیں۔ اسی کا نام بعث بعد الموت اور حشر ہے۔ اسی لئے آخرت میں جزا وسزا کے اس قانون کے لئے پیش ہو کر حساب دینا ہوگا "مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ" میں یہی فرمایا گیا ہے کہ وہ روز جزا کا مالک ہے۔ حشر، پیشی اور حساب اسی جزا وسزا کے لئے ہے۔ دنیا میں ہر نیک اور بُرے عمل پر اس کا اثر مرتب ہو رہا ہے لیکن اثر کے ظہور کا وقت ابھی نہیں آیا ان اعمال کے اثرات جان کنی کے وقت سے شروع ہو جاتے ہیں آہستہ آہستہ ان کا ظہور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مکمل اثر ہمیشہ کی جنت یا دوزخ کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ چونکہ دنیا میں ان اعمال کے اثرات پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے اس لئے منافق، فاجر اور کافر کو دھوکہ لگتا ہے کہ شاید یہ دنیا بابر بہ عیش کوش کے عالم دوبارہ نیست کا مصداق ہے۔ اسی طرح بعض نادان اور کمزور یقین والے اپنے نیک اعمال کے اثرات نظر نہ آنے پر قدرے مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں بھی بعض چیزوں کے اثرات جلد نظر نہیں آتے۔ مثلاً ایک شخص آم کی گھٹلی اس لئے اگاتا ہے کہ میٹھے میٹھے پختہ اور تازہ آم کھاؤں گا چند مہینوں کے بعد سوچتا ہے کہ نہ تو آم کا پیڑ بنا نہ آم پیدا ہوئے۔ تو سمجھدار آدمی اس سے کہتا ہے کہ اس پر کئی سال لگیں گے انتظار کرو گھٹلی اُگانے کے عمل کے اثرات کئی سال بعد نظر

آتے ہیں۔

قرأة الکتاب:۔

ارشاد باری ہے۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْباً (الاسراء/۱۴)

ترجمہ:۔ پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی کافی ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔

اعمال نامہ میں بندوں کی طاعات اور معاصی درج ہوں گے۔ اہل ایمان کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جبکہ کفار کو بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے سے اعمال نامہ دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کرے۔ عمر بھر کے اعمال سب سامنے ہوں گے۔ اعمال نامہ کے اندر کمی بیشی کا خود جائزہ لے گا، یقین کرے گا کہ سب کچھ اعمال نامہ میں بلاکم وکاست موجود ہے ارشاد ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَاالْكِتَابِ لَايُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِراً وَلَايَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَداً (الکہف/۴۹)

ترجمہ:۔ اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گنہگاروں کو ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیسا ہے یہ کاغذ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہ آگئی اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر۔

جزاء الاعمال: ۔ ارشاد باری ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحہ/۴)

ترجمہ:۔ مالک روز جزا کا۔

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ الْمُبِيْنُ (الرعد/۲۵)

ترجمہ:۔ اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہے اور جان لیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا۔

دین کا معنی جزا ہے "کما تَدِيْنُ تُدَانُ اَىْ كَمَا تُجَازِىْ تُجَازىٰ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (السجدہ/۱۷) ترجمہ:۔ بدلہ اس کا جو کرتے تھے،

جَزَآءً وِفَاقاً (النبأ/۲۶) ترجمہ:۔ بدلہ ہے پورا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزىٰ اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الانعام/۱۶۰)

ترجمہ:۔ جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پائے گا اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے (اللہ فرماتے ہیں) کہ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کی تمہارے لئے گنتی ہو رہی ہے پھر تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ جو اس میں خیر دیکھے اور پائے پس اللہ کی تعریف کرے اور جو اس میں خیر کے علاوہ کچھ اور پائے تو صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔

والعَرَضُ وَالْحِسَابُ:۔ ارشاد ہے

فَاَمَّامَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباًيَسِيْراً وَيَنْقَلِبُ اِلٰى اَهْلِهٖ مَسْرُوْراً وَاَمَّامَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ يَدْعُوْثُبُوْراً وَيَصْلٰى سَعِيْراً(الانشقاق/۷تا۱۲)

ترجمہ:۔سو جس کو ملا اعمالنامہ اس کا داہنے ہاتھ میں تو اس سے حساب لیں گے آسان حساب اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر اور جس کو ملا اس کا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے سو وہ پکارے گا موت، موت اور پڑے گا آگ میں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسابِ(آل عمران/۱۹۹)

ترجمہ:۔بے شک اللہ جلد لیتا ہے حساب۔

وَاتَّقُوْا يَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ(البقرہ/ ۲۸۱)

ترجمہ:۔اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے قیامت کے دن جس کے ساتھ حساب ہوا ہلاک ہو جائے گا میں نے کہا یارسول اللہ! کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا جس کو اس کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے تو اس کا حساب آسان ہوگا

تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو عرض (پیشی) کے لئے ہوگا۔ جس کے ساتھ حساب میں مناقشہ ہوا اس کو عذاب ملے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی، دو پیشیاں جدال اور عذر کی ہوں گی تیسری پیشی اعمالناموں کے اُڑکر آنے کی ہوگی۔ جس کو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملا اس کو تو آسان حساب ہوگا اور جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس کو اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں ملا آگ میں داخل ہوگا۔

قولہ : وَالصِّرَاطُ: ۔ پل صراط پر ہمارا ایمان ہے جہنم کے اوپر ایک پل ہے بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ نیکوکار اور بدکار سب کو اس پر سے گزرنا ہوگا۔ جب اس پر سے گزرنے لگیں تو اللہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان کو ٹھہراؤ کیونکہ پہلے ان کو حساب و کتاب دینا ہوگا۔

سوال:۔ اتنے باریک اور نازک پل پر سے اہل محشر کیسے گزریں گے؟

جواب:۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہے وہ تو اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ پل صراط پر چلنا ہوا پر چلنے سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ ہوائی جہاز اپنے بھاری وزن سامان اور سینکڑوں لوگوں کے ساتھ ہوا کے دوش پر کیسے تیز رفتاری سے چلتا ہے۔ جب یہ ممکن ہے تو پل صراط پر بھی چلنا بطریق اولیٰ ممکن ہے کیونکہ وہ ہوا کی نسبت زیادہ مضبوط ہے۔ اس پل پر بعض کی رفتار بجلی کی طرح ہوگی، بعض کی تیز ہوا کی مانند اور بعض کی تیز رفتار گھوڑے کی طرح۔

سوال:۔ پُل صراط پر گزرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:۔ اصل حکمت تو اللہ کو معلوم ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان کے امتحان کیلئے ہے اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کا مفہوم ہے کہ پل صراط اندھیرا ہے اور اس کا چراغ ایمان ہے ۔ مؤمن اور منافق اس پل کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں گے ۔ اس پل پر ہر ایک گزرے گا ۔ ارشاد ہے ۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (مریم/۷۱)

ترجمہ:۔ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر، ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر ۔

ورود سے مراد پل صراط پر گزرنا ہے ۔ لیکن اللہ مؤمنین اور متقیوں کو باوجود مرور کے آگ سے نجات دیں گے ۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جس نے شجرہ کے نیچے بیعت کی ہے وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا حضرت حفصہؓ نے کہا کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے؟ 'وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا' حضور ﷺ نے فرمایا کیا آپ نے یہ نہیں سنا ۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (مریم/۷۲)

ترجمہ:۔ پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے ۔

یعنی ورود نار دخول نار کو مستلزم نہیں ۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں آیت میں ورود سے مراد ورود صراط ہے ۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا لوگوں کو میری سنتوں کی تعلیم دو اگرچہ وہ اس کو پسند نہ کریں ۔ اگر تو چاہتا ہے کہ پل صراط پر جنت کے داخلہ

تک اتنی دیر کے لئے بریک نہ لگے جتنی دیر میں آنکھ جھپکتی ہے تو دین میں اپنی رائے سے کوئی نئی بات نہ پیدا کر۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے آگ مؤمن سے کہے گی ''جُزیامُؤمن'' جلدی گزر اے مؤمن تیرے نور نے تو میرے آگ کے شعلہ کو بجھادیا۔

وَالْمِيْزَانُ:۔ ہمارا میزان پر بھی ایمان ہے۔ارشاد باری ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ (الانبیاء/۴۷)

ترجمہ:۔اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کی تو ہم لے آئیں گے اس کو اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ (المؤمن /۱۰۲،۱۰۳)

ترجمہ:۔سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان دوزخ ہی میں رہا کریں گے۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں علماء کہتے ہیں کہ جب حساب ختم ہوجائے تو وزن اعمال

ہوگا۔وزن جزاء ہے پس مناسب ہے کہ حساب کے بعد ہو۔حساب اعمال کے ثابت کرنے کے لئے ہوگا اور وزن اعمال کی کمیت اور کیفیت ظاہر کرنے کے لئے ہوگا تا کہ اس کے مطابق جزادی جائے۔(۱)یا تو ترازو متعدد ہوں گے جن میں اعمال تولے جائیں گے یا تلنے والے اعمال متعدد ہیں اور ترازو ایک ہے۔موازین جمع باعتبار مختلف انواع اعمال کے ہے۔سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے ترازو کے دو حسی پلڑے ہیں جن کا مشاہدہ ہوگا۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی کو قیامت کے دن سب کے سامنے لایا جائے گا اس کے اعمال کے ننانوے دفتر اس کے سامنے کھول دیے جائیں گے، ہر رجسٹر حد نگاہ تک بڑا ہوگا، پھر اس سے کہا جائے گا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اعتراض تو نہیں، کیا میرے کاتبین نے آپ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ وہ شخص کہے گا نہیں یارب، اس سے فرمائے گا کیا کوئی نیکی یا عذر ہے؟۔آدمی حیران رہ جائے گا کہے گا نہیں یارب۔اللہ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔اس کو کاغذ کا ایک ٹکڑا دکھایا جائے گا جس میں لکھا ہوگا" اَشۡهَدُ اَن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحمداً عبدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ " کہے گا اس کو حاضر کرو۔کہے گا یارب! یہ کاغذ کا پرزہ اتنے رجسٹروں کا کیا مقابلہ کرے گا۔کہا جائے گا تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔پس وہ تمام رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں، تو یہ کلمہ والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

(۲)یا خود آدمی کو تولا جائے گا۔حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن خوب موٹا آدمی لایا جائے گا لیکن اس کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر

بھی نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ پڑھو اگر تم چاہتے ہو۔ ''فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا'' اسی لئے علماء فرماتے ہیں ''اِنَّ الْعَامِلَ يُوْزَنُ مَعَ عَمَلِهٖ'' آدمی اپنے عمل کے ساتھ تولا جائے گا۔ حضرت ابو مسعودؓ مسواک توڑنے کے لئے کیکر کے درخت پر چڑھے، آپ کی پنڈلیاں پتلی تھی، ہوا کی وجہ سے نظر آنے لگی، دیکھنے والوں کو آپ کی نازک اور پتلی پنڈلیوں پر ہنسی آ گئی۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ کس بات پر ہنس رہے ہو۔ صحابہ کرام نے کہا یا رسول اللہ! ان کی پتلی پنڈلیوں کی وجہ سے۔ حضورﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی دونوں پنڈلیاں ترازو میں تم سب پر بھاری ہوں گے۔

(۳) یا صرف اعمال تولے جائیں گے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے ''اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ'' الحمد للہ میزان کو بھر دے گا۔ بخاری شریف کی آخری حدیث ہے دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اللہ کو پیارے ہیں میزان میں بھاری ہیں ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ'' حضرت انس بن مالکؓ نقل کرتے ہیں کہ ابن آدم کو قیامت کے دن لایا جائے گا ترازو کے دونوں پلڑوں کے سامنے اس کو روک دیا جائے گا اور ایک فرشتہ اس پر مقرر ہو جائے گا۔ اگر اس کا میزان بھاری ہوا تو ایک فرشتہ ایسی آواز لگائے گا جس کو سب لوگ سنیں گے فلان آدمی ایسا سعادت مند ہوا کہ اس کے بعد کبھی بھی بد بخت نہ بنے گا۔ اگر اس کا ترازو ہلکا ہوا تو فرشتہ ایسی آواز لگائے گا جس کو سب لوگ سنیں گے فلان آدمی ایسا بد بخت بن گیا کہ اس کے بعد کبھی بھی سعید اور نیک بخت نہ بنے گا۔

سوال:۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اعمال اعراض ہیں کیسے تُلیں گے؟

جواب:۔ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں کہ اعمال کو متجسد کر کے تولیں ہر عمل کوئی صورت اختیار کر لے۔ عالم مثال میں معنوی چیزوں کی مختلف شکلیں ہیں ممکن ہے ان ہی شکلوں کو تولا جائے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر چیز کے تولنے اور ماپنے کا الگ الگ پیمانہ اور آلہ ہے۔ دودھ میں پانی کی مقدار ماپنے کا آلہ بیرومیٹر کہلاتا ہے، بیمار کا درجہ حرارت معلوم کرنے کے لیے آلہ تھرمامیٹر ہے، چلتی ہوئی گاڑی کے سپیڈ معلوم کرنے کے لئے جو آلہ ہے اس کو اسپیڈومیٹر کہتے ہیں۔ اسی طرح موسم میں درجہ حرارت معلوم کرنے کے لئے الگ آلہ ہے، مختلف بیماریوں کے جراثیم معلوم کرنے کے لئے الگ الگ آلات اور ٹیسٹ ہیں۔ بجلی کا وزن بھی معلوم کرتے ہیں۔ اس طرح اعمال اگرچہ اعراض ہیں لیکن اچھی یا بُری کمیت اور کیفیت معلوم کرنے کے لئے اللہ نے جو آلہ تیار کر رکھا ہے اس کو میزان کہتے ہیں۔ جس کی حقیقت اللہ کو معلوم ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس میزان کے دو حسی پلڑے ہیں جن کا مشاہدہ ہوگا۔ انسان نے مختلف چیزوں کے اندازوں کو معلوم کرنے کے لئے عجیب عجیب آلات ایجاد کر لئے ہیں۔ ایک ایسا حساس ترازو بھی ایجاد کر لیا ہے کہ جس کے ذریعہ سے کاغذ پر پنسل سے لگائے ہوئے نقطہ کا وزن معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کاغذ کے دو برابر وزن کے چھوٹے پُرزے لیں ایک پرزہ پر پنسل سے نقطہ لگائیں پھر ہر پرزہ کو الگ الگ پلڑے میں رکھ دیں تو وہ ترازو آپ کو نقطہ کا وزن بتلا دے گا اور نقطہ والا کاغذ دوسرے کاغذ پر بھاری ہوگا۔ قیامت کے دن اللہ انصاف کا ترازو لگائیں گے ایک ایک ذرہ کا حساب ہوگا۔ جب ایک

انسان کاغذ کے پرزہ پر پنسل کے نقطہ کا وزن معلوم کرسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ایک ایک ذرہ کا وزن معلوم کرسکتے ہیں۔ اسلئے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔

عقیدہ نمبر ۸۳:۔

قوله: وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ لَا تَفْنِيَانِ اَبَداً وَلَا تَبِيْدَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ خَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَخَلَقَ لَهُمَا اَهْلاً فَمَنْ شَآءَ مِنْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ فَضْلاً مِنْهُ وَمَنْ شَآءَ مِنْهُمْ اِلَى النَّارِ عَدْلاً مِنْهُ وَكُلٌّ يَعْمَلُ لِمَافُرِغَ مِنْهُ وَصَائِرٌ اِلىٰ مَاخُلِقَ لَهٗ۔

ترجمہ:۔ اور جنت اور دوزخ دونوں پیدا کی جاچکی ہیں دونوں نہ کبھی فنا ہوں گے نہ ہلاک ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا ہے اور ان دونوں کے لئے اہل کو پیدا کیا ، پس مخلوق میں جس کو چاہا اپنے فضل سے جنت کے لئے پیدا فرمایا اور جس کو چاہا اپنے عدل سے جہنم کے لئے پیدا فرمایا اور ہر شخص عمل کر رہا ہے اس چیز کے لئے جس سے فراغت ہوچکی ہے۔

شرح:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا ہمیشہ سے یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ پیدا ہوچکی ہیں اور فی الحال موجود ہیں ۔ معتزلہ اور قدریہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ کو قیامت میں پیدا فرمائیں گے۔ ان لوگوں نے اس عقیدہ میں خلاف اپنے ایک فاسد اصول کی وجہ سے کیا ہے۔ ان کا ایک فاسد

اصول ہے کہ اللہ کو یوں کرنا چاہیے اور یوں نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کام اس کے مناسب ہے اور یہ مناسب نہیں۔ ان کے مذہب کی بنیاد اس فاسد قیاس پر ہے کہ وہ اللہ کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں گویا عقل پرست ہیں، شرعی باتوں کو عقل کے تابع بناتے ہیں حالانکہ عقل شریعت کے تابع ہے۔ کہتے ہیں کہ جزا سے قبل جنت کو پیدا کرنا عبث ہے کیونکہ اس طرح جنت طویل عرصہ کے لئے معطل پڑی رہے گی۔ اپنے عقیدے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے نصوص کو رد کرتے ہیں یا پھر نصوص میں تحریف کر کے اپنے مواضع سے پھیر دیتے ہیں۔

وجود جنت و جہنم کے دلائل:۔

ارشاد ہے۔ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران/۱۳۳)

ترجمہ:۔ تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے۔

أُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (الحدید/۲۱)

ترجمہ:۔ تیار کر رکھی ہے واسطے ان کے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ (آل عمران/۱۳۱)

ترجمہ:۔ تیار ہوئی کافروں کے واسطے

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَاداً لِلطَّاغِيْنَ مَاٰباً (النبأ/۲۱،۲۲)

ترجمہ:۔ بے شک دوزخ ہے تاک میں، شریروں کا ٹھکانہ۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى

عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی (النجم/۱۳تا۱۵)

ترجمہ:۔ اور اس کو اس نے دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی سدرة المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی۔

حضورﷺ نے جنت الماٗویٰ کو دیکھا ہے۔قصۃ الاسراء میں ہے کہ پھر حضرت جبرئیلؑ مجھے سدرة المنتہیٰ تک لے گئے، وہ مختلف رنگوں سے ڈھکی ہوئی تھی، مجھے معلوم نہیں کہ اس کی حقیقت کیا تھی۔ پھر میں جنت میں داخل ہوا پس وہ موتیوں کے غنچے تھے اور اس کی مٹی مشک کی تھی۔ صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا صبح وشام پیش کیا جاتا ہے پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن تجھ کو اللہ اُٹھائے۔ حضورﷺ نے سورج گرہن کے موقعہ پر جنت کو دیکھا تھا۔فرماتے ہیں کہ میں نے جنت دیکھی میں نے چاہا کہ اس کے غنچوں کو حاصل کروں اگر میں ان کو حاصل کر لیتا تو تم ان کو رہتی دنیا تک کھاتے۔اور میں نے آگ کو بھی دیکھا میں نے اس سے خطرناک منظر آج تک کسی طرح کبھی نہ دیکھا۔

جنت اور جہنم کے جو آیات پیش کی گئی ہیں اُن میں ماضی کے صیغے ہیں۔ان کو ماضی سے دوسرے زمانے کی طرف پھیرنا صحیح نہیں۔

سوال:۔ جنت فی الحال پیدا نہیں ہوئی۔اگر تسلیم کرلیں کہ پیدا ہوگئی ہے تو اپنی اضطراری کیفیت کی وجہ سے فنا ہوجائے گی۔اور اس کے اہل بھی فنا ہوجائیں گے اس لئے کہ ارشاد ہے۔ كُلُّ شَيۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ (القصص/۸۸)

ترجمہ:۔ ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ/اس کی ذات

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ(آلعمران /۱۸۵)

ترجمہ:۔ ہر جی کو چکھنی ہے موت۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنت کی مٹی خوشبودار ہے، پانی میٹھا ہے اور چٹیل میدان ہے سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر" کے ساتھ درخت اُگتے ہیں۔حدیث میں آتا ہے کہ "سبحان اللہ وبحمدہ" کے ساتھ جنت میں کھجور کا درخت اُگتا ہے۔اگر جنت پہلے سے پیدا شدہ ہوتی تو اس طرح چٹیل میدان نہ ہوتا۔اور جنت میں اذکار کی وجہ سے درختوں کا اُگنا فضول ہوجائے گا۔اسی طرح فرعون کی بیوی کا قول ہے۔

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ(التحریم/۱۱)

ترجمہ:۔ اے رب بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں۔

جواب:۔ سوال میں مذکور آیات سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جنت فی الحال معدوم ہے یا نفخ صور کے وقت معدوم ہوجائے گی۔کیونکہ پھر وجود جنت پر دلالت کرنے والی آیات کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہوجائے گا۔سوال میں مذکورہ آیات اور احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی تکمیل ہو رہی ہے اور وقتاً فوقتاً اس میں چیزیں پیدا ہو رہی ہیں۔"کل شیءٍ ھالِکٌ" سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ کل شی سے مراد وہ شی ہے جس کی ہلاک اور فناء اللہ نے لکھ دی ہے، جنت اور دوزخ فنا کے لئے نہیں بلکہ بقاء کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔اسی طرح عرش بھی فنا نہ ہوگا وہ جنت کی چھت ہے۔الا وجہہ کا معنیٰ ہے اِلَّا مَا اُرِيْدَ بِهٖ وَجْهُهٗ، مگر جن کی فناء اور ہلاک اس کی ذات نہ چاہے، اس تفسیر سے

یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز فنا نہیں ہوگی مثلاً جنت۔ یا کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کا معنی یہ ہے کہ ہر ممکن باری تعالیٰ کے واجب الوجود کے مقابلہ میں ھالک اور بمنزلہ معدوم ہے کیونکہ واجب الوجود کے مقابلے میں ہر وجود کی کوئی حیثیت نہیں۔ یعنی ہر ممکن اپنی ذات کے اعتبار سے ہلاک ہونے والا ہے اگر چہ بالفعل ہلاک نہ ہو۔ مثلاً جنت۔ تو ایسے وجود پر ھالک کا اطلاق صحیح ہے۔

سوال:۔ ارشاد باری ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا (القصص/۸۳)

ترجمہ:۔ وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا۔

''نَجْعَلُ'' استقبال کا صیغہ ہے۔ معلوم ہوا کہ جنت بعد میں بنے گی۔

جواب:۔ ''نَجْعَلُ'' مضارع کا استقبال کے لئے متعین ہونا یقینی نہیں۔ جس طرح استقبال کا احتمال ہے اسی طرح حال اور استمرار کا بھی احتمال ہے اس احتمال کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے جن میں جنت کے وجود پر ماضی کے صیغوں کے ساتھ تذکرہ ہوا ہے۔ اگر ''نجعل'' کو استقبال کے لئے ہی مان لیں تو پھر ''جعل'' کو تملیک اور تخصیص کے لئے لینا ہوگا۔ معنیٰ ہوگا ہم اس کا مالک بنا دیں گے۔ اگر ''جعل'' بمعنیٰ ''خلق'' ہی ہو تو پھر ماضی کے صیغوں کے ساتھ ٹکراؤ ہے جن میں جنت کے وجود کا ذکر ہے تو پھر استدلال حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے ہوگا جو معارضہ سے محفوظ ہے۔

لاتفنیان ابداًولا تبیدان:۔ سلف اور خلف میں جمہور ائمہ کا مسلک ہے کہ جنت اور جہنم ہمیشہ باقی رہے گی۔امام معطلہ جہم بن صفوان جنت اور دوزخ کے فنا ہونے کے قائل ہیں۔سلف اور خلف میں کسی نے ان کی تائید نہیں کی۔عام اہل سنت نے اس کے قول کی تردید کی ہے اور ان کو کفر کی طرف منسوب کیا ہے۔یہ بات جہم بن صفوان نے ایک فاسد قانون کے مطابق کہی ہے کہ حوادث کا غیر متناہی وجود ممتنع ہے،جس طرح حوادث ماضی میں ازلی نہیں اسی طرح مستقبل میں ابدی نہیں۔کسی چیز کا دوام رب پر مستقبل میں ممتنع ہے جس طرح ماضی میں ازلی ہونا ممتنع ہے۔شیخ المعتزلہ ابوہذیل العلاف نے جہم کی قدرے فرق کے ساتھ موافقت کی ہے کہتا ہے کہ اہل جنت ودوزخ کی حرکات بالکل ختم ہوکر ساکن ہوجائیں گے۔

جہم کا یہ خیال باطل ہے۔جنت اور اہل جنت،دوزخ واہل دوزخ اگر چہ حادث ہیں لیکن ان کو دوام دینا اللہ کا فعل ہے وہ اپنی مرضی سے ایسا کریں تو کون روک سکتا ہے اور کون اس سے پوچھ سکتا ہے۔وہ قادر فعّال لما یرید رب ہے وہ ہمیشہ سے زندہ قادر اور جاننے والا رب ہے۔وہ ممکن کو دوام بخشنے پر قادر ہے۔نصوص سے صراحتاً جنت اور دوزخ کا دوام ثابت ہے۔اب اگر کسی کی عقل تسلیم نہ کرے تو ہم اس عقل کو شرع شریف کے مقابلے میں تسلیم نہیں کرتے۔

جنت اور دوزخ کی ابدیت کے دلائل:۔

ارشاد باری ہے۔خَالِدِیْنَ فِیْهَا(البینہ/٦)

ترجمہ:۔سدا رہیں اس میں۔

وَمَاهُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر /۴۸)

ترجمہ:۔اور نہ ان کو وہاں سے کوئی نکالے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (هود/۱۰۸)

ترجمہ:۔اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب، بخشش ہے بے انتہاء غیر منقطع بدلہ ملے گا۔ یہ غیر منقطع دوامی سلسلہ "الا ماشاء ربك" کے منافی نہیں۔ استثناء کی علماء کرام نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) قِيْلَ مَعْنَاهُ اِلَّا مُدَّةَ مَكْثِهِمْ فِي النَّارِ ۔مگر ان کی آگ میں رہنے کی مدت سب کے لئے نہیں بلکہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو کچھ مدت کے لئے آگ میں رہیں گے پھر نکال دیا جائے گا۔

(۲) اِلَّا مُدَّةَ مَقَامِهِمْ فِي الْمَوْقَفِ ۔مگر موقف میں ٹھہرنے کی مدت کے علاوہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

(۳) اِلَّا مُدَّةَ مَقَامِهِمْ فِي الْقُبُوْرِ وَالْمَوْقَفِ ۔قبر اور موقف میں ٹھہرنے کی مدت کے علاوہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

(۴) هُوَ اِسْتِثْنَاءُ الرَّبِّ وَلَايَفْعَلُهُ ۔یایوں کہے کہ لٰكِن لَمْ يَشَأْ۔

اگر اللہ چاہیں تو لیکن نہ چاہیں گے۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں ضرور آپ کی دعوت کروں گا الا یہ کہ میں کوئی اور ارادہ کرلوں اور اب کوئی اور ارادہ نہیں کرتے۔ یعنی ضرور صرف دعوت کریں گے۔ کیونکہ اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرتے، اس لئے کہ استثناء کے ساتھ جملہ "عطاءً غیرَ مَجذُوذٍ" ذکر کردیا۔ مطلب یہ نکلا کہ میں نہیں چاہوں گا۔

(۵) استثناء اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلان فرمارہے ہیں کہ باوجودیکہ جنت ابدی ہے لیکن اس کی مشیت سے کوئی چیز خارج نہیں اور خروج کا تحت المشیہ ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ وہ یقیناً ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ بہت سے ایسی باتیں ہیں جو اللہ نہیں چاہتے اور نہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی تحت المشیہ ہوتی ہیں، یعنی مشیت سے نکل نہیں سکتیں اس لئے کہ اللہ کے لئے عموم قدرت ثابت ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تحت قدرت الٰہیہ ہیں لیکن تحت تکوین نہیں۔ تکوین ماتریدیہ کے نزدیک اللہ کی حقیقی اور ذاتی صفت ہے جس کو صفت مؤثرہ کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی چیز بالفعل وجود کے اندر آجاتی ہے۔ ارشاد ہے۔

فَاِنْ يَشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (الشوریٰ /۲۴)

ترجمہ:۔ سو اگر اللہ چاہے مہر کردے تیرے دل پر۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ (یونس/۱۶)

ترجمہ:۔ کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا اس کو تمہارے سامنے اور نہ تم کو خبر کرتا اس کی۔

وَلَوْشِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ ثُمَّ لَاتَجِدُلَكَ بِهٖ عَلَیْنَاوَکِیْلاً (الاسراء/۸۶)

ترجمہ:۔اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ پر بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لادینے کی ہم پر کوئی ذمہ دار۔

معلوم ہوا کہ قدرت الٰہیہ معدومات کو بھی شامل ہے۔ ہر ممتنع بالغیر تحت قدرت الٰہیہ ہے ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے اور ہر ممکن بالذات تحت قدرت الٰہیہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کا مثل پیدا کر سکتے ہیں لیکن دلائل شرعیہ سے ممتنع بالغیر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ کو معدوم کر سکتے ہیں لیکن دلائل شرعیہ سے ممتنع بالغیر ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ ھٰذَالَرِزْقُنَامَالَهٗ مِنْ نَفَادٍ (ص/۵۴)

ترجمہ:۔یہ ہے روزی ہماری اس کو نہیں کم ہونا۔

اُکُلُهَادَائِمٌ وَظِلُّهَا (الرعد/۳۵)

ترجمہ:۔میوہ اس کا ہمیشہ ہے اور سایہ بھی۔

لَایَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی (الدخان/۵۶)

ترجمہ:۔نہ چکھیں گے وہاں موت مگر جو پہلے آچکی۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو جنت میں داخل ہوگا تو نعمتیں حاصل کرے گا، ناامید نہ ہوگا، ہمیشہ رہے گا موت نہیں آئے گی۔ وہاں تو موت کو موت آئے گی۔ حدیث میں ہے کہ منادی اعلان کرے گا اے اہل جنت! تمہارے لئے صحت ہے تم کبھی بیمار نہ

ہو گے۔تم جوان رہو گے تم پر کبھی بڑھاپا نہ آئے گا۔تم زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے ۔موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا اے اہل جنت! جنت ہمیشگی ہے موت نہیں ۔اے اہل دوزخ! دوزخ ہمیشگی ہے موت نہیں۔

آگ کی ابدیت:۔

اس میں آٹھ اقوال ہیں۔

(۱) جو اس میں داخل ہوگا پھر کبھی نہ نکلے گا۔یہ خوارج اور معتزلہ کا قول ہے۔

(۲) دوزخیوں کو عذاب دیا جائے گا آہستہ آہستہ ان کی طبیعتیں آگ کے موافق بن کر لذت محسوس کریں گی ۔کیونکہ آگ کے ساتھ طبعی موافقت ہوگی ۔یہ امام الاتحادیہ ابن العربی الطائی کا قول ہے۔

(۳) محدود وقت کے عذاب کے بعد آگ سے نکال دئے جائیں گے پھر ان کی جگہ دوسری قوم آجائے گی۔یہ یہود کا قول ہے۔اللہ نے ان کی تکذیب کی ہے

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرة/۸۰،۸۱)

(۴) آگ سے نکالے جائیں گے اور آگ کو ایسی حالت پر چھوڑ دیا جائے گا کہ اس میں کوئی بھی نہ ہو۔

(۵) آگ خود بخود ختم ہو جائے گی کیونکہ حادث ہے ۔جس کا حدوث ثابت

ہوجائے اس کی بقاء محال ہوتا ہے۔ یہ جہم اوراس کی جماعت کا قول ہے۔

(۶) اہل دوزخ کی حرکات ختم ہوجائیں گی اور یہ لوگ جماد کی طرح ساکن ہوجائیں گے۔کوئی درد وغیرہ محسوس نہ کریں گے۔ یہ ابوہذیل العلاف کا قول ہے جو شیخ المعتزلہ ہے۔

(۷) اللہ جس کو چاہیں آگ سے نکال دیں گے پھر آگ کو قدرے بقاء ہوگی پھر اس کو فنا کردیں گے کیونکہ اس کے لئے ایک مقررہ مدت ہے

(۸) اللہ جس کو چاہیں آگ سے نکال دیں گے جیسا کہ سنت میں وارد ہے اور کفار اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ایسی بقاء ہوگی کہ جس کے بعد کبھی فنا نہ ہوگی۔جیسا کہ اس عقیدہ میں ذکر ہوا ہے۔

آخری دو اقوال کے علاوہ سب باطل ہیں۔آخری دو اقوال کے بارے میں اہل سنت کا الگ الگ نقطہ نظر ہے۔

ان کے دلائل جن کے نزدیک دوزخ کچھ عرصہ بعد ختم ہوجائے گا:۔

(۱) ارشاد باری ہے۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰاکُمْ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ (الانعام/ ۱۲۸)

ترجمہ:۔فرمادے گا آگ ہے گھر تمہارا رہا کروگے اسی میں مگر جب چاہے اللہ۔

(۲) فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (هود/ ۱۰۶،۱۰۷)

ترجمہ:۔سو جولوگ بد بخت ہیں وہ تو آگ میں ہیں ان کو وہاں چیخنا ہے اور دھاڑنا، ہمیشہ رہیں اس میں جب رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب، بے شک تیرا رب ڈالتا ہے جو چاہے۔

ان آیات میں استثناء کے بعد اہل جنت کی طرح "عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذ" مذکور نہیں

(۳)لَابِثِيْنَ فِيْهَا أَحْقَاباً

صرف فناء نار کا قول ابن عمر، ابن مسعود، ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مذکور ہے۔ان حضرات کا کہنا ہے کہ آگ موجب غضب ہے اور جنت موجب رحمت ہے اور اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر گئی ہے۔

عذاب کے ساتھ یوم کا ذکر ہے عذاب یوم عظیم، عذاب یوم الیم، عذاب یوم عقیم نعیم کے ساتھ کہیں یوم کا ذکر نہیں آیا۔ارشاد ہے

(۴)عَذَابِیْ أُصِیْبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف/۱۵۶)

ترجمہ:۔میرا عذاب ڈالتا ہوں میں اس کو جس پر چاہوں اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو۔

(۵)رَبَّنَاوَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَحْمَةً وَعِلْماً (المؤمن/۷)

ترجمہ:۔اے پروردگار ہمارے! ہر چیز سمائی ہوئی تیری بخشش اور آگاہی۔

ان آیات کے عموم کی بناء پر معذبین کو بھی کچھ حصہ ملنا چاہیے۔اگر معذبین ہمیشہ کے لئے عذاب ہی میں رہیں تو اس عام رحمت سے محروم رہ جائیں گے۔قیامت کے

پچاس ہزار سال کے دن میں بھی معذبین میں جرائم کے لحاظ سے تفاوت ہوگا۔ارحم الراحمین اور احکم الحاکمین کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں کہ کسی کو ہمیشہ کا اور سرمدی عذاب دیں۔ہاں ہمیشہ کے انعامات عطا کرنا حکمت کا تقاضا ہے کیونکہ احسان بالذات مراد ہے اور انتقام بالعرض مراد ہے

بقاء دوزخ کے قائلین کے دلائل:۔

ارشاد باری ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ (التوبة /٦٨)

لَايُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُوْنَ (الزخرف/٧٥)

ترجمہ:۔نہ ہلکا ہوتا ہے ان پر سے اور وہ اس میں پڑے ہیں ناامید۔

فَلَنْ نَزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَاباً(النبأ/٣٠)

ترجمہ:۔کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب۔

خَالِدِيْنَ فِيْهَا(البینہ/٦) ترجمہ:۔سدا رہیں اس میں۔

وَمَاهُمْ مِنْهَابِمُخْرَجِيْنَ(الحجر/٤٨)

ترجمہ:۔اور نہ ان کو وہاں سے کوئی نکالے۔

وَلَايَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخَيَاطِ(الاعراف/٤٠)

ترجمہ:۔نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں۔

لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا (فاطر/۳۶)

ترجمہ:۔ نہ ان پر حکم پہنچے کہ مر جائیں اور نہ ان پر ہلکی ہو وہاں کی کچھ کلفت۔

اِنَّ عَذَابَهَا کَانَ غَرَاماً (الفرقان/۶۵)

ترجمہ:۔ بے شک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے۔

احادیث الشفاعۃ اور کلمہ گو کا اخراج من النار ثابت ہے اگر کفار بھی آگ سے نکل آئیں تو ان حضرات کی تخصیص ختم ہو جائے گی۔ الحاصل بقاء جنت اور بقاء دوزخ ان کی ذات کا تقاضا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو باقی رکھیں گے۔

بندہ کی رائے:۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں، رحمت والی اور غضب والی۔ دونوں کے مظاہر الگ الگ ہیں نیک، نیکی، جنت، اور نعیم جنت اور بقاءِ جنت اس کی رحمت کی صفات کے مظاہر ہیں۔ بُرا، بُرائی، دوزخ، عذاب دوزخ اور بقاءِ دوزخ اس کی غضب والی صفات کے مظاہر ہیں۔ جس طرح اللہ کی ذات وصفات قائم، دائم اور باقی ہیں اسی طرح اس کے مظاہر کا قیام اور دوام بھی ہونا چاہیے۔ دونوں قسم کی صفات کے مظاہر کے دوام اور بقاء سے دونوں قسم کی صفات میں مساوات لازم نہیں آتا کیونکہ نیکی کا اجر بے شمار گنا زیادہ ہے، گناہ کا صرف ایک بدلہ ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اثر اور جزا بھی بدلہ جتنا ہوگا۔ اہل جنت اور جنت کی وسعتوں اور نعمتوں کے مقابلے میں دوزخ کا عذاب کم ہے۔ گناہگار مؤمن کو کچھ مدت سزا دینے کے بعد

جنت میں داخل کرنا بھی سبقت رحمت کا تقاضا ہے۔رہا کفار کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا تو وہ اس لئے کہ کفار بمنزلہ گندگی کے ہیں گندگی ہمیشہ گندگی ہی رہتی ہے وہ کبھی پاک نہیں ہوتی۔اس لئے ان کا عذاب توہین کے لئے ہے اور گناہگار مسلمانوں کا عذاب تطہیر کے لئے ہوتا ہے۔اگر دوزخ ختم ہو جائے تو اللہ کی غضب والی صفات بغیر مظاہر اور اثرات کے رہ جائیں گے۔اگرچہ صفات کے مظاہر اور اثرات کے ختم ہونے سے غضب والی صفات پر اثر نہیں پڑتا لیکن اثرات ومظاہر کے بقاء کے ساتھ ضدین کا اجتماع رہے گا، جس کی وجہ سے اہل جنت کو جنت میں مزہ آئے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں کوفت ہوگی۔واللہ اعلم۔

وَخلق لهما اهلا:۔ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ (الاعراف/۱۷۹)

ترجمہ:۔اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کو انصار کے ایک بچہ کے جنازہ کے لئے بلایا گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا جنت کے چڑیوں میں سے اس چڑیا کے لئے خوشخبری ہو، نہ تو اس نے کوئی برائی کی اور نہ برائی تک رسائی ہوئی۔حضور ﷺ نے فرمایا عائشہ! بات کچھ اور ہے اللہ نے جنت کے لئے اہل جنت پیدا فرمایا ہے ان کو جنت کے لئے اس وقت پیدا کیا جب یہ جنتی اپنی آباء کے پشت میں تھے۔اور بعض کو دوزخ کے لئے اس وقت پیدا کیا جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے

موجودات کی دو قسمیں ہیں

(۱) جو طبعاً مسخر ہو (۲) جو اپنے ارادہ اور اختیار سے مسخر ہو۔

پہلی قسم کی ہدایت ان کی طبیعت میں داخل ہے دوسری قسم کی ہدایت ان کے ارادہ، عقل اور شعور کے تابع ہے۔ پھر اس ہدایت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) یہ صرف خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کی مثال ملائکہ ہیں

(۲) جو صرف شر کا ارادہ کرتے ہیں ان کی مثال شیاطین ہیں۔

(۳) جو خیر اور شر کا ارادہ کرتے ہیں اس کی مثال انسان ہے۔

ان کی پھر تین قسمیں ہیں (۱) جن کا ایمان، عقل اور معرفت ان کی خواہشات پر غالب رہے یہ ملائکہ کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں۔ (۲) جن کی خواہشات ان کے ایمان، عقل اور معرفت پر غالب آجاتی ہے یہ لوگ شیاطین کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں۔ (۳) جن کی حیوانی شہوتیں ان کی عقل پر غالب آجائیں یہ حیوانات کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں۔

الحاصل جس طرح کسی کا عین اور وجود اللہ تعالیٰ کی ایجاد کا محتاج ہے اسی طرح ہر چیز کی ہدایت اللہ کی تعلیم اور اِھداء کا محتاج ہے۔

فَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ فَضْلاً مِّنْهُ:۔ جنت میں داخلہ اللہ کا فضل ہے اور دوزخ میں داخلہ اس کا عدل ہے۔ اللہ کسی کو عمل صالح کے ثواب سے محروم نہیں کرتے ہاں اگر کوئی ثواب کے سبب یعنی عمل صالح سے رک جائے ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ

ظُلْماً وَّلَا هَضْماً (طٰهٰ/۱۱۲)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی کرے کچھ بھلائیاں اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ نقصان پہنچنے کا۔

کسی کا عذاب نہیں روکتے اگر عذاب کے سبب یعنی بُرے عمل کا ارتکاب کرے ارشاد ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ/۳۰)

ترجمہ:۔ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے۔

اللہ تعالیٰ معطی بھی ہے اور مانع بھی۔ اس کی اعطاء کے لئے مانع نہیں اور اس کے امتناع کے لیے کوئی معطی نہیں۔ لیکن اللہ کا منع اور اعطاء اپنے ایک قانون کے مطابق ہے یعنی نیک عمل اور برے عمل کے مطابق اعطاء اور امتناع کرتا ہے۔

سوال:۔ جب اس کا عدل اور فضل سببِ عدل اور سببِ فضل کی وجہ سے ہے تو جنت اور دوزخ کا داخلہ تو اس کے فضل اور عدل کی وجہ سے نہ ہوا۔

جواب:۔ فضل اور عدل کے اسباب وہ حکیم علی الاطلاق مہیا کرتا ہے۔ اسباب اس کے قبضہ میں ہیں ہوتا سب کچھ اس کے عدل اور فضل کی وجہ سے ہے لیکن ظاہری قانون کے مطابق نسبت عدل اور فضل کے اسباب کی طرف ہوتی ہے۔ گاڑی کو کھینچنے والا اصل انجن ہے گارڈ جب ہری جھنڈی ہلاتا ہے تو انجن اور گاڑی چل پڑتی ہے اور جب سرخ جھنڈی دکھلاتا ہے تو انجن اور گاڑی رک جاتی ہے۔ ظاہر بین سمجھتا ہے کہ

گاڑی کا چلنا اور رُکنا ہری اور سرخ جھنڈی کی وجہ سے ہے حالانکہ یہ ہری اور سرخ جھنڈی چلنے اور رکنے کی فقط ایک علامت ہے، اصل تو انجن ہے۔ اسی طرح اصل تو عدل اور فضل ہے نیک عمل اور براعمل ہری اور سرخ جھنڈی کی طرح جنت اور دوزخ کی علامت ہیں۔ علاوہ ازیں نیک عمل کی توفیق بھی اللہ کا فضل ہے تو جنت کا داخلہ اللہ کے فضل ہی کی وجہ سے ہوا۔ نیک عمل کی توفیق کا سلب بھی اللہ کا عدل ہے تو دوزخ کا داخلہ اس کے عدل کی وجہ سے ہوا۔

عقیدہ نمبر ۸۴:۔

قوله:وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ عَلَى الْعِبَادِ

ترجمہ:۔ خیر اور شر بندوں کے لئے مقدر ہے۔

شرح:۔ یعنی اللہ نے بندوں کے لئے اپنے فضل اور عدل سے خیر اور شر کا فیصلہ کرلیا ہے۔ کسی کے مقدر میں خیر ہے کسی کے مقدر میں شر ہے۔ پھر ہر ایک خیر کی تقدیر کے مطابق نیک اعمال اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے۔ اسی طرح شر کی تقدیر کے مطابق اپنے ارادہ اور اختیار سے بُرے اعمال کرتا ہے۔ الحاصل خیر و شر اس کے قضاء اور قدر کے مطابق ہے ارشاد ہے

قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ(النساء/۷۸)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً(الانبیاء/۳۵)

ترجمہ:۔اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو۔

جواللہ چاہے وہ ہوگا جو نہ چاہیں نہ ہوگا۔

عقیدہ نمبر ۸۵:۔

قولہ :وَالْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِیْ یَجِبُ بِهَا الْفِعْلُ مِنْ نَحْوِ التَّوْفِیْقِ الَّذِیْ لَایَجُوْزُ اَنْ یُوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهٖ تَکُوْنُ مَعَ الْفِعْلِ وَاَمَّاالْاِسْتِطَاعَةُ مِنْ جِهَةِ الصِّحَّةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمَکُّنِ وَسَلَامَةِ الْاٰلَاتِ فَهِیَ قَبْلَ الْفِعْلِ وَبِهَایَتَعَلَّقُ الْخِطَابُ وَهُوَ کَمَاقَالَ تَعَالٰی "لَایُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساًاِلَّا وُسْعَهَا۔

ترجمہ:۔ وہ استطاعت جس کے ذریعہ فعل پایا جاتا ہے جس کو توفیق کہتے ہیں اس کے ساتھ مخلوق کا اتصاف جائز نہیں ۔ یہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔صحت ،وسعت ،تمکن اور سلامتی آلات کے اعتبار سے استطاعت وقدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔لَایُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساًاِلَّا وُسْعَهَا۔

ترجمہ:۔اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

شرح:۔ استطاعت ،قدرت ،وسعت اور طاقت قریب المعنیٰ الفاظ ہیں۔قدرت کی دو قسمیں ہیں (۱) قدرت حقیقیہ (۲) قدرت متعارفہ ۔قدرت حقیقیہ سے مراد اللہ کی توفیق ہے جس کے ذریعہ فعل کا وجود آتا ہے۔اس قدرت کو

اشاعرہ فعل کے ساتھ مقارن بالزمان مانتے ہیں۔ جب بندہ کسی اچھے فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ خیر کی قدرت کو پیدا فرمادیتے ہیں۔ اور جب بندہ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ شر کی قدرت پیدا کردیتے ہیں۔ یہ قدرت فعل پر مقدم نہیں ہوتی۔ یہ قدرت محل نزاع ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ قدرت قبل الفعل بھی ہے اور مع الفعل بھی۔ قبل الفعل قدرت اس لئے ضروری ہے کہ کہیں غیر مستطیع مکلف نہ بن جائے۔ اور مع الفعل اس لئے ضروری ہے تاکہ بغیر قدرت کے فعل کا موجود ہونا لازم نہ آئے۔ اس قدرت کو اللہ بندہ کے اندر اسباب، آلات کی سلامتی کے بعد فعل کا ارادہ کرنے کے وقت پیدا فرمادیتے ہیں۔

قدرت حقیقیہ فعل کے ساتھ اس لئے مقارن ہے کہ استطاعت ایک عرض ہے جو فعل کے ساتھ قائم ہوگی۔ عرض مابہ القیام کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اگر استطاعت پہلے پائی جائے تو مابہ القیام کے بغیر بقاء عرض لازم آئے گا جو محال ہے۔ اس لئے یہ قدرت فعل کے ساتھ ہوگی۔

دوسری قدرت، قدرتِ متعارفہ ہے۔ جو آسباب وآلات کی سلامتی ہے۔ یعنی فعل کو وجود میں لانے سے قبل کے اسباب، عقل سلیم، حواس سالمہ اور سلامتی اعضاء وغیرہ کا موجود ہونا ہے۔ یہی مدار تکلیف ہے اس قدرت کا فعل پر مقدم ہونا ضروری ہے۔ اس قدرت کے تقدم علی الفعل میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کو مجازاً قدرت کہتے ہیں۔ اسی قدرت متعارفہ کی وجہ سے انسان مکلف ہے۔ اس قدرت کا قرآن میں جابجا تذکرہ موجود ہے۔ ارشاد ہے۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً
(آل عمران/ ۹۷)

ترجمہ:۔اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔

حج صرف مستطیع پر فرض ہے۔اگر اس آیت میں استطاعت سے قدرت حقیقیہ یعنی استطاعت مع الفعل مراد لی جائے تو حج صرف اس شخص پر فرض ہوگا جو حج ادا کرے۔اور جس نے ابھی تک حج ادا نہیں کیا اس پر فرض نہیں۔حالانکہ حج مستطیع پر ادائیگی سے پہلے فرض ہوتا ہے۔پہلی فرضیت ثابت ہوتی ہے پھر ادا کرتا ہے۔اسی لئے اگر حج کی ادائیگی سے قبل مرجائے تو گناہ گار ہوتا ہے۔اگر استطاعت سے مراد قدرت مع الحج ہے تو پھر ترک حج پر پکڑ کیوں ہے۔ارشاد ہے۔

فَاتَّقُوااللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ (التغابن /۱۶)

ترجمہ:۔سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے۔

تقویٰ حسب استطاعت واجب ہے۔انسان تقویٰ اختیار کرنے سے پہلے تقویٰ کا مکلف ہے۔اگر تقویٰ کی استطاعت سے قدرت مع التقویٰ مراد لی جائے تو تقویٰ کا مکلف صرف وہی شخص ہوگا جو متقی ہو۔اور جس نے تقویٰ اختیار نہ کیا ہو وہ تقویٰ کا مکلف نہیں۔لہٰذا ترک تقویٰ پر گناہگار نہ ہوگا حالانکہ غیر متقی سب کے نزدیک مجرم ہے۔منافقین نے کہا

لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَکُمْ (التوبہ /۴۲)

ترجمہ:۔اگر ہم سے ہوسکتا تو ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ۔

اللہ نے ان کے قول کی تکذیب کی ہے۔اگر منافقین کی مراد قدرت سے قدرت حقیقیہ یعنی قدرت مع الخروج ہوتی تو اس قدرت کی اپنے آپ سے نفی میں منافقین جھوٹے نہ ہوتے حالانکہ منافقین جھوٹے تھے۔معلوم ہوا کہ مدار تکلیف خروج سے قبل کی قدرت متعارفہ بمعنیٰ سلامت الآلات والاسباب مراد ہے۔مثلاً منافقین کی مراد یہ تھی کہ بیمار ہیں یا مال نہیں۔کیونکہ خروج کے لئے اسباب صحت اور مال ہے۔عمران بن حصینؓ کے قول میں اسی قدرت متعارفہ کا ذکر ہے فرماتے ہیں کھڑے ہوکر نماز پڑھ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ۔اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو پہلو کے بل پر نماز پڑھ۔تو مدار تکلیف قدرت متعارفہ ہے۔قدرت حقیقیہ کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ارشاد ہے۔

مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (ھود/۲۰)

ترجمہ:۔نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ دیکھتے تھے۔

اس آیت میں قدرت حقیقیہ کی نفی ہے آلات واسباب کی نفی نہیں۔کیونکہ آلات واسباب تو ان کو مہیا تھے۔

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً (الکہف/۶۷)

ترجمہ:۔تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ۔

یہاں نفی صبر کی، حقیقی قدرت کی ہے نہ کہ صبر کے اسباب وآلات کی۔کیونکہ صبر کے آلات واسباب تو ثابت تھے۔اس لئے حضرت موسیٰؑ بار بار حضرت خضرؑ کو ٹوکتے

تھے۔حالانکہ جس کے پاس کسی فعل کے اسباب وآلات نہ ہوان کو کوئی بھی ملامت نہیں کرتا۔

عقیدہ نمبر ۸۶:۔

قولہ :وَاَفْعَالُ الْعِبَادِ خَلْقُ اللّٰہِ وَکَسْبٌ مِنَ الْعِبَادِ

ترجمہ:۔اور بندوں کے افعال اللہ کے مخلوق ہیں اور بندوں کی طرف سے کسب ہے۔

شرح:۔افعالِ عباد کی دو قسمیں ہیں

(۱) افعال اضطراریہ:۔ یہ وہ افعال ہیں جو بندہ کے ارادہ اور اختیار کے بغیر صادر ہوتے ہیں ۔جیسے اس شخص کی حرکت جسے رعشہ کی بیماری لاحق ہو۔اس قسم کے افعال بالاتفاق اللہ کی مخلوق ہیں۔

(۲) افعال اختیاریہ:۔ مثلاً کفر وایمان، طاعت اور معصیت کا صدور۔یہی محل اختلاف ہے۔جبریہ اوران کی رئیس جہم بن صفوان کہتا ہے کہ مخلوق کے تمام افعال کی تدبیر اللہ کرتے ہیں ۔مرتعش کی حرکت کی طرح بندوں کے تمام افعال اضطراری ہیں۔بندوں کی طرف ان افعال کی اضافت مجازاً ہوتی ہے۔مثلاً کوئی کہے کہ یہ عمارت اچھی اور خوبصورت بنی ہے۔عمارت کے حسن اور بنانے کی نسبت عمارت کی طرف مجازاً ہے عمارت کا حسن اوراس کا بننا تو اصل میں بنانے والے کی طرف منسوب ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ تمام افعال اختیاریہ جو مخلوقات سے صادر ہوتے ہیں مخلوق خود اس کی خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خلق کا ان افعال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اگر اللہ بھی بندہ کے فعل کا خالق ہو اور بندہ بھی تو ایک ہی فعل کے دو خالق بن جائیں گے۔ اور ایک فعل دو خالقوں کے لیے مقدور ہو جائے گا۔ حالانکہ ہر فعل کا صدور صرف ایک خالق سے ہوگا۔

اہل حق یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ وہ افعال جن سے بندہ مطیع یا عاصی بنتا ہے اللہ کے مخلوق ہیں۔ کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔

اہل حق کے دلائل:۔

(۱) اگر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہوتا تو اس کو ان افعال کا تفصیلی علم ہوتا۔ مگر تالی باطل ہے لہٰذا مقدم یعنی بندہ کا اپنے فعل کا خالق ہونا بھی باطل ہے۔ اپنے فعل کا علم اس لئے ضروری ہے کہ ایجاد کے لئے ارادہ اور قصد بغیر علم کے نہیں ہوتا۔ مثلاً آدمی کی حرکات، سکنات، آج کتنے قدم لئے کتنے سکتے ہوئے، حرکت کی رفتار کیا تھی، خود بدن کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ کسی فعل کے لئے کتنی قوت صرف ہوئی۔ ان کے بارے میں انسان مکمل جاہل ہے۔

(۲) ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ (الصّٰفّٰت/۹۶)

ترجمہ:۔ اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔

(۳) ارشاد ہے۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (الانعام/۱۰۲)

ترجمہ:۔ پیدا کرنے والا ہر چیز کا سو تم اسی کی عبادت کرو۔

جب ہر چیز کا خالق ہوا تو افعال عباد کا بھی خالق ہوا۔ ارشاد ہے۔

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ (النحل/۱۷)

ترجمہ:۔ بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے۔

کیا خالق (معبود برحق) اور غیر خالق معبودان باطلہ برابر ہیں۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ (فاطر/۳)

ترجمہ:۔ کیا کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوا؟

اس عقیدہ کے ساتھ معتزلہ کافر نہیں بنتے۔ کیونکہ معتزلہ یہ اقرار نہیں کرتے کہ اللہ کے ساتھ ایک اور واجب الوجود بطور شریک موجود ہے یا بندہ خالق ہوا تو مستحق عبادت یعنی معبود بھی بن جائے گا۔ کیونکہ بندہ کے خالق ہونے میں اور اللہ کے خالق ہونے میں فرق ہے۔ اللہ کی تخلیق صفت تکوین کی وجہ سے ہے اور بندہ کی تخلیق آلات کا محتاج ہے۔

معتزلہ کے دلائل:۔

اختیاری حرکت مثلاً ماشی کی حرکت اور غیر اختیاری حرکت مثلاً رعشہ والے شخص کی حرکت میں فرق ہے۔ اگر اللہ خالق ہے تو دونوں حرکتیں اضطراری ہونی چاہیے۔

(۲) اگر تمام افعال کا خالق اللہ ہے تو بندہ کے اختیار اور ارادہ کا کیا مقصد۔ مکلف کیوں بنایا، ثواب وعذاب کا کیا معنیٰ، یہ سب چیزیں تو اس وقت ہوں گی جب بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہو۔

ان کے استدلالات کا جواب یہ ہے کہ ہم بندہ کو جبریہ کی طرح مجبور نہیں مانتے

بلکہ ہرانسان کا اپنے فعل میں قصد اور دخل ہوتا ہے۔جس کو کسب کہتے ہیں۔

لَهَامَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَامَااكْتَسَبَتْ (البقرہ /۲۸۶)

ترجمہ:۔اسی کوملتا ہے جواس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔

مدار تکلیف اور جزاوسزا کا ترتب بندہ کے کسب پر ہوتا ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر ہر فعل کا خالق اللہ ہے تو پھر اس کو قائم ،قاعد، نائم، آکل ،شارب، اور عیاذ اًباللہ زانی کیوں نہیں کہتے ؟ کیونکہ فعل اپنے موجد کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔فعل کا خالق اللہ ہے تو بندہ ان افعال کے ساتھ موصوف کیسے ہوگیا؟ کہ نائم ،زانی اور شارب بن جائے۔

جواب:۔بندہ ان افعال کو اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ کرتا ہے اس لئے ان افعال کے ساتھ بندہ موصوف ہوگا۔اللہ صرف ان افعال کا خالق اور موجد ہے۔اللہ سواد اور بیاض کا خالق ہے لیکن اس کو کوئی اسود اور ابیض نہیں کہتے ۔ بلکہ اسود اور ابیض وہ جسم ہوگا۔رنگریز اگر کسی کپڑے کو سرخ رنگ دے تو رنگریز احمر نہیں کہلائے گا بلکہ کپڑا احمر ہوگا۔موٹر چلانے والے کو متحرک نہیں کہتے بلکہ بالذات موٹر متحرک ہے۔معتزلہ کہتے ہیں وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ (المائدہ/۱۱۰)

ترجمہ:۔اور جب تو بناتا تھا گارے سے۔

اس میں خلق کی نسبت غیر اللہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہوئی ہے۔

اسی طرح "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" (المؤمنون/۱۴)

ترجمہ:۔سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

ان آیات میں خلق بمعنیٰ تقدیر اور اندازہ کرنے کے ہیں یعنی صورت بنانا، نقشہ بنانا، خاکہ بنانا۔ خلق کا معنیٰ تو یہ ہے کہ کسی چیز کو عدم سے وجود بخش کر ذی روح بنادے تو یہ اللہ کا کام ہے۔

جبریہ کے دلائل:۔

ارشاد ہے۔

وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمیٰ (الانفال/۱۷)

ترجمہ:۔ اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔

اللہ نے نبی سے رمی کی نفی کر کے اپنے لئے رمی ثابت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس رمی میں نبی ﷺ اور بندہ کا دخل نہیں۔

جواب:۔ اذ رمیت میں حضور ﷺ کی طرف رمی کی نسبت ہوئی ہے نفی نہیں ۔مثبت غیر منفی ہے۔ رمی کی ایک ابتداء ہے ایک انتہاء۔ ابتداء کنکریاں پھینکنا تھا اور انتہاء ان کا پہنچانا۔ ہر ایک کو رمی کہتے ہیں۔ معنیٰ یہ ہوا کہ کنکریاں آپ نے نہیں پہنچائی بلکہ اللہ نے پہنچائی ہے۔ جبریہ کا یہ قانون ان جملوں میں نہیں چلتا ''مَا صَلَّيْتَ اِذْ صَلَّيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ صَلّٰى '' آپ نے نماز نہیں پڑھی جب آپ نے نماز پڑھی بلکہ اللہ نے نماز پڑھی ہے۔ ''وَمَاصُمْتَ اِذْ صُمْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ صَامَ'' آپ نے روزہ نہیں رکھا جب آپ نے روزہ رکھا بلکہ اللہ نے روزہ رکھا ۔''وَمَازَنَيْتَ اِذْ زَنَيْتَ، وَمَا سَرَقْتَ اِذْسَرَقْتَ ، ان جملوں میں جبریہ والا

معنیٰ لینا باطل اور فاسد ہے۔ اگر بندہ اپنے افعال کا نہ خالق ہے نہ کاسب تو جزاوسزا کا نظام ختم ہو جائے گا۔

الحاصل بندہ کاسب ہے اور اللہ خالق ہے۔ ایک ہی فعل خلق کے لحاظ سے اللہ کا مقدور ہے اور کسب کے لحاظ سے بندہ کا مقدور ہے۔ معتزلہ کا یہ کہنا کہ ایک فعل دونوں کے لئے مقدور نہیں بن سکتا۔ یہ بات محل تأمل ہے دو آدمی زور لگا کر ایک درخت اُکھاڑتے ہیں، دو آدمی ایک ساتھ دھکا لگا کر گاڑی کو دھکیل دیتے ہیں۔ ایک فعل دو یا زیادہ کا مقدور بن سکتا ہے۔ ایک مقتول کے لئے کئی قاتل ہو سکتے ہیں۔ بندہ اپنے ارادہ، اختیار اور سلامت الآلات و لاسباب کی وجہ سے ایک کام کرتا ہے اللہ اس پر بطور خلق کے نتیجہ مرتب کر دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی کسی کو تھپڑ مارے تو اللہ درد پیدا کریں گے۔ تھپڑ نہ مارے تو اللہ درد پیدا نہیں کریں گے۔

عقیدہ نمبر ۸۷:۔

وَلَمْ يُكَلِّفْهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ اِلَّامَايُطِيْقُوْنَ وَلَايُطِيْقُوْنَ اِلَّا مَاكَلَّفَهُمْ وَهُوَ تَفْسِيْرُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ نَقُوْلُ لَاحِيْلَةَ لِاَحَدٍوَلَا تَحَوُّلَ لِاَحَدٍوَلَاحَرْكَةَ لِاَحَدٍ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالیٰ اِلَّابِمَعُوْنَةِ اللّٰهِ وَلَاقُوَّةَ لِاَحَدٍ عَلیٰ اِقَامَةِ طَاعَةِ اللّٰهِ وَالثُّبَاتِ عَلَيْهَااِلَّابِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ۔

ترجمہ:۔ اور اللہ نے بندوں کو اپنی کاموں کا مکلف بنایا ہے جن کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور وہ طاقت نہیں رکھتے مگر جن کے وہ مکلف ہیں۔ اور یہی

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم کی تفسیر ہے۔ہم کہتے ہیں کہ نہ کسی کے لئے کوئی حیلہ ہے اور نہ کسی کے لئے کوئی طاقت ہے اور نہ کسی کے لئے اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی کوئی حرکت ہے مگر اللہ کی مدد سے۔اور نہ اللہ کی طاعت کے ادا کرنے پر کسی کی کوئی قوت ہے اور نہ طاعت پر ثابت قدم رہنے کی طاقت ہے مگر اللہ کی توفیق سے۔

شرح:۔ارشاد باری ہے۔

لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ/۲۸۶)

ترجمہ:۔اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

لَانُكَلِّفُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا (الانعام/۱۵۲)

ترجمہ:۔ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جس کی اس کو طاقت ہے۔

بندہ ایسے فعل کا مکلف نہیں جو اس کی بس میں نہ ہو۔ مالایطاق کی تین قسمیں ہیں(۱) محال بالذات:۔ جیسے اجتماع نقیضین ، جیسے ایک آدمی کو ایک ہی وقت میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے کا مکلف کیا جائے۔اگر بیٹھے تو کھڑا ہونے پر عمل نہ ہوا اگر کھڑا ہوا تو بیٹھنے پر عمل نہ ہوا۔دونوں کو جمع نہیں کر سکتا، نہ دونوں کو ترک کر سکتا ہے۔

(۲) ممکن بالذات لیکن اس کا وقوع عادۃً محال ہے۔کسی کو ہوا میں اڑنے کا مکلف بنانا۔یا کسی جسم کی تخلیق پر مکلف بنانا یا ایک میل لمبی چھلانگ لگانے کا مکلف بنانا۔

(۳) ممکن بالذات اور محال بالغیر: کوئی فعل فی نفسہ ممکن ہو لیکن ارادہ الٰہی نہ

ہونے کی وجہ سے محال ہوجاتا ہے۔اگر اللہ کا ارادہ نہ ہو اور وہ ہوجائے تو اللہ اپنے ارادے میں ناکام اور مراد میں نامراد ہوجائے گا۔محال بالذات کی تکلیف نہ جائز ہے اور نہ واقع ہوئی ہے۔ مالایطاق کی دوسری قسم جو فی نفسہ ممکن ہے لیکن عادۃً محال ہے اس کی تکلیف واقع نہیں ہوئی۔تیسری قسم محال بالغیر کی تکلیف واقع ہے،ابوجہل اور ابولہب ایمان کے مکلف تھے لیکن اللہ کے علم ازلی میں یہ بات ثابت تھی کہ ایمان نہیں لائیں گے۔جس کی وجہ سے ان کا ایمان لانا محال ہوگیا لیکن تھے مکلف کیونکہ مدار تکلیف والی قدرت متعارفہ ان میں موجود تھی سلامت آلات واسباب کے لحاظ سے مکلف تھے۔

ابوالحسن اشعریؒ کے نزدیک تکلیف مالایطاق عقلاً جائز ہے۔پھر ان کے اصحاب نے اختلاف کیا کہ آیا اس تکلیف مالایطاق پر شرع وارد بھی ہے یا نہیں۔بعض نے کہا کہ شرعاً تکلیف مالایطاق جائز ہے۔دلیل یہ ہے کہ ابولہب مکلف بالایمان ہے لیکن اللہ نے خبر دی ہے کہ ایمان نہیں لائیں گے۔

سَيَصْلىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (لہب/۳)

ترجمہ:۔اب پڑے گا لپٹیں مارتی آگ میں۔

معنیٰ ہوا کہ مامور ہے کہ ایمان لائے اور ایمان نہ لائے۔یہ جمع بین الضدین ہے۔حالانکہ یہ جمع بین الضدین نہیں ہے بلکہ سلامت آلات واسباب کی وجہ سے ایمان کا مکلف ہے اور خبر خداوندی کی وجہ سے ایمان نہیں لائے گا۔ابوجہل کا مکلف ہونا تکلیف مالایطاق کی دوسری قسم ہے پہلی قسم نہیں۔ابوجہل وغیرہ میں مدار تکلیف والی

قدرت متعارفہ موجود ہے۔

سوال:۔ تکلیف مالایطاق جائز اور واقع ہے۔ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا

اَنۡبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (البقرہ/۳۱)

ترجمہ:۔ بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو۔

حالانکہ فرشتوں میں استطاعت نہ تھی۔ مصوّرین سے قیامت کے دن کہا جائے گا۔ اَحۡیُوۡا مَاخَلَقۡتُمۡ "جو تصویریں بنائی تھیں ان کو زندہ کرو۔

جواب:۔ یہ امر تکلیف اور تعمیل کے لئے نہ تھا بلکہ تعجیز کے لئے تھا۔ اور تکلیف اور تعجیز میں فرق ہے، تکلیف میں آمر کی خواہش ہوتی ہے کہ مامور سے مامور بہ کا وجود ہو اور تعجیز میں آمر کی خواہش ہوتی ہے کہ مامور بہ انجام نہ دے سکے۔

سوال:۔ صحابہ کرام کے دلوں میں بلا اختیار جو وسوسے آتے تھے ان کو ان سے بچنے کا مکلف بنایا تو ان پر شاق گزرا۔ ان سے کہا گیا کہ یوں کہو۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرہ/۲۸۶)

ترجمہ:۔ اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں۔

پھر اللہ نے فرمایا۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا (البقرۃ/۲۸۶)

ترجمہ:۔ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

معلوم ہوا کہ تکلیف مالایطاق واقع ہوئی ہے۔

جواب:۔ تحمیل سے مراد تکلیف نہیں ہے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ ہم پر ایسے

شدائد نازل نہ فرما جن کو سہنے کی ہمارے اندر برداشت نہ ہو۔

انسان قدرت متعارفہ کی وجہ سے مکلف ہے اس کے مطابق نیکی کرنے اور بُرائی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ باقی سب کچھ خداوند قدوس کے قبضہ میں ہے۔ اس کی امداد اور توفیق سے سب امور سرانجام پاتے ہیں۔ اس پر بھروسہ کر کے ہر معاملہ میں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ نیکی کی توفیق اور اس پر اجر کو اللہ کا کرم اور فضل سمجھے خود کسی کا کمال نہیں نہ کوئی اس کا اہل تھا۔ بُرائی کا ارتکاب بھی قدرت متعارفہ کے غلط استعمال کی وجہ سے کیا ہے چونکہ قدرت متعارفہ کا خالق بھی اللہ ہے اس لئے قدرت متعارفہ کے استعمال کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اگرچہ بندہ نے اس قدرت کا استعمال غلط کیا ہو۔

عقیدہ نمبر ۸۸:۔

وَكُلٌّ يَجْرِيْ بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَضَآئِهٖ وَقَدَرِهٖ غَلَبَتْ مَشِيَّتُهُ الْمَشِيَّاتِ كُلَّهَا وَغَلَبَ قَضَآئُهُ الْحِيَلَ كُلَّهَا يَفْعَلُ مَايَشَآءُ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ اَبَداً لَايُسْئَلُ عَمَّايَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔

ترجمہ:۔ اور ہر چیز ہوتی ہے اللہ کی مشیت سے اور اس کے علم، فیصلہ سے اور اس کی مشیت تمام مشیتوں پر غالب آتی ہے اور اس کا فیصلہ تمام تدبیروں پر غالب آتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی اور لوگوں سے باز

پرس ہوگی۔

شرح:۔ قضاء کی دو قسمیں ہیں (۱) کونی (۲) شرعی ۔ یہاں کونی قضاء مراد ہے اسی طرح ارادہ، امر، اذن اور حکم کی بھی دو، دو قسمیں ہیں یعنی تکوینی اور شرعی ۔ قضاء کونی یہ ہے۔

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (حٰمٓ سجدہ/ ۱۲)

ترجمہ:۔ پھر کر دیئے وہ سات آسمان دو دن میں ۔

قضاء شرعی کا اس آیت میں ذکر ہے۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ (بنی اسرائیل /۲۳)

ترجمہ:۔ اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے۔

امر کونی اس آیت میں ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (یٰسٓ/ ۸۲)

ترجمہ:۔ اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو کہ ہو وہ اسی وقت ہو جائے۔

وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا (الاسراء/ ۱۶)

ترجمہ:۔ اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں۔

امر شرعی کی مثال:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ(النحل /۹۵)

ترجمہ:۔اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا۔

اذن کونی کی مثال:۔

وَمَاھُمْ بِضَارِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ(البقرہ/۱۰۲)

ترجمہ:۔اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے

اذن شرعی:۔

مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِیْنَۃٍ اَوْتَرَکْتُمُوْھَاقَائِمَۃً عَلٰی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ(الحشر/۵)

ترجمہ:۔جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے۔

کتاب کونی:

وَمَایُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ عُمُرِہٖ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ(الفاطر/۱۱)

ترجمہ:۔اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔

وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِیْ الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ (الانبیاء/۱۰۵)

ترجمہ:۔اور ہم نے لکھ دیا زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک

ہوں گے میرے نیک بندے۔

کتاب شرعی:۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المائدہ/۴۵)

ترجمہ:۔اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی۔

حکم کونی:۔

فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (یوسف/۸۰)

ترجمہ:۔تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو میرا باپ یا قضیہ چکادے اللہ میری طرف سے اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا۔

حکم شرعی:۔

ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (الممتحنہ/۱۰)

ترجمہ:۔یہ اللہ کا فیصلہ ہے تم میں فیصلہ کرتا ہے۔

تحریم کونی:۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ (المائدہ/۲۶)

ترجمہ:۔فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ان پر چالیس برس سر مارتے

پھریں گے ملک میں:۔

وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنَاھَااَنَّھُمْ لَایَرْجِعُوْنَ (الانبیاء/۹۵)

ترجمہ:۔اور مقرر ہو چکا ہر بستی پر جس کو غارت کردیا ہم نے کہ وہ پھر کر نہیں آئیں گے۔

تحریم شرعی:۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ(المائدہ /۳)

ترجمہ:۔حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور لہو۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ(النساء/۲۳)

ترجمہ:۔حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں۔

کلمات کونیہ:۔

وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ بِمَاصَبَرُوْا(الاعراف/۱۳۷)

ترجمہ:۔اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے۔

کلمات الشرعیہ:۔

وَاِذِابْتَلٰی اِبْرَاھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمَاتٍ فَاَتَمَّھُنَّ (البقرہ/۱۲۴)

ترجمہ:۔اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں۔

یفعل مایشاء وھو غیر ظالم ابداً:۔ ارشاد ہے۔

وَمَارَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ(حٰمٓ سجدہ/۴۶)

ترجمہ:۔اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر۔

اِنَّ اللّٰهَ لَايَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ(النساء/۴۰)

ترجمہ:۔بے شک اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ذرہ برابر۔

اللہ نہ ظالم ہے نہ ظلام ہے۔وہ جو کچھ کرتا ہے عدل ہے۔بندہ کبھی ظلم کرتا ہے ظلم وہ کرے گا جو کسی کی طرف سے مکلّف اور مامور ہو۔اللہ سے اوپر کوئی خالق اور مالک آمر اور ناہی نہیں۔وہاں ظلم کا تصور بھی محال ہے۔ارشاد ہے۔

وَمَاظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْاهُمُ الظَّالِمِيْنَ(الزخرف/۷۶)

ترجمہ:۔اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن تھے وہی بے انصاف۔

وَلَايَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَداً(الکہف/۴۹)

ترجمہ:۔اور تیرا رب ظلم نہیں کرے گا کسی پر۔

لَاظُلْمَ الْيَوْمَ (المؤمن/۱۷) ترجمہ:۔بالکل ظلم نہیں آج۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے بندو! اِنِّی حرّمتُ الظُّلمَ علیٰ نفسِیْ میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کیا ہے۔اللہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے وہ اپنی مملوک اور مخلوق میں ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے۔ایک شخص اگر اپنے پھل دار باغ کو ختم کردے یا دودھ دینے والے جانور کو ذبح کر کے کسی جامعہ کے طلباء کو اس کا گوشت کھلادے تو ظالم نہیں کیونکہ با اختیار مالک ہے جو چاہے کرے

ہمیں اس مالک اور اس کی ملک سے کیا غرض۔ جب ایک مجازی اور عارضی مالک اپنی ملک میں ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے تو خالق حقیقی اور مالک حقیقی اپنی ملک اور مخلوق میں کیسے تصرف کا روادار نہ ہوگا۔

عقیدہ نمبر ۸۹:۔

قولہ: وَفِيْ دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ وَصَدَقَاتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِلْاَمْوَاتِ۔

ترجمہ:۔ اور زندہ لوگوں کی دعائیں اور ان کے صدقات میں مردوں کے لئے نفع ہے۔

شرح:۔ مردوں کے لئے زندوں کی دعائیں اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے صدقہ میں نفع ہے۔ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں کہ دوسرے کا عمل نفع بخش نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ قضاء بدلتی نہیں حالانکہ مردوں کو دعا وصدقہ سے نفع پہنچانا بھی قضاء ہے معتزلہ کہتے ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المدثر/۳۸)

ترجمہ:۔ ہر ایک جی اپنے کیے کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔

آدمی کو صرف اپنے عمل کا فائدہ ملے گا۔ اہل حق کے نزدیک احادیث سے ثابت ہے مردوں کے لئے دعا کرنا۔ خاص کر نماز جنازہ کی دعا اور اس پر سلف کا عمل ہے اگر اموات کو ان دعاؤں اور جنازوں سے فائدہ نہیں ملتا تو مفت میں جان کیوں تھکاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس میت پر کوئی جماعت جن کی تعداد سو تک پہنچی ہو نماز جنازہ پڑھتی ہے اور مردہ کے لیے سفارش کرتے ہیں تو سب کی سفارش

قبول ہو جاتی ہے۔سعد بن عبادہؓ نے کہا یارسول اللہ! ام سعد مرگئی ہے ان کے لئے کون سا صدقہ افضل ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا پانی۔تو سعد بن عبادہؓ نے کنواں کھدوا کر ام سعدؓ کے نام وقف کر دیا۔حدیث میں ہے کہ قبر کے مردے کی مثال ڈوبنے والے فریادرس کی ہے۔اس کو باپ، ماں، بیٹا یا بااعتماد دوست کی دعاؤں کا انتظار رہتا ہے۔جب اس کو دعا پہنچتی ہے تو بہت خوش ہوتا ہے۔

وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم/ ۳۹)

ترجمہ:۔اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کو نفع نہیں ہوتا۔

جواب:۔(۱) دوسرے کی سعی کا فائدہ نہ ملنا حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی امت کے لئے تھا۔امت محمدیہ کے لئے اپنی اور غیر کی سعی سے فائدہ پہنچتا ہے۔

(۲) ربیع بن انسؓ کہتے ہیں کہ الانسان سے مراد کافر ہے۔یہ ضعیف قول ہے۔

(۳) حسن بن فضل کہتے ہیں صرف اپنے عمل کا فائدہ اللہ کا عدل ہے اور دوسرے کے عمل سے فائدہ اس کا فضل ہے۔

(۴) ماسعیٰ سے مراد مانویٰ ہے یعنی انسان قیامت کے دن اپنی نیت کے مطابق اُٹھے گا۔

(۵) ہر انسان کے عمل کا بوجھ صرف اسی پر ہوگا۔

وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی (فاطر /۱۸)

ترجمہ:۔اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا۔

کا بھی یہی مطلب ہے۔امام قرطبیؒ فرماتے ہیں احتمال ہے کہ خاص سیئات کا اثر صرف اس پر ہو۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کے بارہ میں صرف اپنی کمائی ملے گی، یعنی کسی کو دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا۔ کسی کو ایصال ثواب کرنا بھی تو انسان کی سعی ہے جب اس کا ایصال کردہ ثواب مردہ کو مل جائے تو ایصال کنندہ کو اپنی سعی مل گئی۔

عقیدہ نمبر ۹۰:۔

قولہ: وَاللّٰہُ تَعَالٰی یَسْتَجِیْبُ الدَّعَوَاتِ وَیَقْضِی الْحَاجَاتِ۔

ترجمہ:۔اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور حاجات کو پورا کرتا ہے۔

شرح:۔ارشاد باری ہے۔

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن/۶۰)

ترجمہ:۔اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ/۱۸۶)

ترجمہ:۔اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے۔

دعا جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے قوی سبب ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ یا قطع رحمی کے متعلق نہ ہو۔ ارشاد ہے تمہارا رب بڑا باحیاء اور کریم ہے جب بندہ اس کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے تو اسے ان کو خالی واپس کرتے ہوئے حیاء آتی ہے۔ دعا کی مقبولیت کے لیے ضروری اشیاء صدق، خلوص قلب اور حضور قلب ہے۔ اور حرام خوراک و پوشاک سے بچاؤ ہے۔ ارشاد ہے دعا مانگو لیکن قبولیت کے یقین کے ساتھ جو دعا نہیں مانگتا اس پر اللہ کو غصہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے مانگنے کے لئے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ ؎

الرَّبُّ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ

وَبَنِيُ آدَمَ حِيْنَ يُسأَلُ يَغْضَبُ

ابن عقیل ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعا کی طرف چند وجوہ کی بناء پر بلاتا ہے

(۱) الوجود:۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے غیر موجود سے کوئی نہیں مانگتا۔

(۲) الغنیٰ:۔ وہ غنی ہے فقیر سے کوئی نہیں مانگتا۔

(۳) السمع:۔ وہ سنتا ہے بہرے سے کوئی نہیں مانگتا۔

(۴) الکرم:۔ سخی ہے بخیل کو کوئی نہیں پکارتا۔

(۵) الرحمۃ:۔ سنگ دل کی طرف کوئی حاجت لے کر نہیں جاتا۔

(۶) القدرۃ:۔ عاجز سے کوئی نہیں مانگتا۔

مقبولیت دعا کا معنیٰ:۔

کبھی دعا بعینہ پوری ہو جاتی ہے۔ کبھی اس کی جگہ دوسری چیز مل جاتی ہے۔ کبھی دعا کی برکت سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔ کبھی آخرت کے لیے ذخیرہ ہو جاتی ہے۔ کچھ بھی نہ ہو تو دعا خود ایک عبادت والا عمل ہے اور ہر عبادت پر اللہ اجر عطا فرماتے ہیں۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ سے مانگنی چاہیے۔

کافر کی دعا:۔

جمہور کے نزدیک کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمَادُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ (المؤمن/

اس لئے کہ وہ اللہ سے دعا کرتا ہی نہیں اس کو اللہ کی معرفت حاصل نہیں۔

سوال:۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی دعا قبول ہو جاتی ہے ۔اِنَّ دعوۃَ الْمظلومِ واِن کانَ کافراً یُستَجابُ ۔

جواب:۔ کافر سے مراد اصطلاحی کافر نہیں بلکہ کفران نعمت ہے۔ یعنی مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے اگر چہ وہ کفران نعمت کرتا ہو۔

سوال:۔ ابلیس بڑے کافر کی دعا قبول ہوئی ہے تو اور کافروں کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ ابلیس نے کہا ''رَبِّ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ

فرمایا: فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (الحجر/۱۵) تجھے مہلت دی گئی۔

جواب:۔ پوری اور مکمل دعا وہ ہے جو دنیا و آخرت میں نفع بخش ہو۔ کفار کی دعا

صرف دنیا میں کبھی قبول ہو جاتی ہے۔ضروری نہیں کہ ہر کافر کی دعا قبول ہو۔آخرت کے اعتبار سے ان کی دعا بالکل نفع بخش نہیں ہے۔حالانکہ اصل آخرت ہے۔

عقیدہ نمبر ۹۱:۔

قولہ: وَيَمْلِكُ كُلَّ شَيْءٍ وَلَا يَمْلِكُهُ شَيْءٌ وَلَا غِنَىٰ عَنِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنَىٰ عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَقَدْ كَفَرَ وَصَارَ مِنْ اَهْلِ الْحِيْنِ۔

ترجمہ:۔اور ہر چیز کا مالک ہے اور کوئی اس کا مالک نہیں۔اور ایک لحہ کے لئے اللہ سے بے نیازی نہیں ہے اور جو ایک لحہ کے لیے اللہ سے بے نیاز ہوا وہ کافر ہو گیا اور اہل ہلاکت میں سے ہو گیا۔

شرح:۔انسان اللہ کا مملوک ہے۔ہر لحہ اس کی طرف محتاج ہے کسی لحہ کے لئے اس کی مملوکیت سے نکل نہیں سکتا۔اگر کوئی شخص تھوڑی دیر کے لئے بھی خود کو اللہ سے مستغنی سمجھے تو کافر ہو گیا کیونکہ اللہ کی صفات یعنی مالکیت سے انکار لازم آتا ہے۔ انکار میں دوام ہو یا تھوڑی دیر کے لئے دونوں کفر ہیں۔از سر نو توبہ کرے گا۔ایک صاحب تقریباً تین سو میل کا سفر طے کر کے ہمشیرہ کے گھر پہنچا۔بہن سے کہنے لگا کہ پیر صاحب نے پہنچا دیا۔بہن نے برجستہ جواب دیا کہ کیا اللہ چھٹی پر تھے؟ ہر دم ہر قدم اللہ کی طرف ہر کام میں احتیاج کا اظہار ضروری ہے۔

عقیدہ نمبر۹۲:۔

قولہ: وَاللّٰہُ یَغْضَبُ وَیَرْضیٰ لَا کَاَحَدٍ مِنَ الْوَرٰی۔

ترجمہ:۔ اور اللہ غضب ناک ہوتا ہے اور راضی ہوتا ہے مخلوق میں سے کسی کی طرح نہیں۔

شرح:۔ اللہ تعالیٰ غضب ناک بھی ہوتے ہیں اور راضی بھی ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ (التوبہ/۱۰۰) ترجمہ:۔ اللہ راضی ہوا ان سے

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (الفتح/۱۸)

ترجمہ:۔ تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے۔

مَنْ لَعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ (المائدہ/۶۰)

ترجمہ:۔ وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا۔

وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰہِ (آل عمران/۱۱۲)

ترجمہ:۔ اور کمایا انہوں نے غصہ اللہ کا۔

غضب، رضا، عداوت، ولایت، حب اور بغض اللہ کی صفات ہیں۔ جس طرح دیگر صفات میں نفی اور تشبیہ صحیح نہیں اسی طرح غضب اور رضا کی نفی یا تشبیہ صحیح نہیں۔ وہ اپنی شان کے مطابق غصہ بھی کرتا ہے اور ناراض بھی ہوتا ہے۔ اللہ کو مخلوق پر قیاس کرنا

صحیح نہیں۔اسی قیاس کی وجہ سے کوئی ان صفات کی نفی کرتا ہے۔کوئی تشبیہ دیتا ہے حالانکہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔

عندالبعض رضا سے مراد احسان کا ارادہ ہے اور غضب سے مراد انتقام کا ارادہ ہے۔بعض اس تاویل کو پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ تاویل بھی صفت کی نفی ہے۔

عقیدہ نمبر۹۳:۔

قولہ:وَنُحِبُّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا نُفَرِّطُ فِیْ حُبِّ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَانَتَبَرَّأُ مِنْ اَحَدٍمِنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُّبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ وَلَانَذْكُرُهُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ وَحُبُّهُمْ دِيْنٌ وَاِيْمَانٌ وَاِحْسَانٌ وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْيَانٌ۔

ترجمہ:۔اور ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں افراط سے کام نہیں لیتے۔اور نہ ان میں سے کسی سے برأت ظاہر کرتے ہیں۔اور جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور جو بغیر حق کے ان کو یاد کرتا ہے۔اور ہم ان کا ذکر نہیں کرتے مگر خیر کے ساتھ۔اور ان کی محبت دین،ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض کفر،نفاق اور طغیان ہے۔

شرح:۔اس عقیدہ میں شیعہ روافض اور نواصب کا رد ہے اور ہر اس شخص کا رد ہے جو صحابہ کرامؓ پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے صحابہ

کرامؓ کی تعریف کی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اچھا وعدہ کیا ہے۔اصول حدیث والوں نے تو بات ہی صاف کردی کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔جس کی صحابیت ظاہر ہوجائے تو پھر روایت قبول کرنے کے لیے مزید چھان بین کی ضرورت نہیں پورا دین ہم تک اس مقدس گروہ کے ذریعہ پہنچا ہے۔اگر ان پر کسی نے الزام لگایا تو پورا قرآن وحدیث بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا۔ان پر انگلی اُٹھانا حضورﷺ پر الزام لگانا ہے۔ان کو آپﷺ کی صحبت حاصل ہے آپﷺ کے تربیت یافتہ ہیں۔ایمان وعمل میں بقیہ لوگوں کے لئے معیار بن گئے ہیں۔دینا میں کون ہے جو لوگوں سے کہیں کہ ہم جیسے ہو جاؤ یہ جرأت صرف صحابہ کرام نے کی ہے۔نبی کریمﷺ کی فعلی تعلیم کے کافی حصہ کی تکمیل صحابہ کرامؓ کے ذریعہ ہوئی ہے۔کیونکہ حضورﷺ کی فعلی تعلیمات میں بعض امور آپﷺ کی ذات کے مناسب نہ تھے اس لیے ان کا صدور آپﷺ سے نہیں ہوا۔مثلاً چوری اور زنا اگر صحابہ کرام کے ذریعہ ان کا عملی ظہور نہ ہوتا تو چور اور زانی کی عملی سزا کا کسی کو پتہ نہ چلتا۔صحابہ کرامؓ کی تعریف میں علماء کرام نے مختلف کتابیں لکھی ہیں۔بندہ کا بھی مقام صحابہؓ کے نام سے ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ/۱۰۰)

ترجمہ:۔اور جولوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جوان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔اور تیار کرر کھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی۔

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح/۲۹)

ترجمہ:۔اور جو اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے گا ان کو رکوع میں اور سجدہ میں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح/۱۸)

ترجمہ:۔تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (الانفال/۷۲)

ترجمہ:۔جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے

رفیق ہیں۔

لَایَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَعَدَاللّٰهُ الْحُسْنیٰ (الحدید/۱۰)

ترجمہ:۔ برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور لڑائی کی ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں، اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْکَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر/۹)

ترجمہ:۔ اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے میرے صحابہؓ کو گالی نہ دو اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا خرچ کریں ان کے ایک مد یا نصف مُد تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایک حدیث میں آتا ہے اصحاب محمد ﷺ کو گالیاں نہ دو، ان کی نبی ﷺ کے ساتھ ایک ساعت کی صحبت تمہارے چالیس سال کے نیک عمل سے بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے پھر ان کے ساتھ ملا ہوا زمانہ پھر اس کے ساتھ ملا ہوا زمانہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے زمانے والے حضرات ہیں صحابہ کرام کی وجہ سے زمانہ خیر و برکت والا ہو گیا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اللہ نے لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد ﷺ کے دل کو تمام لوگوں کے دلوں میں بہتر پایا۔ اس کو اپنے لیے چُن لیا اور اس کو رسول بنایا۔ پھر بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو صحابہ کرام کے دلوں کو لوگوں میں بہتر پایا

پس ان کو اپنے نبی ﷺ کے لیے وزراء بنا دیا۔ صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع اللہ کے انتخاب پر اعتراض ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں "اِخْتَارَ لِی أَصْحَاباً وَأَنْصَاراً وَأَصْهَاراً" میرے لئے اللہ نے اصحاب، انصار اور سسرال کا انتخاب کیا ہے بندوں کے انتخاب پر کوئی اعتراض کرے تو نا قابل برداشت بن جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں کچھ کہنا ایسا ہے جیسے عیاذ أباللہ اللہ نے اپنے انتخاب میں غلطی کی ہے۔ اس سے زیادہ کون بد بخت ہوگا جو امت کے بہترین اشخاص پر اعتراض کرے یہود سے کہا گیا کہ تمہاری ملت میں بہترین لوگ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ اصحاب موسیٰ علیہ السلام۔ نصاریٰ سے کہا گیا کہ تمہاری ملت میں بہتر لوگ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ اصحاب عیسیٰ علیہ السلام۔ جب روافض سے کہا گیا کہ تمہاری ملت میں بدترین افراد کون ہیں تو کہا کہ اصحاب محمد ﷺ۔ صرف چند صحابہ کرامؓ کا استثناء کیا ہے۔ حالانکہ جن صحابہ کرام کو برا بھلا کہا ہے وہ کئی گنا افضل ہیں ان صحابہ کرام سے جن کو روافض تسلیم کرتے ہیں۔

ولا نفرِط فی حبِّ احدٍ منهم :۔ صحابہ کرام سے ہم محبت کرتے ہیں لیکن افراط سے کام نہیں لیتے مثلاً شیعوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے مقام سے بہت زیادہ بڑھایا ہے۔ یہ غلو فی الدین ہے۔ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے آگے خدا کے درجہ تک پہنچا دیا۔

وَلا نتبرأ من احدٍ منهم :۔ کسی صحابی سے روافض کی طرح برائت

بھی صحیح نہیں۔ بعض بدبختوں نے شیخین سے برأت کی۔ اہل السنۃ والجماعۃ سب صحابہ کرام کو دوست رکھتے ہیں اور ہر ایک کو اپنا اپنا مقام ومرتبہ دیتے ہیں۔

وَحُبُّهُمْ دِيْنٌ وَاِيْمَانٌ:۔ صحابہ کرام کی محبت دین وایمان ہے کیونکہ ان سے محبت نصوص کی پیروی ہے۔ ترمذی کی روایت ہے میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت کی اس نے میری عداوت کی نظر سے ان سے عداوت کی، جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی، جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی جس نے اللہ کو تکلیف دی قریب ہے کہ اس کی پکڑ ہو جائے۔

وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ:۔ صحابہ کرام کے ساتھ بغض کفر ہے۔ اہل بدعت کی تکفیر کا مسئلہ گزر چکا ہے۔

عقیدہ نمبر ۹۴:۔

قولہ: وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَوَّلاً لِاَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ تَفْضِيْلاً لَهٗ وَتَقْدِيْماً عَلٰى جَمِيْعِ الْاُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ ثُمَّ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ثُمَّ لِعَلِيٍّ وَهُمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَالْاَئِمَّةُ الْمُهْتَدُوْنَ۔

ترجمہ:۔ اور ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد اولاً خلافت کو حضرت ابوبکر صدیقؓ

کے لئے ثابت کرتے ہیں ان کو تمام امت پر فضیلت اور فوقیت دیتے ہوئے۔ پھر حضرت عمر بن الخطابؓ کے لئے پھر حضرت عثمان بن عفانؓ کے لئے پھر حضرت علیؓ کے لئے۔ اور یہ خلفائے راشدین اور ائمہ مہتدین ہیں۔

شرح:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بلافصل ہیں۔ چاروں حق ائمہ اور خلفاء ہیں۔ عقل بھی کہتی ہے کہ ابوبکرؓ کی خلافت سب سے مقدم ہونی چاہیے کیونکہ اُن کا انتقال خلفائے راشدین میں پہلے ہوا ہے۔ اگر ان کی خلافت کو اولاً اور بلافصل نہ مانا جائے تو پھر کب وہ خلافت کرتے۔ جس ترتیب کے ساتھ دنیا سے گئے ہیں اس ترتیب کے ساتھ سب کو خلافت ملی ہے۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ ان کی خلافت نص سے ثابت ہے یا اختیار سے یعنی لوگ اپنی طرف سے کسی کو خلیفہ بنادیں۔ حسن بصریؒ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کے نزدیک نصوص میں خفی اشارات کی وجہ سے ثابت ہے۔ بعض کے نزدیک صریح نصوص سے ثابت ہے بعض کے نزدیک نص سے ثابت نہیں بلکہ اختیار سے ثابت ہے۔ اثبات خلافت بالنص کے لئے احادیث موجود ہیں۔ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی آپ ﷺ نے فرمایا پھر آنا۔ اس نے کہا اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو۔ یعنی اگر آپ ﷺ انتقال کر جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس آنا۔ یہ آپؓ کی امامت پر نص ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مُرُوْا اَبَابکرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ" ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کی

امامت کرائے۔ آپ ﷺ خود بھی حضرت ابوبکرؓ کو کہہ سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اپنا حکم ظاہر کیا تا کہ کوئی اختلاف کی گنجائش ہی نہ رہے۔ اور سب کو پتہ چل جائے کہ آپؓ نے حضور ﷺ کے حکم سے امامت کرائی ہے۔ آپ ﷺ نے برسر منبر فرمایا اگر میں کسی کو اہل زمین میں سے اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ مسجد میں ابوبکرؓ کے خوخہ (چھوٹا دروازہ) کے علاوہ تمام خوخے بند کردو۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ پوچھا کسی نے خواب دیکھا ہے تو ایک آدمی نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے آسمان سے ایک ترازو نازل ہوا اس میں آپ ﷺ کا اور حضرت ابوبکرؓ کا وزن کیا گیا آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ پر بھاری نکلے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکرؓ بھاری نکلے، پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا وزن کیا گیا تو حضرت عمرؓ بھاری نکلے پھر ترازو اُٹھالیا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے چہرے پر ناگواری دیکھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نبوت والی خلافت ہے اس کے بعد اللہ جس کو چاہیں حکومت عطا کردیں۔ اس خواب میں حضرت علیؓ کا ذکر نہیں ہے کیونکہ آپؓ کی خلافت میں لوگوں کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ سمرۃ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! گویا آسمان سے ایک ڈول نازل ہوا حضرت ابوبکرؓ آئے اور ڈول کے منہ کی لکڑی پکڑی اور تھوڑا سا پانی پیا۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور ڈول کے منہ کی لکڑی پکڑ کر اتنا پانی پیا کہ شکم سیر ہوگئے۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور ڈول کے منہ کی لکڑی پکڑ کر شکم سیر ہوکر پانی پیا۔ پھر حضرت علیؓ آئے اور ڈول کے منہ کی لکڑی پکڑی اور وہ چھوٹ گئی اور کچھ پانی آپؓ پر گرا ﴿ حضرت ابوبکرؓ نے پانی کم پیا کم

خلافت کی طرف اشارہ ہے جو ڈھائی سال کے قریب ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے زیادہ پانی پیا ان دونوں کی مدت خلافت زیادہ ہے حضرت عمرؓ کی خلافت ساڑھے دس سال اور حضرت عثمانؓ کی بارہ سال تھی۔ حضرت علیؓ نے پانی نہ پی سکے اشارہ ہے کہ آپؓ کی خلافت کے زمانے میں اختلاف پیدا ہوگا﴾ (نعمانی) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نبوت والی خلافت تیس سال تک ہوگی پھر بادشاہت شروع ہوجائے گی۔ چنانچہ خلفائے راشدین کا زمانہ اتنا ہی بنتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خلافت خبر ماثور کے ساتھ ثابت نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی کو خلیفہ بناؤں تو مجھ سے بہتر یعنی حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ بنایا ہے (حضرت عمر حضرت ابوبکرؓ کی تفویض سے خلیفہ بنے تھے) اور میں اگر کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو بھی ٹھیک ہے اس لیے کہ مجھ سے بہتر یعنی حضرت محمد ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔

ثمّ لعمر بن الخطابؓ:۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں۔ اور ان کو خلافت حضرت ابوبکرؓ کی تفویض اور بقیہ امت کے اتفاق سے ملی ہے۔ آپؓ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ محمد ابن الحنفیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا حضور ﷺ کے بعد بہتر کون ہے؟ فرمایا کہ اے بیٹے! کیا تجھے معلوم نہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ ابوبکرؓ میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا کہ عمرؓ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرو۔ حضور ﷺ سے کئی مرتبہ سنا گیا کہ میں، ابوبکرؓ اور عمرؓ آئے، میں، ابوبکرؓ اور عمرؓ داخل ہوئے، میں، ابوبکرؓ اور عمرؓ نکلے (یعنی حضور ﷺ ان دونوں کا تذکرہ کرتے تھے۔)

حضورﷺ کا فرمان ہے کہ تم سے قبل امتوں میں محدَّثون ہوا کرتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدَّث ہوتا تو تم میں سے حضرت عمرؓ ہوتا۔ ابن وہبؒ فرماتے ہیں محدَّثون کا معنیٰ "مُلھَمُون" ہے (جن کو الہام ہوتا ہے)

ثم لعثمانؓ:۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت ثابت ہے ۔حضرت عمرؓ نے شوریٰ کو حضرت عثمانؓ کی بیعت کے لئے کہا۔ آپؓ کو ذوالنورین کہتے ہیں ۔آپؓ کے نکاح میں حضورﷺ کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں تھیں ۔حضورﷺ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح ان سے کرایا تھا ان کے انتقال کے بعد ام کلثومؓ کا نکاح کرایا۔ جب ان کا بھی انتقال ہوا تو فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا بھی نکاح کرا دیتا۔ آپؓ اتنے حیادار تھے کہ فرشتوں کو بھی آپؓ سے حیاء آتی تھی ۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورﷺ گھر میں لیٹے ہوئے تھے آپﷺ کی ران یا پنڈلی کھلی ہوئی تھی ۔حضرت ابوبکرؓ نے اجازت چاہی آپﷺ نے اجازت دی اور آپﷺ اسی حالت میں تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے داخلہ کی اجازت چاہی تو آپﷺ نے اجازت دی اور آپﷺ اسی حالت میں تھے اور بات چیت فرمارہے تھے ۔پھر حضرت عثمانؓ نے اجازت چاہی تو آپﷺ بیٹھ گئے اپنے کپڑے درست فرمائے حضرت عثمانؓ داخل ہوئے اور بات چیت ہونے لگی ۔پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کی شیخین کے آنے پر آپ نے ان کی پرواہ نہیں کی اور حضرت عثمانؓ کے داخلہ کے وقت آپﷺ بیٹھ گئے اور کپڑے درست فرمالئے ۔تو آپﷺ نے فرمایا کیا میں اس شخص سے حیاء نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء

کرتے ہیں۔ بیعت رضوان کے موقع پر چونکہ حضرت عثمانؓ مکہ میں تھے آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ فرمایا کہ یہ حضرت عثمان کا ہاتھ ہے پھر اس پر اپنا ہاتھ مارا اور کہا کہ یہ بیعت حضرت عثمانؓ کے لئے ہے۔

ثمّ لعلیؓ:۔ حضرت عثمانؓ کے بعد ہم حضرت علیؓ کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں۔ قتل عثمانؓ کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واجب الطاعۃ حق امام بن گئے۔ آپؓ کی خلافت بھی نبوت والی خلافت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت دو سال تین ماہ تھی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال چھ ماہ تھی، حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال تھی۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت چار سال چھ مہینے تھی اور آپؓ کے بیٹے حضرت حسنؓ کی خلافت چھ ماہ تھی۔ پھر حضرت معاویہؓ بہترین بادشاہ بن گئے حضرت حسنؓ نے جب ان کو خلافت سونپ دی تو امام برحق بن گئے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر تمام صحابہ کرامؓ نے بیعت کی صرف حضرت معاویہؓ اور اہل شام نے بیعت نہیں کی۔ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ شہادتِ عثمانؓ کے بعد ایک شورش برپا تھی۔ اہل شام کے پاس غلط خبریں اور غلط افواہیں پہنچنے لگیں اس لئے وہ بھی خود کو حق پر سمجھتے تھے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے تیری مثال میرے لئے ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارونؑ، بات صرف اتنی ہے کہ میرے بعد نبی نہیں یوم خیبر کے موقعہ پر آپ ﷺ نے جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا اور آپ کے ہاتھ خیبر فتح ہوا۔ مباہلہ کے موقعہ پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ، بی بی فاطمہؓ، حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کو بلا کر فرمایا "اللھمّ ھؤلاءِ اھلی" یا اللہ یہ میرا خاندان ہے۔

وھم خلفاء الراشدون والائمة المھتدون:۔ ان چاروں خلفاء کی اللہ تعالیٰ نے حق کی طرف رہنمائی کی تھی۔اور حضور ﷺ نے فرمایا تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔یعنی بعد والے دیگر دینی امور کے علاوہ خلافت وحکومت میں جس خلیفہ کی پیروی کریں وہ شریعت کے مطابق ہوگی۔خواہ وہ پیروی طریقہ انتخاب کی ہو یا طرز حکومت کی ہو۔یا ان کے اختلافات کی پیروی ہو وہ سب حق پر تھے۔ان کا آپس کا اختلاف بھی حق پر تھا۔اگر ان کے آپس میں بعض اختلافات نہ ہوتے تو بعد والے اختلافات کی صورت میں کس کی پیروی کرتے۔

عقیدہ نمبر ۹۵:۔

قولہ: وَاِنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِیْنَ سَمَّاھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَبَشَّرَھُمْ بِالْجَنَّةِ نَشْھَدُ لَھُم بِالْجَنَّةِ عَلٰی مَاشَھِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَقَوْلُہُ الْحَقُّ وَھُمْ اَبوبَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثمانُ وَعَلِیٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبیرُ وَسَعدٌ وَسَعِیدٌ وَعبدُالرَّحمٰنِ بْنُ عَوفٍ وَاَبُوعُبَیدَةَ ابْنُ الجَرَّاحِ وَھُوَ اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ:۔اور وہ دس حضرات جن کے رسول اللہ ﷺ نے نام لئے اور ان کو جنت کی بشارت دی ہے۔ان کے لئے ہم حضور ﷺ کی گواہی کے مطابق

جنت کی گواہی دیتے ہیں۔اور آپ ﷺ کا قول حق ہے اور وہ ابوبکر، عمر عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف اور امین الامت ابوعبیدۃ بن الجراح ہیں اللہ ان سب سے راضی ہو۔

شرح:۔ خلفائے راشدین کے علاوہ ان چھ صحابہ کرام کے بھی الگ الگ فضائل ہیں ان کی مشترکہ سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ سب کے لئے حضور ﷺ نے نام لے کر جنت کی گواہی دی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ چھ حضرات بھی بقیہ لوگوں کے لئے معیار کامل ہیں۔حضور ﷺ نے تو گواہی دی ہے ان کی فضیلت ثابت ہوگئی لیکن ہم بھی بحیثیت مسلمان حضور ﷺ کی طرح ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیں گے تاکہ ہمارے نزدیک بھی ان کا مقام اور معیار حق ہونا ثابت ہوجائے۔سعد بن وقاص ؓ کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں حضرت طلحہؓ کا ہاتھ حضور ﷺ کی دفاع میں اُحد کے موقعہ پر شل ہوگیا تھا۔طلحہؓ اور سعدؓ اس موقعہ پر ساتھ تھے۔حضور ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے میری امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہے۔ان دس صحابہ کرام کے فضائل اور مناقب کی وجہ سے اہل سنت نے ان کی تعظیم اور تقدیم پر اتفاق کیا ہے۔

روافض عشرہ مبشرہ کی جگہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔حضرت علی، حسنؓ، حسینؓ، علی بن الحسین زین العابدینؒ، محمد بن علی الباقرؒ، جعفر بن محمد الصادقؒ، موسی بن جعفر الکاظمؒ علی بن موسیٰ الرضیؒ، محمد بن علی الجوادؒ، علی بن محمد الھادیؒ، حسن بن علی العسکریؒ، محمد بن

الحسنؒ۔ یہ لوگ ان کی محبت میں غلو کرتے ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۹۶:۔

قولہ: وَمَنْ اَحْسَنَ الْقَوْلَ فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ مِنْ كُلِّ دَنَسٍ وَذُرِّيَّاتِهِ الْمُقَدَّسِيْنَ مِنْ كُلِّ رِجْسٍ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ۔

ترجمہ:۔ اور جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور ازواج مطہرات اور ذریات کی شان میں گفتگو اچھی رکھے گا وہ نفاق سے بری ہے۔

شرح:۔ صحابہ کرام کے فضائل تو گزر چکے ہیں۔ ان کی طرح ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی اولاد کے بھی فضائل ہیں۔ جس طرح صحابہ کرام کی محبت اور اُن کے فضائل کو تسلیم کرنا ضروری ہے اسی طرح آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور مقدس اولاد کو بھی ان کے فضائل کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ یہ مقدس خاندان ہے۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ ازواج مطہرات تو امت کی مقدس مائیں ہیں۔ ان کے ساتھ امتی کا نکاح ناجائز ہے۔ آپ ﷺ کے صحابہ، ازواج مطہرات اور اولاد کے بارے میں اچھی گفتگو نفاق سے بری ہونے کی علامت ہے۔ اگر کوئی ان کے بارے میں اپنی زبان گندی کرے تو یہ نفاق کی علامت ہے۔ یہ سب حضرات ہر قسم کی گندگیوں اور پلیدیوں سے پاک تھے۔ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں یاد دلاتا ہوں، فرمایا اہل بیت کے بارے میں محمد ﷺ کا

خیال رکھو۔ یعنی اگر کسی نے اہل بیت کے بارے میں ایسی ویسی بات کہی تو آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ گویا اہل بیت کے بارے میں کچھ کہنا آپ ﷺ کے بارے میں کہنا ہے۔ بڑے ادب کا مقام ہے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو نہ بلاواسطہ ایذا دو نہ بالواسطہ۔ روافض کی بنیاد عبداللہ بن سباء منافق اور زندیق ہے جس نے دین اسلام کی بیخ کنی کا قصد کیا تھا۔ اپنا اسلام صرف اس لیے ظاہر کیا کہ اپنے مکر اور خبائث کے ساتھ دین اسلام کو نقصان پہنچائے۔ جس طرح پولوس نے عیسائیت کو نقصان پہنچایا۔ عبداللہ بن سباء نے شہادتِ عثمان اور اس فتنہ میں حصہ لیا پھر کوفہ آیا اور حضرت علیؓ کے بارے میں غلو سے کام لیا تا کہ اپنے غلط اغراض میں کامیاب ہو۔ حضرت علیؓ کو پتہ چلا تو اس کو قتل کرنا چاہا لیکن وہ بھاگ گیا۔ خوارج اور شیعہ اس رفض کے پیداوار ہیں پھر غلط عقائد گھڑ لئے جن میں صحابہ کرام سے تبری بھی شامل ہے۔

عقیدہ نمبر ۹۷:۔

قولہ: وَعُلَمَآءُ السَّلَفِ مِنَ السَّابِقِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِيْنَ اَهْلُ الْخَيْرِ وَالْاَثَرِ وَاَهْلُ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ لَا يُذْكَرُوْنَ اِلَّا بِالْجَمِيْلِ وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوْءٍ فَهُوَ عَلٰى غَيْرِ سَبِيْلٍ۔

ترجمہ:۔ اور علماء سلف صالحین یعنی صحابہ کرام اور تابعین اور جو ان کے بعد اہل خیر اور اہل حدیث میں سے اور اہل فقہ اور اہل نظر (مجتہدین) بھلائی کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔ اور جو ان کا برائی کے ساتھ ذکر کرے گا وہ حق راستے کے غیر پر ہے۔

شرح:۔ دین اور دینداری میں ہمارے لئے واسطہ علمی وعملی صحابہ کرام، تابعین اور مجتہدین عظام ہیں۔ یعنی خیرالقرون والے۔ یہ حضرات پوری امت کے محسنین ہیں۔ ان کے واسطہ سے بقیہ لوگ صحیح علمی وعملی سفر کررہے ہیں۔ اگر یہ صحیح اور مقدس واسطہ نہ ہوتا تو قیامت تک کے لوگوں کے لئے علمی وعملی نمونے نہ ہوتے، نتیجہ گمراہی ہوتا۔ جس طرح نعمت کا شکریہ ضروری ہے اسی طرح واسطہ فی النعمۃ کا شکریہ بھی ضروری ہے۔

اَنِ اشۡکُرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیۡکَ (لقمان/۱۴)

ترجمہ:۔ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا،

اللہ فرماتے ہیں کہ میرا اور والدین کا شکریہ ادا کرو حالانکہ والدین وجود کی نعمت میں ایک واسطہ ہیں۔ اصل منعم اللہ کی ذات ہے۔ تو قرآن وحدیث ایک عظیم نعمت ہے یہ نعمت ہمیں خیرالقرون والوں کے واسطہ سے ملی ہے جس طرح دین اسلام جیسی عظیم نعمت کا شکریہ ضروری ہے اسی طرح اس نعمت کے مبلّغین کا شکریہ ضروری ہے۔

اس عقیدہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقدس دین میں مقدس رجال کا واسطہ ضروری ہے کیونکہ قرآن وحدیث خود ناطق نہیں بلکہ قرآن کو سمجھانے والے صحابہ کرام، تابعین اور مجتہدین ہیں۔ ان کی بُرائی بیان کرنا نمک حرامی ہے کیونکہ ان واسطوں کے ذریعہ ہم نے اسلام کو پڑھا اور سمجھا۔ جب استعداد پیدا ہوگئی تو اب کیوں بدگمانی کریں۔ جس وقت سیکھنے کے عمل سے گزر رہا تھا تو ان پر مکمل اعتماد تھا کہ انہوں نے جو تشریح کی ہے وہ صحیح ہے لیکن استعداد پیدا ہونے کے بعد ان کے افکار

وخیالات اور آراء میں کیڑے نکالتے ہیں۔دنیا کا کوئی فن بغیر استاذ کے سیکھنا مشکل ہے استاذ قابل احترام بن جاتا ہے۔استاذ کی شاگرد تعریف کرتا ہے، بُرائی بیان کردے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا استاذ قابل اعتماد نہیں تو پھر شاگردی اس کی کیوں اختیار کی۔ان کے چلے جانے کے بعد یوں دعا مانگی جائے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر/۱۰)

ترجمہ:۔اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بَیر ایمان والوں کا، اے رب! تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔

سلف صالحین میں اہل خیر، اہل حدیث اور اہل فقہ داخل ہیں۔کوئی اہل حدیث کو مانتا ہے اور اہل فقہ کو نہیں مانتا۔کوئی اہل فقہ کو مانتا ہے تو اہل حدیث کو نہیں مانتا سب اہل خیر اور محسنین ہیں۔الگ الگ لحاظ سے ہر ایک نے دین کی خدمت کی ہے اگر اہل حدیث نے حدیث کے ذخیرہ کی بہترین خدمت کی ہے تو اہل فقہ نے معانی اور علل کی خدمت کی ہے۔دونوں کی خدمات کی وجہ سے دین اسلام پر چلنا آسان ہوگیا ہے۔یوں سمجھو کہ اہل حدیث نے دین اسلام پہنچایا اور اہل فقہ نے دین اسلام سمجھایا۔اور اہل خیر اور صوفیاء نے دین اسلام پر چلایا۔جو شخص ان کا بُرائی سے ذکر کرتا ہے تو یہ ان کے راستے پر نہیں۔ان سلف صالحین کا راستہ اجماعی راستہ ہے اس کو

چھوڑنا خطرناک ہے۔ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَ تْ مَصِيْراً(النساء/۱۱۵)

ترجمہ:۔اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کردیں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور بہت بُری جگہ پہنچا۔

مسلمانوں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ مؤمنین کی دوستی بھی ضروری ہے، خاص کر حضور ﷺ کے ورثاء کی جو بقیہ امت کے لئے ہدایت کے ستارے ہیں۔ ہاں اگر ان حضرات سے غلطی ہوجائے اور معلوم ہوجائے تو پھر اس میں پیروی نہ کرے۔

عقیدہ نمبر ۹۸:۔

قولہ: وَلَانُفَضِّلُ اَحَداً مِنَ الْاَوْلِيَآءِ عَلٰى اَحَدٍ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَنَقُوْلُ نَبِيٌّ وَاحِدٌ اَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ الْاَوْلِيَآءِ۔

ترجمہ:۔اور ہم کسی ولی کو انبیاء پر فضیلت نہیں دیتے اور ہم کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے۔

شرح:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ کوئی امتی خواہ کتنی عبادت اورریاضت کرلے لیکن انبیاء کرام کے مرتبہ ومقام کونہیں پہنچ سکتا۔انبیاء کرام جن کمالات کے ساتھ متصف ہوتے ہیں وہ کمالات امت کے اولیاء میں نہیں ہیں (۱) انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں جبکہ اولیاء گناہوں سے محفوظ تو ہوتے ہیں لیکن معصوم نہیں ہوتے ۔(۲)انبیاء کرام کوسوءخاتمہ کااندیشہ نہیں ہوتا جبکہ اولیاء کرام کو یہ اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔(۳)انبیاء کرام پر وحی آتی ہے فرشتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اوراولیاء کی طرف وحی نہیں ہوتی (۴)انبیاء کرام اللہ کی طرف سے تبلیغ پر مامور ہوتے ہیں جبکہ اولیاء کرام انبیاء کرام کی طرف سے تبلیغ پر مامور ہوتے ہیں۔(۵)انبیاء کرام کونبوت ورسالت بلاواسطہ اللہ کی طرف سے ملتی ہے جبکہ اولیاء کرام کوولایت اللہ کی طرف بواسطہ نبی (اتباع نبی کی وجہ سے) ملتی ہے۔(۶) ولایت محنت ریاضت کے ساتھ ملتی ہے جبکہ نبوت بغیر کسی محنت کے ملتی ہے یایوں کہیے کہ نبوت وہبی ہےاور ولایت کسبی ہے(۷) محنت وریاضت سے آدمی ولی تو بن سکتا ہے لیکن نبی نہیں بن سکتا۔(۸)رسول اور نبی مطاع ہوتا ہے اور ولی مطیع ،مطیع سے مطاع بہتر ہوتا ہے۔اس عقیدہ میں اتحادیہ اور جاہل صوفیاء کارد ہے۔بعض کا خیال ہے کہ اولیاء زیادہ عبادت اور باطن کی صفائی کے ساتھ انبیاء کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ انبیاء سے افضل ہوجاتے ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ انبیاء کرام خاتم الاولیاء کے مشکوۃ سے علم باللہ حاصل کرتے ہیں۔یہ سب غلط اور خلاف شرع خیالات ہیں۔

عقیدہ نمبر۹۹:۔

قولہ: وَنُؤْمِنُ بِمَاجَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ وَصَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ۔

ترجمہ:۔اور اولیاء کرام کی ان کرامات کو مانتے ہیں جو ثقہ راویوں سے ان کی روایات کی صحت کے ساتھ ثابت ہیں۔

شرح:۔خارق عادت امور کی چار قسمیں ہیں۔اگر مدعی نبوت کے ہاتھ سے صادر ہو تو معجزہ ہے۔اگر ولی کے ہاتھ سے صادر ہو تو کرامت ہے۔اگر مؤمن کے ہاتھ سے صادر ہو تو معونت ہے۔اگر کافر، فاسق اور ملحد سے صادر ہو تو استدراج ہے اولیاء کرام کی کرامات حق ہیں ہم مانتے ہیں۔لیکن کرامت ولایت کے لیے شرط نہیں بلکہ ولایت کے لئے استقامت شرط ہے۔استقامت اصلی، معنوی اور حقیقی کرامت ہے، استقامت سے ولایت کی پہچان ہوتی ہے۔اور حسی کرامت سے ولی کی پہچان نہیں ہوتی بلکہ ولی سے حسی کرامت کی پہچان ہوتی ہے۔اگر صاحب استقامت ولی سے کوئی امر خارق ظاہر ہو تو ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کرامت ہے۔

کرامت کا ثبوت قرآن سے:۔

حضرت مریمؑ کا قصہ آل عمران میں اور اصحاب کہف کا واقعہ دلیل کرامت ہے ان کا نیند کے ساتھ زندہ رہنا اور تین سو نو سال تک آفتوں سے محفوظ رہنا ان کی کرامت تھی۔اسی طرح آصف برخیا کا تخت بلقیس کو سینکڑوں میل دور سے پلک جھپکنے

میں حاضر کرنا ان کی کرامت تھی۔

احادیث سے ثبوت:۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ گہوارہ میں صرف تین شخصوں نے بات کی ہیں۔ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام،اور ایک بچے نے جریج جوگی کے زمانے میں اور ایک اور بچے نے۔عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مشہور ہے۔جریج پر ماں کی نافرمانی کی وجہ سے زنا کا الزام لگا۔زنا سے پیدا شدہ بچے نے اپنا باپ ایک چرواہا بتلایا۔تیسرے بچے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کی گود میں بچہ تھا۔عورت نے ایک خوبصورت طاقتور نوجوان کو دیکھ کر کہا یا اللہ! میرے بیٹے کو ایسا بنایئے۔بچہ بولا اللہ! مجھے ایسا نہ بنائے۔ایک عورت گزری جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس نے زنا کیا ہے اور چوری کی ہے ماں نے کہا میرے لڑکے کو ایسا نہ بنایئے بچہ بول پڑا الٰہی مجھے ایسا ہی بنایئے۔

حدیث الغار میں بھی امور خارقہ کا ذکر ہے،تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے ہر ایک نے اپنی اپنی نیکی بیان کی جس کی وجہ سے غار کے منہ سے پتھر سرک گیا اور غار کا منہ کھل گیا۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے بہت سے پراگندہ حال غبار آلود پھٹے پرانے کپڑے والے جن کا کوئی خیال نہیں رکھتا اگر اللہ پر بھروسہ کر کے قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اسے پوری فرمادیں۔

کرامت کی قسمیں:۔

کرامت کی دو قسمیں ہیں، حسی اور معنوی۔ حسی کی تین قسمیں ہیں (۱) معلوم اور اختیاری: جیسے حضرت عمر فاروقؓ نے نیل کے نام خط لکھا تھا۔ آپ کو معلوم تھا کہ اس خط کے ساتھ دریا چل پڑے گا۔

(۲) کبھی کرامت کا علم ہوتا ہے لیکن اختیار میں نہیں ہوتا جیسے بی بی مریمؑ کے پاس جنت کا پھل آتا تھا، علم تھا لیکن اختیار میں نہ تھا۔ ارشاد ہے

اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ

(۳) کرامت کا علم بھی نہ ہو اور غیر اختیاری بھی ہو۔ مثلاً ایک شام حضرت ابو بکرؓ تین مہمانوں کو گھر لے کر آئے۔ خود حضورﷺ کے پاس تشریف لے گئے واپس آئے تو کھانے کا پوچھا مہمانوں نے آپ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے قسم کھائی کہ میں یہ کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا۔ آپ لوگ کھائیں ایک صاحب کا بیان ہے کہ جب ہم لقمہ اُٹھاتے تو وہ نیچے سے اور زیادہ بڑھ جاتا۔ ہم سب شکم سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ ہو گیا ابو بکرؓ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا اے ابن فراس کی بہن! یہ کیا بات ہے اس نے کہا یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ اب دیکھیں کہ ابو بکرؓ کو علم نہ تھا اور نہ اختیار میں تھا۔

دوسری قسم معنوی کرامت ہے جس کو استقامت کہتے ہیں یہ کرامت کی سب سے اعلیٰ قسم اور ولایت کے لئے بنیادی شرط بھی ہے۔ ابو علی الجوز جانیؒ فرماتے ہیں کہ استقامت کا طالب بن کرامت کا طالب نہ بن، نفس تجھ سے کرامت طلب کرتا ہے اور رب تجھ سے استقامت طلب کرتا ہے

کرامت کی چند اور قسمیں:۔

(۱) مردوں کو زندہ کرنا (۲) مردوں کا بات چیت کرنا (۳) دریا کا شق ہونا (۴) قلب ماہیت، زمین کا سمٹ آنا جس کو طی الارض کہتے ہیں (۵) جمادات اور حیوانات کا کلام کرنا (۶) بیماریوں کا تندرست کرنا (۷) حیوانات کا فرمانبردار ہونا (۸) وقت کا سمٹ جانا (۹) وقت کا وسیع ہونا (۱۰) مقبولیت دعا (۱۱) کسی مجلس میں دلوں کو اپنی طرف کھینچنا (۱۲) کشف سے غیبی خبر دینا (۱۳) تصرف (۱۴) دور کے مقام کو باوجود حجابات کے دیکھ لینا (۱۵) تھوڑے زمانے میں بہت کام کرنا۔ مولانا تھانویؒ کی تصنیفات اور دینی کارنامے کرامت کی یہی قسم ہے۔

معجزہ کی حقیقت:۔

معجزہ امر خارق کو کہتے ہیں یہ دراصل اللہ کی قدرت ہوتی ہے۔ اللہ کی قدرت کی دو قسمیں ہیں، عام قدرت اور خاص قدرت۔ عام قدرت کو امور عادیہ کہتے ہیں۔ خاص قدت کے ظہور کو امر خارق کہتے ہیں۔ امور عادیہ میں بندہ کو اختیار ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی اللہ کی قدرت ہے۔ مثلاً کھانا کھانے سے بھوک کا مٹنا اور پانی پینے سے پیاس کا بجھنا۔ بھوک کا مٹنا اور پیاس کا بجھنا اللہ کی قدرت سے ہے۔ امور غیر عادیہ اللہ کی خاص قدرت ہے کبھی اللہ اپنے نبی اور ولی کو یہ خاص قدرت عطا فرماتے ہیں۔ معجزہ اور کرامت جب اللہ کی قدرت ہوئی تو اس کی کوئی حد نہ ہوگی کیونکہ اللہ کی قدرت لامحدود ہے۔ ہاں اگر کوئی شی شرعاً ممنوع ہے تو وہ کرامت

نہیں ہوسکتی، مثلاً قرآن کا مثل شرعاً ممنوع ہے تو کوئی کرامت کے ساتھ قرآن کا مثل نہیں لاسکتا۔ معتزلہ کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ یہ بالکل محسوسات کا انکار ہے اور حقیقت میں باری تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر اولیاء سے خوارق کا ظہور ممکن ہو جائے تو معجزہ کے ساتھ اشتباہ پیدا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ ولی کی کرامت رسول کا معجزہ ہوتا ہے۔ کرامت ولی کے لئے بالذات ثابت نہیں ہوتی بلکہ نبی کی اتباع کی وجہ سے ملتی ہے بعض لوگ اولیاء کی بعض کرامات کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ کرامت والی امر خارق کبھی نبی کے لئے ظاہر نہیں ہوئی ہوتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ پھر تو بہت سی کرامات کا انکار لازم آئے گا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ سے فرشتے حیاء کرتے تھے حضرت عمرؓ سے شیطان ڈرتا تھا۔ جس راستے سے چلتے اس راستے سے شیطان بھاگ جاتا تھا۔ اب اگر کوئی ان کرامات کا انکار کرے کہ حضور ﷺ کے لئے ایسی باتیں نہیں تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام اور اولیاء کی تمام کرامات کا منبع ومنشا حضور ﷺ کی ذات ہے۔ ان خوارق کا ظہور صحابہ کرام اور اولیاء کرام سے ہو تو اصل کمال حضور ﷺ کا ہوا۔

کرامات کمال ہیں:۔

بعض لوگ کرامات کو کمال نہیں سمجھتے۔ کہتے ہیں کہ یہ کوئی کمال نہیں کہ ہوا میں اڑے۔ اگر یہ کمال ہوتا تو پرندے باکمال ہوتے کیونکہ سب ہوا میں اُڑتے ہیں۔ سمندر اور دریا میں چلنا کمال نہیں کیونکہ بہت سا خس وخاشاک پانی کے اوپر تیرتا ہے۔ پرندوں کا ہوا میں اڑنا کمال نہیں لیکن انسان کا اڑنا کمال ہے۔ پرندوں کا

اڑنا ان کی فطرت اور طبیعت ہے جس طرح ہم زمین پر چلتے ہیں۔ لیکن انسان اگر ہوا میں اڑے تو یہ خلاف عادت اور امر خارق ہے۔ اور امر خارق کرامت ہوتا ہے حضرت عمرؓ نے ہزاروں میل کے فاصلے سے حضرت ساریہؓ کو منبر سے آواز دی یا ساریۃ الجبل، حضرت ساریہؓ نے آواز سن لی۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ تو کمال نہیں اس لئے کہ ٹیلی فون، وائرلیس اور موبائل سے یہ ممکن ہے۔ جدید آلات سے آواز پہنچانا کرامت اور کمال نہیں لیکن بغیر آلات کے آواز پہنچنا یقیناً کرامت اور کمال ہے کرامت بعد الموت بھی ہوتی ہے تمام اولیاء کی کرامات حضور ﷺ کے بعد الموت معجزات ہیں۔

کرامت پر مبنی مسئلہ:۔

ثبوت الکرامۃ للبشر قطع۔ ہر مسلمان کو مکرم کہہ کر کرامت کا انکار محض جہل ہے فقہاء کہتے ہیں اوامر کی ادائیگی کے لئے قدرت ممکنہ شرط ہے۔ پھر اس میں تو ہم قدرت کافی ہے نہ کہ تحققِ قدرت۔ مثلاً کوئی نماز کے بالکل آخری وقت میں مسلمان ہوجائے یا صبی بالغ ہوجائے یا حائضہ پاک ہوجائے، یہ آخری وقت اتنا ہو کہ اس میں صرف تکبیر تحریمہ کی گنجائش ہو تو ان مذکورین پر نماز فرض ہے۔ وقت نکلنے کے بعد قضا نماز پڑھیں گے۔ یہاں صرف تو ہم قدرت ہے تحققِ قدرت نہیں کہ طہارت کے ساتھ وقت کے اندر پوری نماز پڑھ لیں۔ کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ خرق عادت یعنی کرامت کے طور پر اس آخری وقت میں وسعت پیدا ہوجائے اور طہارت کے ساتھ فریضہ کی ادائیگی کر سکے۔ حضرت علیؓ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے

وقت رکا تھا۔اب غور کریں کرامت ہر ایک کی نہیں ہوتی لیکن فقہاء نے مسئلہ ہر ایک کے لئے یکساں بیان کردیا کہ سب کا حکم ایک ہے تفصیل کے لئے نورالانوار دیکھئے۔

عقیدہ نمبر ۱۰۰:۔

قولہ: وَنُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَنُزُوْلِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَنُؤْمِنُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَاوَخُرُوْجِ دَابَّةِ الْاَرْضِ مِنْ مَوْضِعِهَا۔

ترجمہ:۔اور ہم قیامت کی علامات پر ایمان رکھتے ہیں یعنی دجال کا خروج اور آسمان سے عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول اور یاجوج وماجوج کا خروج پر اور ہم ایمان رکھتے ہیں سورج کے طلوع ہونے پر مغرب سے اور دابۃ الارض کے خروج پر اپنے مقام سے۔

شرح:۔قیامت کی کچھ علامات ہیں جن پر ہمارا یقین ہے۔علامات قیامت کی تین قسمیں ہیں (۱) علامات بعیدہ (۲) علامات متوسطہ (۳) علامات قریبہ حضور ﷺ کی بعثت بھی علامات قیامت سے ہے لیکن بعید علامت ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''انا والساعۃ کھاتین'' انگلیوں کے اشارہ سے فرمایا کہ میں اور قیامت قریب قریب ہیں۔کچھ علامات متوسطہ ہیں۔غالباً حدیث جبرئیل میں ان کا ذکر ہے لوگ بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے،غریب مالدار ہوجائیں گے،رزیل اور پست لوگ اوپر آجائیں گے۔بہت سی احادیث میں بہت زیادہ نشانیوں کا ذکر ہے۔اس عقیدہ میں

علامات قریبہ کا ذکر ہے جو قرب قیامت کی علامات ہیں ۔ان علامات کے ظہور کے بعد قیامت قائم ہوگی۔ان علامات کے ظہور کی جو ترتیب ہے وہ اللہ کو معلوم ہے اس میں تفویض اور توقف بہتر ہے۔البتہ بعض علماء نے یہ ترتیب بتلائی ہے۔(۱) دُخان (۲) خروج دجال (۳) نزول عیسیٰ بن مریمؑ (۴) خروج یاجوج ماجوج (۵) خروج دابہ (۶) طلوع شمس مغرب سے ۔بعض کے نزدیک اول تین خسف ہوں گے (۱) مشرق میں (۲) مغرب میں (۳) جزیرہ عرب میں ، پھر خروج دجال پھر نزول عیسیٰ ابن مریمؑ پھر خروج یاجوج ماجوج پھر ریح ، پھر طلوع شمس مغرب سے پھر خروج دابہ پھر دُخان۔

خروج دجال :۔

قوم یہود کا آدمی ہے جس کا لقب مسیح ہے ایک آنکھ کا کانا ہوگا۔اس کے ماتھے پر لکھا ہوگا ک ، ف ، ر۔ نبی ﷺ کے زمانے سے موجود ہے ظہور سے رُکا ہوا ہے ترمذی شریف میں تمیم داریؓ کی روایت میں دجال کے وجود کا قصہ مذکور ہے ۔اور ظہور کا وقت اللہ کو معلوم ہے۔اولاً شام اور عراق میں ظاہر ہوگا۔نبوت کا دعویٰ کرے گا پھر اصفہان آئے گا اور الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔ مکہ اور مدینہ کے علاوہ پوری روئے زمین پر چالیس دن میں گھومے گا۔اس کے ساتھ ایک بڑا سفید گدھا ہوگا۔استدراجاً دجال سے امور خارقہ کا ظہور ہوگا ، یہ بھی اس کا دجل ہوگا۔دجال سے قبل اولاد فاطمہؓ سے حرمین میں مہدی کا ظہور ہوگا۔اس کا حُلیہ حضور ﷺ سے مشابہ ہوگا اور اس کے اکثر اخلاق حضور ﷺ جیسے ہوں گے ۔اس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا ماں کا نام آمنہ

ہوگا۔جس وقت لوگ اس کی بیعت کریں گے اس کی عمر چالیس سال ہوگی۔خروج دجال کے وقت اس کی عمر چھیالیس یا سنتالیس سال ہوگی۔خروج دجال سے قبل تین سال سے قحط ہوگا۔دجال کے خوارق میں سے یہ ہے کہ اس کے حکم سے بارش ہوگی اور زمین پھل پیدا کرے گی۔ایک آدمی کو پکڑ کر دو ٹکڑے کرے گا پھر اس سے کہے گا زندہ ہو جا تو وہ مردہ زندہ ہوگا اور ہنسے گا اور لوگوں کے آباء اور امہات کو زندہ کرے گا۔

نزول عیسیٰؑ:۔

چوتھے آسمان سے نزول فرمائیں گے۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (الزخرف/٦١) ترجمہ:۔اور وہ نشان ہے قیامت کا۔

یعنی قیامت کی علامت ہے۔ارشاد ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء/۱۵۹)

ترجمہ:۔اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسیٰؑ پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے۔

عیسیٰ بن مریمؑ کی موت سے قبل سب اس پر ایمان لائیں گے۔پوری امت ایک امت بن جائے گی۔یعنی ملت اسلام پر آجائیں گے۔عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق شام میں شرقی مینار سے نزول فرمائیں گے۔دجال کے قتل کی طرف تشریف لائیں گے عصا کی ایک ضرب کے ساتھ دجال کو قتل کردیں گے۔عیسیٰؑ امام مہدی سے ملیں گے۔نماز کی اقامت کے بعد امام مہدی حضرت عیسیٰؑ کی طرف نماز پڑھانے

کا اشارہ کریں گے وہ اس علت کے ساتھ انکار کریں گے کہ یہ نماز تیرے لئے قائم کی گئی ہے۔ تو اس مقام میں بہتر ہے کہ امامت کرائے۔ عیسیٰؑ امام مہدی کی اس نماز میں اقتداء کریں گے تا کہ ظاہر ہو جائے کہ عیسیٰؑ بن مریم ہمارے نبی ﷺ کے تابع ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اگر عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے علاوہ گنجائش نہ ہوتی۔ عیسیٰؑ نزول کے بعد چالیس سال زندہ رہیں گے پھر انتقال کر جائیں گے۔ مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھ کر حضور ﷺ کے قریب دفن کر دیں گے۔ شیخین بڑے خوش قسمت ہیں دونوں دو انبیاء کے پہلو میں رہیں گے۔ شرح عقائد میں ہے کہ پھر اصح یہ ہے کہ عیسیٰؑ بن مریم لوگوں کو نماز پڑھائیں گے ان کی امامت کریں گے۔ اور امام مہدی ان کی اقتداء کریں گے۔ اس لئے کہ عیسیٰ بن مریمؑ افضل ہیں تو ان کی امامت اولیٰ ہوگی۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابتداء نماز حضرت مہدی پڑھائیں گے اور بقاء حضرت عیسیٰؑ۔ پھر یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا، عیسیٰؑ کی دعا کی برکت سے اللہ ان کو ہلاک کر دے گا۔ پھر مؤمن مر جائیں گے اور سورج مغرب سے نکلے گا اور قرآن اُٹھا لیا جائے گا۔

یاجوج ماجوج:۔

ارشاد ہے۔

حَتّٰىٓ اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء/۹۶)

ترجمہ:۔ اور وہ ہر اونچان سے پھسلتے چلے آئے۔

یعنی ہر جانب سے پھسل کر پھیل جائیں گے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ یہ یافث بن نوح کی اولاد سے دو قبیلے ہیں۔ ایک قول کے مطابق ماجوج ترک سے ہیں اور یاجوج جنات سے ہیں۔ بعض لوگوں سے لمبے ہیں بعض ایک بالشت کے برابر ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی ایک سو مذکر اولاد پیدا ہونے کے بعد مرے گا۔ جب روئے زمین پر انسان، حیوانات اور نباتات ختم ہو جائیں تو یہ لوگ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور کہیں کہ اب اہل آسمان کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ استدراجاً ان کے تیروں کو خون کے ساتھ رنگین کر کے لوٹائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں پھوڑا پیدا فرما دیں گے جس سے سب یک دم مر جائیں گے۔ اس زمانہ میں عیسیٰؑ اور اس کی جماعت جبل طور پر ہو گی۔

طلوع شمس مغرب سے:۔

ارشاد ہے۔

هَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا اَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْيَأْتِيَ رَبُّكَ اَوْيَأْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَايَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (الانعام/۱۵۸)

ترجمہ:۔ کام نہیں آئے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی تو کہہ دے تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکل آئے۔ جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو ایمان لائیں گے لیکن یہ وہ وقت ہوگا کہ اس نفس کو ایمان نفع نہ دے گا جو ابھی تک ایمان نہیں لایا۔ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے ایک حدیث سُنی ہے جس کو ابھی تک بھولا نہیں۔ فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور چاشت کے وقت دابۃ کا خروج ہے۔ ان دونوں میں سے جو نشانی بھی پہلے ظاہر ہو دوسری اس کے فوراً بعد ہوگی۔ ترمذی میں ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں غروب شمس کے وقت مسجد میں داخل ہوا حضور ﷺ تشریف فرما تھے فرمایا اے ابوذر! تجھے معلوم ہے یہ سورج کہاں جاتا ہے میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے۔ فرمایا یہ سجدہ کی اجازت کے لئے جاتا ہے اس کو اجازت ملتی اس کو کہا جائے گا وہیں سے طلوع ہو جہاں سے آیا ہے پس مغرب سے طلوع کرے گا۔

خروج دابۃ:۔

ارشاد باری ہے۔

وَاِذَاوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَالَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيَاتِنَالَايُوْقِنُوْنَ (النمل / ۸۲)

ترجمہ:۔ اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے ان سے باتیں کرے گا، اس واسطے کہ لوگ ہماری نشانیوں

کا یقین نہیں کرتے تھے۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے۔اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کرے گا (موضح) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخری زمانہ میں طلوع شمس من المغرب کے دن ہوگا۔قیامت تو نام ہی اسی کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے لہٰذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی۔شاید دابۃ الارض کے ذریعہ یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں۔صرف مکذبین کی تجہیل اور تحمیق مقصود ہے ماننے کا جو وقت تھا وہ گزر گیا۔

عقیدہ نمبر ۱۰۱:۔

قولہ:وَلَانُصَدِّقُ کَاهِنًا وَلَا عَرَّافًا وَلَا مَنْ يَدَّعِيْ شَيْئًا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَاِجْمَاعَ الْاُمَّةِ۔

ترجمہ:۔اور ہم کسی کاہن کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ نجومی کی اور نہ اس شخص کی جو کسی ایسی شی کا دعویٰ کرے جو کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہو۔

شرح:۔(۱) اَلْکَاهِنُ :۔مَنْ یَدَّعِیْ عِلْمَ الْغَیْبِ۔جوغیب دانی کامدّعی ہو۔(۲) اَلْعَرَّافُ،اَلْمُنَجِّمُ،نجومی۔

علم غیب باری تعالیٰ کا خاصہ ہے۔غیب سے مراد وہ ہے جولوگوں سے غائب ہے لوگوں کے پاس جو علمی ذرائع ہیں اس کے ذریعہ معلوم نہ کرسکے۔مثلاً حواس،عقل اوروحی۔غیب کی دوقسمیں ہیں (۱) غیب مدلل (۲) غیب غیرمدلل۔

غیب مدلل:۔ جوعقل اور حواس سے غائب ہے لیکن وحی کے ذریعہ اس کا علم ہمیں ملا ہو۔مثلاً جنت،دوزخ وغیرہ کا علم۔

غیب غیرمدلل:۔ جس کے جاننے کا ہر ذریعہ مفقود ہو،یہاں تک وحی کے ذریعہ بھی نہ بتلایا گیا ہو۔مثلاً احوال وواقعات کونیہ یعنی کائنات کے حالات اور کائنات میں واقع ہونے والے واقعات کا کسی کو علم نہیں۔نجومی اور کاھن لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ ہمارے پاس تکوینی علم ہے۔ان لوگوں کی تصدیق کرنا صحیح نہیں حضورﷺ کا ارشاد ہے جوشخص نجومی کے پاس آکر کوئی چیز پوچھے تو چالیس راتوں تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جو نجومی یا کاھن کے پاس آئے اور اس کے قول کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ کا انکار کیا۔یعنی قرآن وحدیث دونوں کو وحی کہتے ہیں اور علم الوحی سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا علم کسی کو نہیں۔مخلوق کے لئے قرآن میں اگر علم کا لفظ آیا ہے تو اس کے ساتھ غیب کا لفظ نہ ہوگا۔اگر غیب کا لفظ آیا ہے تو علم کا لفظ نہ ہوگا۔

اگر علم اور غیب دونوں ایک ساتھ آئے ہیں تو پھر اللہ کا علم مراد ہوگا، مخلوق کا نہیں۔ مخلوق کے لئے اطلاع غیب، انباء غیب اور اظہار غیب کے الفاظ آئے ہیں۔ علم وغیب کے دونوں الفاظ ایک ساتھ نہیں آئے۔ اللہ نے غیب کی اطلاع دی ہے یا اظہار کیا ہے یا انباء کی ہے۔ حضور ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ ﷺ سے کہا گیا یا رسول اللہ! یہ لوگ کبھی کبھی تو حق بات بھی بتلا دیتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ حق کلمہ ہے جس کو شیطان اُچک کر اپنے دوست (کاہن) کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "حُلْوَانُ الْکَاهِنِ خَبِیثٌ" کاہن کی کمائی حرام اور گندی ہے۔ کاہنوں کے ساتھ شیاطین کی دوستی ہے۔ شیطان ایک دوسرے پر چڑھ کر آسمانوں میں فرشتوں کی تکوینی گفتگو سنتے ہیں۔ ان کو مار بھگانے کے لئے ایک شعلہ آتا ہے یہ ایک آدھ سچی بات اُچک لیتے ہیں پھر اپنے کاہن دوستوں کو بتلا دیتے ہیں۔ پھر وہ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کے سامنے حق اور سچ ظاہر کر کے بیان کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس نے یوں کہا "مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌبِیْ مُؤْمِنٌ بِالْکَوَاکِبِ" جس نے بارش کی نسبت ستارہ کی طرف کی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارہ پر ایمان لایا۔ نوء کی جمع انواء ہے، انواء منجمین کے نزدیک اٹھائیس ہیں جن کے مطالع مشہور ہیں۔ ہر تیرہ دن میں ایک ستارہ مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں اسی وقت دوسرا ستارہ مشرق میں طلوع ہوتا ہے اور اب اٹھائیس ستاروں کے خاتمہ

کے ساتھ ساتھ سال کا اختتام ہو جاتا ہے اور پھر از سر نو شروع ہو جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کا خیال تھا کہ ایک ستارہ کے طلوع اور دوسرے کے غروب کے وقت بارش یا ہوا کا ہونا ضروری ہے اس وجہ سے وہ بارش کو اسی ستارے کی طرف منسوب کرتے تھے جس کے طلوع کے وقت بارش ہوتی تھی۔ اور کہتے تھے مُطِرنا بنوء ثریا او بنوء الدبران۔

حدیث میں آتا ہے کہ چار باتوں کا تعلق جاہلیت سے ہے۔ حسب (حیثیت) پر فخر، نسب میں طعن، ستاروں سے بارش طلب کرنا اور رونا۔ الحاصل فن نجوم زمینی حوادث کے لئے احوال فلکیہ کو بغیر کسی ظاہری سبب کے اصل سبب اور علت سمجھنا ہے۔ آج کل دیواروں پر نجومیوں کے نام لکھے جاتے ہیں، اخبارات میں اشتہارات آتے ہیں، چھوٹے تشہیری پمفلٹ شائع کرتے ہیں، لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ سادہ لوح اور توہم پرست لوگوں نے ان کی دکان گرم کر رکھی ہوئی ہے۔ گورنمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی اسلامی نظریاتی سرحدات کی حفاظت کی خاطر ان نجومیوں کا قلع قمع کر دے۔ حضرت ابو بکر حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں لوگ اگر منکر کو دیکھیں اور منع نہ کریں قریب ہے کہ اللہ ان سب کو عام عذاب میں مبتلا کر دیں

عقیدہ نمبر ۱۰۲:۔

قولہ: وَنَرَ ی الْجَمَاعَۃَ حَقّاً وَصَوَاباً وَالْفُرْقَۃَ زَیْغاً وَعَذَاباً

ترجمہ:۔ اور ہم جماعت کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور ان سے علیحدگی کو کجی

اور عذاب سمجھتے ہیں۔

شرح:۔ ارشاد باری ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَاجَآئَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آل عمران/۱۰۵)

ترجمہ:۔ اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (الانعام/۱۵۹)

ترجمہ:۔ جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔

وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (ہود/۱۱۸۔۱۱۹)

ترجمہ:۔ اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے۔

اس آیت میں اہل رحمت کو اختلاف سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتَابِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ (البقرہ/۱۷۶)

ترجمہ:۔ اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بے شک ضد میں دور جا پڑا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآئَتْ

مَصِیْراً(النساء/۱۱۵)

ترجمہ:۔اور جوکوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کردیں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ اہل کتاب نے اختلاف کی وجہ سے بہتر فرقے پیدا کئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔سوائے ایک فرقہ کے سب جہنم میں جائیں گے اور وہ جماعت ہے یعنی ''ما انا علیہ واصحابی'' جس کا ترجمہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔ترمذی کے ابواب الفتن میں لزوم جماعت کے بارے میں باب ہے حضورﷺ کا ارشاد ہے جماعت کے ساتھ لازم رہو جدائی سے بچو،شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے دو سے دور رہتا ہے۔جو بیچ کی اعلیٰ جنت چاہتا ہے اس پر جماعت کے ساتھ لزوم ضروری ہے۔فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔جماعت کے ساتھ اللہ کی تائید ہوتی ہے جو الگ رہا آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

نظریاتی طور پر ہر مسلمان کو اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔سواد اعظم والی جماعت کے ساتھ نظریاتی وابستگی ہو تو مکان وزمان کی جدائی سے فرق نہیں پڑتا۔کیونکہ اصل اتحاد اور یکجائی نظریات کی ہے۔زمان ومکان کے لحاظ سے پوری جماعت کی یکجائی ممکن نہیں۔اس نظریاتی وابستگی کی بناء پر پوری دنیا کے مسلمان صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک اور قیامت تک ایک رہیں گے۔جو ان کے

ساتھ وابستہ رہے نفس اور شیطان کے حملوں سے محفوظ رہے گا۔ اسلام نے جماعتی زندگی پر بہت زور دیا ہے۔ اجتماعی عبادات میں اسی نظریاتی اتحاد کی طرف اشارہ ہے جماعت کی نماز اگر قصداً ترک کردی جائے تو اس پر وعیدات وارد ہوئی ہیں۔ امت من حیث الامت معصوم ہے جبکہ کوئی امتی معصوم نہیں۔ کوئی دور ایسا نہیں ہوتا جس میں طائفہ منصورہ نہ ہو۔ اس طائفہ منصورہ کا مصداق محدثین، فقہاء، مجاہدین اور صوفیاء کی جماعتیں ہیں یہ سب اہل السنۃ والجماعۃ کے مختلف شعبے ہیں۔ یہ اہل السنۃ والجماعۃ اور سواد اعظم سے کوئی الگ یا ان کے خلاف گروپ بندی نہیں۔ الگ الگ نظریاتی جماعت بنا کر الگ الگ نام رکھنا بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ چنانچہ کوئی خود کو اہل قرآن کہتے ہیں کوئی اہل حدیث کہتے ہیں۔ اگر یہ نام حق مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی دوسری تعبیر ہے تو ٹھیک ہے جس طرح مسلک دیوبند ہے۔ اور اگر یہ نام اہل السنۃ والجماعۃ کے مقابلے میں ہوں، نظریاتی اختلاف بھی ہو تو پھر معاملہ بگڑا ہوا ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ سب اہل السنۃ والجماعۃ کے جھنڈے تلے کام کریں۔ کیونکہ یہ فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہے۔ بعض اوقات اہل السنۃ والجماعۃ میں ہی مختلف جماعتیں بن کر اس حق مسلک کے لئے کام کرتی ہیں مثلاً کوئی جہادی تنظیم، تبلیغی جماعت یا صحیح اسلامی سیاسی جماعت وغیرہ۔ تو ایسی جماعتوں کے ساتھ وابستگی اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے۔ ان جماعتوں کے امراء کو چاہیے کہ خود کو جماعت کا ایک فرد سمجھیں حضرت جی مولانا یوسفؒ فرمایا کرتے تھے میں خود کو جماعت کا ایک فرد سمجھتا ہوں۔

اختلاف کی حقیقت:۔

شریعت کے دلائل کی چار قسمیں ہیں

(۱)قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ ۔ ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہوں

(۲)قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ۔ ثبوت قطعی ہو اور دلالت ظنی ہو۔

(۳)ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ ۔ ثبوت ظنی ہو اور دلالۃ قطعی ہو۔

(۴)ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ ۔ ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہوں۔

پہلی قسم سے ثابت ہونے والی مسائل کو اصولی مسائل کہتے ہیں ان میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ۔اگر کوئی اختلاف کرے تو وعیدات کا مستحق ہوگا۔بقیہ تین قسم کے دلائل سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں وہ فروعی مسائل کہلاتے ہیں۔جن میں اختلاف اور جتہاد کی گنجائش موجود ہے۔یہ اختلاف باعث عذاب نہیں بلکہ باعث رحمت ہے۔مجتہدین اور چار مشہور مسالک کا اختلاف یہی فروعی اختلاف ہے اس اختلاف کی بنیاد دلائل ہیں۔اس اختلاف کے لئے چند باتیں ضروری ہیں۔

(۱) اہلیت :۔ اختلاف کا اہل ہو یعنی مجتہد ہو۔ جیسے دو ڈاکٹروں کا اختلاف دو وکیلوں کا اختلاف۔غیر ڈاکٹر مریض کو ڈاکٹر کے ساتھ اختلاف کا حق نہیں ۔آج کل نام نہاد اور نااہل برائے نام اہل حدیث مجتہدین کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں یہ نااہل کا اہل کے ساتھ اختلاف ہے۔شافعی کا حنفی کے ساتھ اختلاف صحیح ہے کیونکہ دونوں صحیح مسلک کے پیروکار ہیں

(۲) اختلاف میں خواہشات کی اتباع نہ ہو۔ کیونکہ خواہش پرستی اور نفس پرستی

شروع ہوجائے گی نہ کہ دین پرستی۔اس لئے اکثر فقہاء صوفیاء بھی ہوتے ہیں۔اور دین تو نام ہی نفس کی خلاف ورزی کا ہے۔چنانچہ اسلام کے تمام احکامات پر غور کرو خلاف طبع نکلیں گے۔

(۳) مجتہد اور اہل میں اختلاف کے وقت تعصب نہ ہو۔یعنی دھڑے بندی اور پٹی بند ہونے کی وجہ سے دوسرے مسلک کے قوی دلیل کو رد کردیتے ہیں اور اپنے مسلک کی ضعیف دلیل کو قبول کرتے ہیں۔اپنے مسلک کے غلط مسئلے سے رجوع نہیں کرتے۔اور دوسرے مسلک کے حق مسئلہ کو قبول نہیں کرتے۔چنانچہ مختلف مسالک میں بعض افراد متشدد اور متعصب مشہور ہوتے ہیں۔

(۴) اہل اختلاف میں اخلاص بھی ضروری ہے۔یہ اختلاف صرف اللہ کی رضا کی خاطر ہے پھر حق مسئلہ کو قبول کرنا آسان ہوتا ہے۔اور غلط مسئلے سے رجوع بھی کرلیتا ہے اور اختلاف کرتے ہوئے اللہ سے ڈرتا بھی ہے۔

ان شرائط کی رعایت کے ساتھ مجتہد اور اہل اگر غلطی بھی کرجائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

موجودہ اہل حدیث:۔

یہ حضرات حقیقت میں غیر مقلد ہیں۔یہ نہ خود اہل اور مجتہد ہیں اور نہ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں بلکہ فرقہ واریت ہے۔کیونکہ یہ لوگ اپنی اپنی جماعتوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔اگر واقعی قرآن وحدیث کے پیروکار اور عامل ہیں تو ان کا ہر فرد اپنی اہل حدیث جماعت کے ساتھ کیوں وابستہ ہے۔خود قرآن وحدیث سے دلائل تلاش.

کر کے عمل کریں۔اس طرح ہر غیر مقلد نام نہاد مجتہد بن جائے گا۔اور ہر ایک کی اپنی الگ رائے ہوگی۔اور کسی کی تقلید بھی نہ ہوگی۔لیکن یہ افراد شر القرون کے افراد اور ان کے اجتہاد سے وابستہ ہیں۔فرقے ائمہ اربعہ والوں نے نہیں بنائے بلکہ اہل حدیث اگر قرآن وحدیث پر عمل شروع کریں تو پھر دیکھیں بے شمار فرقے بنیں گے۔ان غیر مقلدین کو اہل حدیث ہوتے ہوئے حق نہیں کہ کسی کے پیچھے چلیں خواہ ان کی اپنی جماعت ہو یا خیر القرون کے مجتہدین کی جماعت ہو۔کیونکہ اہل حدیث نام کا تقاضا یہی ہے۔

ہر مجتہد حق پر ہے:۔

جب قرآن وحدیث سب کا ایک ہے،مامور بہ ایک ہے تو حق میں تعدد کہاں سے آیا۔حق تو ایک ہے ضرور ایک مجتہد غلطی پر ہوگا۔اگر ہر ایک مصیب ہے تو پھر حق متعدد ہوا۔شاہ عبدالعزیزؒ نے فتاویٰ عزیزیہ میں تحقیق کی ہے حق کبھی ایک ہوتا ہے مثلاً ظہر کی نماز سب کے نزدیک فرض ہے اس میں دو قول نہیں۔کبھی حق متعدد ہوتا ہے نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا بھی حق ہے اور کھڑے ہو کر پڑھنا بھی حق ہے۔کبھی حق ایک ہوتا ہے لیکن وہ متعین نہیں ہوتا بلکہ دائر ہوتا ہے مثلاً قبلہ ایک ہے لیکن اشتباہ کی صورت میں چار آدمی الگ الگ جہت کی طرف منہ کر سکتے ہیں۔ان میں مصیب ایک ہوگا کیونکہ حق ایک ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ حق کس کے ساتھ ہے تو حق دائر ہوا۔ان چار آدمیوں کی تحری اور اجتہاد کے ساتھ جس طرف منہ کیا نماز ہو جائے گی۔اسی طرح

ایک مسئلہ میں مختلف اجتہادی آراء ہوسکتی ہیں کیونکہ مسئلہ مذکورہ میں حق ایک ہوتا ہے لیکن غیر متعین اور دائر ہوتا ہے، جس کی تلاش میں مجتہدین کے مختلف اقوال سامنے آجاتے ہیں۔

عقیدہ نمبر۱۰۳:۔

قولہ: وَدِیْنُ اللّٰہِ تَعَالیٰ فِی الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ وَاحِدٌ وَھُوَ دِیْنُ الْاِسْلَامِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَقَالَ تَعَالیٰ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً۔

ترجمہ: اور اللہ کا دین زمین وآسمان میں ایک ہے اور وہ دین اسلام ہے۔اللہ کا ارشاد ہے اور دین تو اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے اور اللہ نے فرمایا ہے اور میں راضی ہوگیا تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر۔

شرح:۔اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں لوگوں کو زندگی گزارنے کا ضابطہ دیا ہے۔یہ ضابطے انسانی عقائد،عبادات،معاملات،معاشرت اور اخلاق پر حاوی ہوتے ہیں انسان کو عبث اور بے کار نہیں چھوڑا۔اور نہ اس بات کی اجازت ہے کہ آدمی خود اپنے لئے دین گھڑ لے یا بے دین بن جائے۔انسان کو اللہ نے نہ بد دین بننے دیا ہے اور نہ بے دین۔جب انسان کو اللہ نے خود اپنی قدرت سے بنایا تو اب دین بھی اللہ دیں گے۔اس لئے کہتے ہیں کہ شارع حقیقی صرف اللہ ہے،انبیاء کرام اور رُسُل صرف شرع کو بیان کرتے ہیں۔اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے کیونکہ عقائد،اخلاق

اور اصول دیانات میں سب متفق رہے ہیں۔ بعض فروع میں زمانہ کی مصلحت کے لحاظ سے کچھ تفاوت ہے۔ اس طرح دین کے قائم رکھنے کے طور طریقے ہر دور میں الگ الگ رہے۔ اس لئے فرمایا۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً (المائدہ /۴۸)

ترجمہ:۔ ہر ایک کو دیا ہم نے دستور اور راہ۔

ہر دین اپنے دور میں حق تھا ہمارے دور کا دین حق اسلام ہے۔ ارشاد ہے

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (ال عمران/ ۸۵)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

ہمارا دین زمان اور مکان کے اعتبار سے عام ہے۔ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے لہذا اس کے دین اسلام کا راج ہر جگہ ہوگا۔ زمین میں سمندر، فضاء میں، جنگل میں جہاں ہو کامیابی صرف دین اسلام میں ہے اور اسی دین پر چلنا ہوگا۔ دین اسلام کے مقابلہ میں اگر کوئی کسی اور سماوی دین پر چلے تو کامیابی ناممکن ہے۔ پھر وہ لوگ سوچ لیں جو کسی دین سماوی کی پیروی نہیں کرتے، نہ دین ناسخ کی نہ دین منسوخ کی۔ اب لوگ آہستہ آہستہ مذاہب سے دنیویت اور مادہ پرستی کی طرف نکل رہے ہیں جس کو سیکولرازم کہتے ہیں۔ یہ اتنا زبردست فتنہ ہے کہ بڑے بڑے لوگ جو دین سے نکل چکے ہیں خود کو بڑا مذہبی انسان سمجھتے ہیں۔ مذہب کے اندر رہتے ہوئے آزادی چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے جو ان کو مذہبی پابندی کے بارے میں کہے تو وہ تنگ نظر اور

انتہاء پسند مسلمان ہوتا ہے۔انسان زندہ رہے خواہ کتنا سیکولر بن جائے لیکن پھر بھی کسی نہ کسی نظریہ کو اپناتا ہے۔خود کو کچھ نہ کچھ مذہبی ظاہر کرتا ہے۔کیونکہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے۔تو پھر سب سے بہتر، صاف شفاف اور آسان مذہب اسلام کو کیوں نہیں اپناتا جو فطری دین بھی ہے اور جس کا انتخاب اللہ نے اپنے بندوں کے لئے کیا ہے۔اللہ سے بہتر انتخاب کون کرسکتا ہے۔خود بندہ کو دین بنانے یا اپنانے کا اختیار نہیں دیا۔

عقیدہ نمبر ۱۰۴:۔

قولہ:وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ وَبَيْنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّعْطِيلِ وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ وَبَيْنَ الْاَمْنِ وَالْيَأْسِ۔

ترجمہ:۔ اور یہ دین اسلام غلو اور تقصیر کے اور تشبیہ اور تعطیل کے اور جبر اور قدر کے اور امن اور یاس کے درمیاں ہے۔

شرح:۔ یہ دین اسلام کی صفات ہیں اسلام ہر لحاظ سے معتدل دین ہے ارشاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا(البقرة/۱۴۳)

ترجمہ:۔اور اس طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط وتفریط سے بالکل بری ہے۔(تفسیر عثمانی) اس کا حکم اعتدال والا ہے خواہ تبلیغ ہو یا جہاد۔اگر کہیں غلو ہو تو

وہ لوگوں نے کیا ہوگا۔ فی نفسہ اسلام میں غلو نہیں بلکہ غلو فی الدین سے منع کیا گیا ہے ارشاد ہے۔

قُلْ یَااَهْلَ الْكِتَابِ لَاتَغْلُوْافِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَق (المائدہ/۷۷)

ترجمہ:۔ تو کہہ اے اہل کتاب! مت مبالغہ کر اپنے دین کی بات میں ناحق۔

یَااَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُحَرِّمُوْاطَیِّبَاتِ مَااَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَاتَعْتَدُوْااِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (المائدہ/۸۷)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کردیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ آئے اور حضورﷺ کے خلوت والے اعمال کا پوچھا پھر کسی نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، کسی نے کہا میں شادی نہیں کروں گا کسی نے کہا میں کبھی نہ سوؤں گا۔ حضورﷺ کو پتہ چلا تو فرمایا لوگوں کو کیا ہوا ہے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور جاگتا بھی ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں۔ اور فرمایا جو میری سنت سے اعراض کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ حضورﷺ نے ان حضرات کی اصلاح کردی کہ غلو سے کام نہ لو۔ زبردستی جان جوکھوں میں نہ ڈالو۔ شرعی مجاہدوں کے علاوہ ریاضت اور محنت الگ چیز ہے جو صوفیاء نفس کی اصلاح کے لئے مجاہدے کرتے ہیں۔ لیکن یہ دائمی نہیں ہوتے اور نہ ان میں تحریم حلال ہوتا ہے۔ اور نہ

عبادت میں تکثر بُری بات ہے کیونکہ امت مسلمہ کی تاریخ دینی مجاہدات، ریاضات اور تکثر عبادات وتلاوت کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ غلو یہ ہے کہ ایک پہلو کو اختیار کر کے دوسرا پہلو ترک کر دیا جائے۔ مثلاً نیند بالکل ترک کر دے تو پھر سرے سے شرعی مجاہدات بھی نہ کر سکے گا۔ دیگر ریاضات کا تو پوچھنا ہی کیا۔ شادی بالکل ترک کر دے۔ عبادت اللہ کا حق ہے اور نیند نفس وبدن کا حق ہے لیکن نفس اور بدن کو یہ حق اس لئے دیا کہ بدن میں راحت آئے گی تو عبادت کے اندر نشاط پیدا ہوگا۔ آدمی ہمیشہ روزہ رکھے اور افطار نہ کرے تو ممکن ہے کہ ایک وقت آئے کہ فرض روزہ رکھنے کے بھی قابل نہ رہے۔ کیونکہ بھوک کے ساتھ بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ آج کل تو موٹاپے کا علاج ہی ڈائٹنگ ہے۔ کم کھانے اور نہ کھانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے، کم سونے اور بالکل نہ سونے میں بھی بڑا فرق ہے۔ نیند اور کھانا بالکل چھوڑنا غلو ہے اور کم کھانا اور کم سونا مجاہدہ ہے جو مقاصد شریعت تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسلام میں نہ رہبانیت ہے کہ سب کچھ ترک کیا جائے اور نہ حیوانیت ہے کہ سب کچھ ہڑپ کیا جائے۔

اسی طرح مذہب اسلام تشبیہ اور تعطیل کے مابین ہے۔ ذات وصفات کی تشبیہ کسی مخلوق کے ساتھ منع ہے اور نہ صفات کی نفی وتعطیل ہے بلکہ اس کی شان کے مناسب ان صفات کا اقرار ہے۔ اسی طرح نہ انسان مجبور ہے اور نہ مکمل بااختیار ہے جبر وقدر کے مابین ہے۔ اسی طرح امن اور یاس کے مابین ہے اس کے عذاب کا خوف ہو اور رحمت کی امید ہو۔ خوف وامید کے دو پروں کے ساتھ سیر الی اللہ کرے گا۔ اللہ کی

صفات غضب اور رحمت والی ہیں تو غضب سے خوف اور رحمت کی امید ہو۔ اللہ جب ڈرائے تو پھر اسی سے امید رکھے۔ حال ہی میں زلزلہ کی افواہ کی وجہ سے لوگ بہت ڈر گئے تھے سب کی نیند اُڑ گئی تھی لیکن اسی حالت میں بھی سب اسی سے امید باندھ کر مانگ رہے تھے۔ جس نے ڈرایا اسی سے رحمت کی امید رکھ رہے تھے۔ اگر غیر اللہ کسی کو ڈرائے تو ڈرنے والا پھر اس کے پاس رحم کی امید لے کر نہیں جاتا بلکہ اس کے دل میں ڈرانے والے کی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۰۵:۔

قولہ: فَهٰذَا دِيْنُنَا وَاعْتِقَادُنَا ظَاهِراً وَبَاطِناً وَنَحْنُ بُرَآءُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ كُلِّ مَنْ خَالَفَ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ وَبَيَّنَّاهُ وَنَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالىٰ اَنْ يُثَبِّتَنَا عَلَى الْاِيْمَانِ وَيَخْتِمَ لَنَابِهٖ وَيَعْصِمَنَا مِنَ الْاَهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَآرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَالْمَذَاهِبِ الرَّدِيَّةِ مِثْلَ الْمُشَبِّهَةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْجَبْرِيَّةِ وَالْقَدَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الَّذِيْنَ خَالَفُوا السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَحَالَفُوا الضَّلَالَةَ وَنَحْنُ مِنْهُمْ بُرَآءُ وَهُمْ عِنْدَنَا ضَلَالٌ وَاَرْدِيَاءُ وَبِاللّٰهِ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ۔

ترجمہ:۔ پس یہ ہمارا دین اور ہمارا اعتقاد ہے باعتبار ظاہر کے اور باطن کے اور ہم اللہ کی جانب برأت کا اظہار کرتے ہیں ہر اس شخص کے بارے میں جو اس طریقہ کا مخالف ہو جس کو ہم نے ذکر کیا اور جس کو ہم نے بیان

کیا۔اور ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ایمان پر ثابت قدم رکھ اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہم کو مختلف خواہشات سے بچا اور متفرق آراء سے بچا اور ردی مذاہب سے بچا جیسے مشبہ اور معتزلہ اور جہمیہ اور قدریہ اور جبریہ اور ان کے علاوہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے سنت اور جماعت کی مخالفت کی اور گمراہی کے رفیق اور ساتھی ہو گئے اور ہم ان سے بری ہیں اور یہ ہمارے نزدیک گمراہ اور گھٹیا ہیں اور اللہ ہی کے ساتھ عصمت اور توفیق ہے۔

شرح:۔ پوری کتاب کا خلاصہ آخر میں ذکر کر دیا اور بتلایا کہ دین واعتقاد کا تعلق ظاہر اور باطن کے ساتھ ہے۔خلوت اور جلوت میں دینداری ضروری ہے۔اسی طرح صحیح اعتقاد ومذہب کے ساتھ غلط مذہب اور اعتقاد والوں سے برأت بھی ضروری ہے۔اسی طرح اس صحیح مذہب واعتقاد پر ثابت قدمی اور اسی پر خاتمہ کی دعا بھی ضروری ہے کیونکہ آدمی ابتداء سے لے کر انتہاء تک باری تعالیٰ کا محتاج ہے۔صحیح مذہبی اور اعتقادی مسلمان کو گمراہ کرنے والی قوتوں سے بچنے کی دعا بھی مانگے۔کبھی آدمی غلط خواہشات اور غلط آراء کی وجہ سے گمراہ ہو جاتا ہے،کبھی گمراہ لوگ اس کو گمراہ کرتے ہیں۔ان سب سے بچنا اور بچنے کی دعا مانگنا چاہیے۔پوری کتاب میں غلط عقائد والے مذاہب کو یکجا گنوا دیا۔جن سے بچنا ضروری ہے۔

(۱)مشبّہہ:۔

جنہوں نے اللہ کواس کی صفات میں اس کے مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ان کا قول عیسائیوں کے برعکس ہے انہوں نے مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دی اور عیسیٰؑ کو خالق کے ساتھ تشبیہ دے کر خدا بنایا۔اوران لوگوں نے خالق کی تشبیہ مخلوق کے ساتھ دی جیسے داؤد الجواری۔

(۲)معتزلہ:۔

یہ عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء اوران کے ساتھی ہیں۔انہوں نے جب حسن بصریؒ کی جماعت سے جدائی اختیار کی تو اعتزال کی وجہ سے ان کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ یہ لوگ دوسری صدی کے ابتداء میں گزرے ہیں۔واصل بن عطاء نے مذہب اعتزال کے پانچ اصول وضع کئے۔(۱) توحید (۲) عدل (۳) انفاذ الوعید (۴) منزلہ بین منزلتین (۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۔ان اصول خمسہ کا خلاصہ معتزلہ کی عقل پرستی ہے اور اللہ کو بندوں پر قیاس کرنا۔وحی کی روشنی کے بغیر عقل پرستی غلط ہے اسی طرح اللہ کو بندوں پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں۔

(۱) عدل:۔اللہ نہ شر کا خالق ہے نہ شر کا فیصلہ کرتا ہے اگر شر کو پیدا کرے پھر اس پر کسی کی پکڑ کی تو یہ ظلم ہوگا حالانکہ اللہ عادل ہے۔ان کے اس فاسد قانون کی وجہ سے یہ بات لازم آئے گی کہ اللہ کی حکومت میں ایسی باتیں بھی ہوں گی جن کو وہ نہیں چاہتا اور بعض باتوں کو چاہتا ہے لیکن نہ ہوں گی۔اسی طرح اللہ کے لئے عجز ثابت ہوگا۔

(۲) توحید:۔ قرآن مخلوق ہے۔ اگر غیر مخلوق ہوا تو تعدد قدماء لازم آئے گا جو توحید کے منافی ہے۔ اس فاسد اصول پر لازم آئے گا کہ اللہ کی دیگر صفات مثلاً علم قدرت وغیرہ بھی مخلوق ہیں۔

(۳) وعید:۔ جب آقا اپنے بعض غلاموں کو وعید سنائے اور پھر ان کو عذاب نہ دے اور اپنی وعید کا خلاف کرے تو یہ وعدہ خلافی ہے حالانکہ اللہ وعدہ خلاف نہیں پس ان کے نزدیک اگر کسی کو چاہے تو معاف نہ کرے بلکہ ضرور سزا دے گا۔ اور جس کی مغفرت چاہے اس کو نہ بخشے۔ یہ فاسد قانون اس آیت کے خلاف ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء/١١٦)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو۔ اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے۔

(۴) منزلہ بین منزلتین:۔ مرتکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ قانون بھی بہت سی نصوص کے خلاف ہے۔ ایمان اور کفر ایک دوسرے کے نقیض ہیں ان میں کوئی واسطہ نہیں۔

(۵) امر بالمعروف نہی عن المنکر:۔ جو ہمیں کوئی حکم دے ہم اس کو حکم دیں گے جو ہم پر الزام عائد کرے ہم اس پر الزام عائد کریں گے۔ اس قانون کا حاصل یہ ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر کے ساتھ دو اور ایک دوسرے کے ساتھ تلک بتلک کے تحت رہو۔ حالانکہ ہر جگہ تلک بتلک کی اجازت نہیں بلکہ کسی مصلحت شرعی کی وجہ سے خاموش

رہ کر صبر کرنا بھی ہے۔

جہمیہ:۔

جہم بن صفوان نے نفی صفات اور تعطیل کا مذہب اختیار کیا ہے اور اس نے یہ باتیں جعد بن درہم سے لی ہیں جس کو خالد بن عبداللہ القسری نے واسط میں ذبح کیا تھا۔اور اعلان کیا کہ لوگو! قربانی دو اللہ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے میں جعد بن درہم کو قربانی کرنے والا ہوں۔ جعد بن درہم کا گمان ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل نہیں بنایا اور حضرت موسیٰؑ کو کلیم نہیں بنایا۔

جبریہ:۔قدریہ کی ضد ہے قدریہ تقدیر کی نفی کرتے ہیں۔قدریہ قدر کی طرف منسوب ہے کیونکہ قدر کی نفی کرتے ہیں۔کبھی جبریہ کو بھی قدریہ کہتے ہیں کیونکہ اثبات قدر میں غلو سے کام لیتے ہیں۔

وغیرھم:۔

قادیانیت:۔مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے پیروکار نبی مانتے ہیں۔یہ فتنہ آج بھی سرگرم عمل ہے۔

بریلویت:۔یہ احمد رضا خان بریلوی کے پیروکار ہیں۔ان میں جہلاء کی تعداد زیادہ ہے۔احمد رضا خان بریلوی نے تقریباً پچاس سال تک مختلف بلند پایہ علمی شخصیات پر کفر کے فتوے لگائے۔ان کے ساتھ ذیل کے مسائل میں اختلاف ہے۔

(۱) نور و بشر (۲) علم غیب (۳) مختار کل (۴) حاضر و ناظر (۵) عبارات اکابر
حضور ﷺ کو نور مانتے ہیں ۔آپ ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرتے ہیں
آپ ﷺ کو مختار کل اور حاضر و ناظر سمجھتے ہیں ۔اکابر علماء دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی
عبارات پر اعتراض کرتے ہیں، اور ان حضرات کے علاوہ مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر
بھی ہاتھ صاف کیے ہیں۔

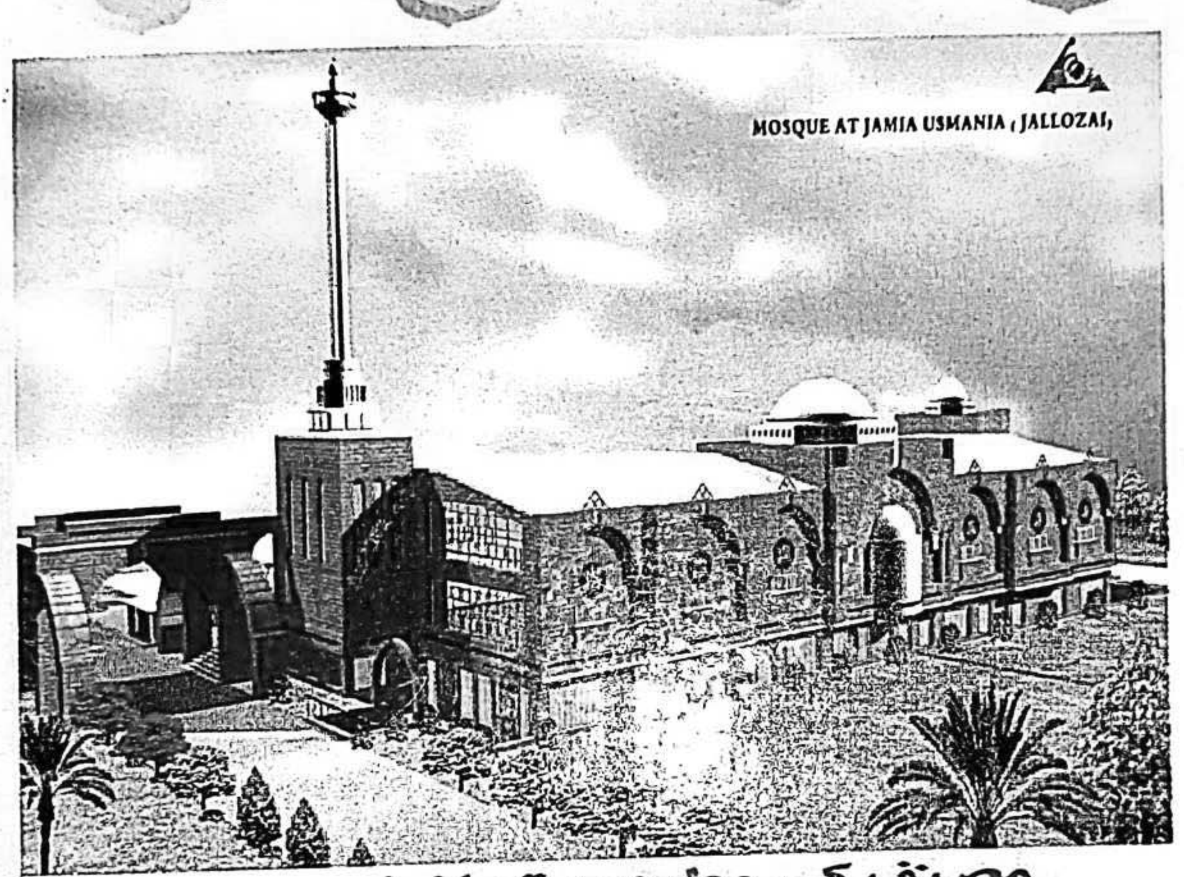
پرویزیت:۔ غلام احمد پرویز منکر حدیث ہے اس کے پیروکار خال خال ملتے
ہیں۔خود کو اہل قرآن اور قرآن کے طالب علم کہتے ہیں ۔یہ بھی خطرناک فتنہ ہے اب
بھی موجود ہے۔ پرویز شرعی احکامات کے اجماعی مفہوم کو چھوڑ کر لغت کے سہارے
سے من گھڑت مفہوم بیان کر کے لوگوں کو یہ باور کراتا ہے کہ اصل حکم شرعی یہ ہے
حالانکہ یہ اس کا الحاد ہوتا ہے۔ پرویز کئی کتابوں کا مصنف ہے، مفہوم القرآن کے نام
سے تفسیر بھی لکھی ہے۔

نیچریت یا سرسیدیت:۔ سرسید احمد خان کے کچھ افکار ہیں ۔نزہۃ الخواطر
میں بھی اس کے عقائد مذکور ہیں ۔الطاف حسین حالیؒ کے حیات جاوید میں بھی بہت
عقائد کا ذکر ہے ۔عقل پرست ہے، معتزلہ کے عقائد رکھتا ہے ۔سُپر نیچرل (فوق
العقل) باتوں کی تشریح اپنے تئیں یوں کرتا ہیکہ وہ نیچرل (حسب العقل) ہو
جائیں ۔اس لئے معجزات کا انکار کردیا کیونکہ سب معجزات سُپر نیچرل (فوق العادۃ)

ہوتے ہیں۔

سیکولرزم (دنیویت)۔ یہ بڑا خطرناک ازم ہے۔ اس میں خود کو دیندار کہنے اور سمجھنے والے افراد بھی کسی نہ کسی درجہ میں مبتلا ہیں۔ یہ اس دور کا خطرناک فتنہ ہے ۔تمام مذاہب والے اپنے اپنے مذہب سے نکل کر سیکولرازم کی طرف تیزی سے آرہے ہیں۔ مسلمان بھی دیگر اقوام کے ساتھ اس فتنہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ سیکولر لوگ دنیا کو پہلے نمبر پر رکھتے ہیں یعنی مقدم سمجھتے ہیں۔ مذہب اول تو ہے نہیں یا دوسرے نمبر پر ہے اور وہ بھی ذاتی معاملہ ہے۔ جس کو جس مذہب میں سکون آئے اس کو اپنائے خواہ وہ بت کے آگے ہاتھ جوڑنے میں ہو یا سجدہ کرنے میں یا نماز میں ہو۔ پھر نعرہ ایجاد کیا ''اپنا مسلک چھوڑو نہیں دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں'' ''جینے دو اور جیتے رہو''۔ یہ باتیں تبلیغ اور جہاد کے خلاف سازش ہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ دوسروں کو چھیڑو بھی نہیں اور چھوڑو بھی نہیں، یعنی باطل کو چھیڑو بھی نہیں اور چھوڑو بھی نہیں ورنہ حق کو نقصان پہنچے گا۔ اگر حضور ﷺ اس فلسفہ پر عمل کر کے باطل کو اصلاح کی خاطر نہ چھیڑتے تو پوری دنیا میں یہ دین کس طرح پھیلتا۔ یہ تو آپ ﷺ کی تبلیغ اور جہاد کی برکت ہے کہ آج پوری دنیا میں سب سے بہترین مذہب اسلام ہے۔ ہم مذکورہ بالا تمام گھٹیا اور بے کار فرقوں اور ازموں سے اللہ کی توفیق اور عصمت کے ساتھ برأت کا اعلان اور اظہار کرتے ہیں۔

وللہ الحمد ومنہ السداد والرشاد



مصنف کی مطبوعہ تصانیف

۱- تطبیق الایات قیمت: -/200
۲- وجوہ التکرار فی القرآن
۳- تحفۂ عثمانیہ اردو شرح العقیدۃ الطحاویہ

مصنف کی زیر طبع تصانیف

۱- جدید معا شی مقالات
۲- جدید سیاسی مقالات
۳- جدید طبی مسائل اور ان کا فقہی حل
٤- اسلامی و قانونی مقالات
٥- الجواب الشافی
٦- شرعی حقائق امثال کی روشنی میں
٧- الاحکام المستنبطۃ (من القرآن)
٨- نکات القرآن

دار التصنیف
جا معہ عثمانیہ پشاور پوسٹ کوڈ:1209

قیمت: -/220